اسلام کے فیصلہ کن معرکے

صلح حدیبیہ

محمد احمد باشمیل



[redacted]

نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی

اسلام کے فیصلہ کن معرکے

صلح حدیبیہ

مصنف

محمد احمد باشمیل

[redacted]

ترجمہ

اختر فتح پوری

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

[redacted]

نام کتاب	صلح حدیبیہ
تالیف	محمد احمد باشمیل
مترجم	اختر فتح پوری
تعداد صفحات	۳۰۴ صفحات
ایڈیشن	آفسٹ
طبع اول	ستمبر ۱۹۸۵

فون ۲۱۳۳۰۳

قیمت روپے

طابع : نفیس اکیڈمی کراچی

[redacted]

فہرست

[redacted]

[redacted]

[redacted]

(ز)

[redacted]

[redacted]

عرضِ ناشر

از: چودھری طارق اقبال گاھندی

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس کے نہایت دوررس اور مفید اثرات مسلمانوں پر ہوئے۔ صلح حدیبیہ کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کا نام دیا گیا ہے۔ تمام مسلمان مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور فہم و فراست کا ایک شاہکار واقعہ ہے، مشہور مؤرخ اور فاضل ڈاکٹر حمید اللہ نے صلح حدیبیہ کو عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہا ہے۔

حدیبیہ مکہ مکرمہ سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع پہاڑی دروں کا ایک دشوار گزار مقام ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ سے عمرہ کرنے کی نیت سے صحابہ کرام کے ساتھ مکے کو روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ میں بھیجا۔ اس کے بعد قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک باضابطہ تحریری معاہدہ وجود میں آیا۔ اسی بناء پر اس معاہدے کو تاریخ میں صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا ہے۔

مکہ میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے تیرہ پُر مصائب برسوں کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت کی اور آئندہ کے لیے مدینہ کو ہی اپنا مستقر بنایا تو اس وقت یہ اندازہ ہوا کہ مدینہ چاروں طرف سے طاقت ور حریف

آبادیوں میں گھرا ہوا ہے۔ جس کی بنا پر متوقع خطرات کی پیش بندی کرنا بہت ضروری تھا۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے قبائل کا دورہ فرمایا۔ اور مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہونے کے ابتدائی چند مہینوں میں ہی آپؐ نے قبائل بنی ضمرہ اور مدلج سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے۔

اصل خطرات قریش مکہ سے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو نضیر کے یہودی بھی مدینہ کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ ان قبائل نے مضافات مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد مدینے کے شمال میں خیبر کی یہودی بستیوں میں پناہ لی تھی۔ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی روایتی ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ اور قریش اور غطفان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما کرانے کے لیے مسلسل کوششیں کر رہے تھے۔

ادھر مسلمانوں نے شام و عراق جانے والے قریش کے تاجرانہ قافلوں کی ناکہ بندی کر کے قریش مکہ پر معاشی دباؤ تو ڈالا ہوا تھا۔ لیکن قریش مکہ کی فوجی قوت برقرار تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کو چاروں طرف سے ہی اپنے شدید مخالفوں اور دشمنوں کا سامنا تھا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس وقت عسکری لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بیک وقت خیبر کے طاقتور یہودیوں اور ان کے حلیف قبائل اور دوسری طرف قریش مکہ کی کسی فوجی کاروائی کو برداشت کرنے یا ان تمام مخالف قوتوں کے خلاف بیک وقت محاذ آرا ہونے کی قوت مفقود تھی۔

ان حالات میں دُور اندیشی اور سیاسی تدبر کا تقاضا یہ تھا کہ قریش مکہ یا خیبر کے یہود اور ان کے حلیفوں میں سے کسی ایک قوت کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جائے اور یہ معاہدہ اس نوعیت کا ہو کہ معاہدے کا شریک فریق، کسی دوسرے دشمن کے حملہ یا ان کے خلاف مسلمانوں کی کاروائی کے دوران غیر جانب دار رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت و تدبر نے صلح کے لیے قریش مکہ کو منتخب فرمایا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے عازمِ مکہ ہوتے ہیں۔ اور حدیبیہ کے مقام پہ پہنچ کر فروکش ہوتے ہیں۔ اسی مقام سے حرم کی حدود بھی شروع ہوتی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفارت کے فرائض سونپے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رض مکہ میں حراست میں لے لیے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں شہادتِ عثمان رض کی خبر پھیل جاتی ہے۔ اس موقعہ پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی جماعت کو ایک شدید کشمکش اور بحران سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اعلانِ جنگ کی صورت میں ان عظیم تر مقاصد کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال ہے جن کو ایک پیغمبر کی دُور اندیش نگاہ دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف خونِ عثمان رض کے قصاص کا مسئلہ بھی اہم تھا۔ اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خونِ عثمان رض کے قصاص کے لیے صحابہ کرام سے بیعت لیتے ہیں۔ تاریخ میں یہ واقعہ بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس وقت اللہ تعالےٰ نے بیعت کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ جب وہ رسول کے ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے تو دراصل خدا کے ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے۔ بہرحال جلد ہی حضرت عثمان رض کے شہید ہونے کی اطلاع کی تردید ہو جاتی ہے۔

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کے شرائط بادی النظر میں قریش مکہ کے حق میں نظر آتے تھے۔ چنانچہ اس سبب سے بعض صحابہ کرام نے اختلاف بھی کیا۔ لیکن جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنا آخری فیصلہ سُنا دیا تو تمام صحابہ نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں کے لیے سخت ناسازگار اور دشوار ترین زمانے میں حدیبیہ کے معاہدے کو قریش کی جانب سے تسلیم کر لینے کے باعث انہیں ایک طاقتور دشمن کی جانب سے لاحق خطرات سے فوری طور پر نجات مل گئی اور انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کے آنے والے تین برسوں کے اندر اندر اسلامی مملکت کو

[redacted]

بہت وسیع اور مستحکم و منظم کرلیا۔

اسی اہم اور تاریخ ساز واقعہ کا جائزہ کتاب "صلح حدیبیہ" میں شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جو اس وقت قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

استاذ محمد احمد باشمل کی علمی و ادبی شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اس سے قبل تاریخ اسلام کے فیصلہ کن معرکوں کے ضمن میں وہ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کے بارے میں علیحدہ علیحدہ بلند پایہ کتابیں تحریر کرچکے ہیں۔ "صلح حدیبیہ" اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ صلح حدیبیہ کا تذکرہ یوں تو سیرت نبویؐ پہ لکھی جانے والی تمام کتابوں میں موجود ہے اور اس کے مفید اثرات سے بھی ہر مصنف نے بحث کی ہے لیکن یہ واقعہ اس بات کا متقاضی تھا کہ اس موضوع پہ مدلل اور پُر مغز مقالہ اس وقت کے تاریخی تناظر کے حوالے سے تحریر کیا جائے۔ جو تمام مباحث کو سمیٹ سکے۔

بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کے فاضل مؤلف نے اس موضوع کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے۔ اور عالمانہ انداز میں تمام ضروری مباحث کا جائزہ پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور رُخ کی تصویر قارئین کے سامنے پیش کرے گا۔

[redacted]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد النبی الکریم
الامین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

دیباچہ

بقلم الکولونیل عبد اللہ التل

اسلام کے فیصلہ کن معرکوں کے متعلق استاذ محمد احمد باشمیل جو کتب تالیف فرمائے ہیں یہ اس سلسلہ کی پانچویں کتاب ہے، اس سے قبل آپ غزوہ بدر الکبریٰ، غزوہ اُحد غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کے متعلق کتابیں لکھ چکے ہیں، اس کتاب کا موضوع " صلح حدیبیہ " ہے، اس فیصلہ کن تاریخی واقعہ سے قبل، جو سیاسی اور فوجی نوعیت کے واقعات رونما ہوئے، ان میں سے مؤلف نے انیس غزوات، حملات اور سریات کا ذکر نہایت شاندار پیرائے میں کیا ہے، ہماری شکست خوردہ نوجوان پود کی ترقی کے لیے سیرت نبوی کے تمام اہم فوجی اور سیاسی واقعات کا لکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ اُن کے لیے ایک پاکیزہ اور سیراب کن توشہ ہو اور وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نیکو کار اصحابہ کی عظمت سے درس اور عبرت حاصل کریں۔ جنہوں نے اپنے ایمان و صبر اور حکمت و شجاعت کے باعث قابل فخر کارنامے سرانجام دیے اور ہمارے لیے ارکانِ اسلام کو مضبوطی کے ساتھ قائم کر دیا، پس آج ہم صاف طور پر اسلام کو مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں تائجوان تک پھیلا ہوا دیکھ رہے ہیں اور یہ سب کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ قوم کی قربانیوں اور شجاعتوں کے طفیل ہوا ہے۔

صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اُجاگر کرنے والا ہے کیونکہ آپ مدینہ کے پڑوس میں رہنے والے نجدی قبائل کی موجودگی میں، جو اسلام کے دشمن اور قریشی کفار کے ساتھ تعاون کرنے والے تھے، نیز خیبر کے یہودیوں کی موجودگی میں جو اس دین جدید سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہے تھے جس نے بنو قینقاع بنو قریظہ اور بنو نضیر کو شکست دی تھی، عمرہ کی ادائیگی کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے، آپؐ نے انہیں اسلام پر تسلط حاصل کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کا مزہ چکھایا، ان تمام خطرات کے باوجود آپؐ مدینہ سے اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر عمرہ کی نیت سے کعبہ کی زیارت کے لیے چل پڑے جس سے مسلمانوں کو تقریباً چھ سال کے عرصہ سے محروم کر دیا گیا تھا، حق بات یہ ہے کہ عمرہ کا یہ تاریخی سفر، خطرات سے گھرا ہوا تھا، ہر چیز سے یہ بات ہویدا تھی کہ قریش تعداد اور تیاری کے لحاظ سے نہایت طاقت ور تھے جو مکہ کے قریب پہنچتے ہی مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دیں گے اور منافقین کے دلوں میں بزدلی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ خیال کرنے لگے کہ مسلمانوں کا انجام قریش کے ہاتھ میں ہے۔ اسی بات نے مدینہ کے بہت سے منافقین اور بدوؤں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ اس سفر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کرنے سے معذرت کر دیں، اس سفر میں آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ چنندہ لوگ ہیں جن کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے دوام بخشا ہے اور قرآن کریم، جس کی تلاوت قیامت تک کی جائے گی، میں ان کے متعلق اپنی رضا مندی کا ذکر کیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباًلہ

حدیبیہ کے واقعات میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کاروائیاں کی

لہ سورۃ الفتح ۱۸

ہیں وہ اپنی ذات میں ایک ہمہ گیر دستور ہیں جن سے حکمت و بُرد باری، دُور اندیشی، ضبط نفس، احمقوں کے چیلنج اور بے وقوفوں کے بھکاووں کے مقابلہ میں اعصاب پہ کنٹرول کرنے اور عدل و انصاف، ایفائے عہد اور برائی سے پاک معاہدہ کے میدانوں میں بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس صلح کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراحل شاقہ سے گزرنے اور ان تمام کٹھن مشکلات پر قابو پانے کے بعد طے کیا جنہیں خواہ آپ کے ان اصحاب نے پیدا کیا جو اس صلح کی پختگی کے مخالف تھے یا آپ کی قوم قریش نے پیدا کیا جنہوں نے مسلمانوں سے معرکہ آرائی کے لیے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تمام افواج کو جمع کر لیا تھا حالانکہ مسلمان نہ جنگ کے لیے نکلے تھے اور نہ ہی انہیں جنگ میں کوئی دلچسپی تھی..... پس آپ نے اپنی شجاعت حلم اور صبر سے بیک وقت شر پر قریشی تہور پسندوں کے منصوبوں کو پیوندِ خاک کر دیا اور انہیں جنگ کی بجائے صلح کرنے پر آمادہ کر دیا، پس وہ از خود اس تاریخی صلح کے انعقاد کے لیے کوشش کرنے لگے۔

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی بہت بڑی تعداد کے خلاف منشاء جنہوں نے سطحی طور پر امور کا اندازہ لگایا تھا، قریش کے ساتھ صلح کا اقدام کیا تو آپ اس وقت سیاسی دانش کی چوٹی پہ قائم تھے اور صحابہ کو حکیم و رسول کی سی دُور اندیشی نصیب نہ ہوئی تھی اور جلد ہی واقعات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور دُور اندیشی کو ثابت کر دیا اور صلح حدیبیہ نے وہ تمام باتیں پوری کر دکھائیں جو آپ اس کے پس منظر میں دیکھ رہے تھے، مسلمانوں نے پوری آزادی اور قوت کے ساتھ دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت شروع کر دی۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد دُگنی ہو گئی اور بہت سے قبائل کے شیوخ اور قریش کے کافر سرداروں کے دل میں اسلام کے فضائل اور مسلمانوں کے اچھے اخلاق گھر کر گئے، جس کی وجہ سے وہ دین جدید کے متعلق اپنے نظریات کو بدلنے لگے اور اس کے پیروکاروں سے اپنی عداوت میں بھی کمی کرنے لگے نیز صلح حدیبیہ کے اہم فوائد میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس

نے غزوہ خیبر کے منصوبہ کو کامیاب بنانے میں بڑا پارٹ ادا کیا اور جزیرہ عرب میں، یہود کے خطرہ پہ آخری کاری ضرب لگائی۔

اس کتاب (صلح حدیبیہ) کے علاوہ استاذ باشمیل نے اس تاریخی سلسلے (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) میں جو کتابیں شائع کی ہیں یا آئندہ کریں گے، یہ مؤلف کی ایک بھرپور کوشش ہے جسے وہ مسلم نوجوانوں کو اپنی عظیم تاریخ اسلامی سے (جو ایک صاف آئینے کی طرح ہے اور جس کے صفحات پہ ہمارے شاندار ماضی کی حقیقت منعکس ہے) متعارف کروانے کے لیے بروئے کار لا رہا ہے، جس کے تذکرہ کے وقت دین سے نکل جانے والے ان باطل پرستوں کے گلے میں پھندا پڑ جاتا ہے، جو مادی، تخریبی اور بدیسی مذاہب کے غلام ہیں ـــــ یہ مفکرین وہ ایجنٹ ہیں جو خبیث ارادوں کے ساتھ اس روشن تاریخ کے بگاڑنے اور مسخ کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں......

ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمارے تعلق کو ہمارے ماضی سے کاٹ دیں، جس سے ہمیں وہ حقیقی قوت حاصل ہوتی ہے جس سے ان کے وہ لیڈر خائف ہیں جنہوں نے ان لوگوں کو اکر اسے یہ حاصل کیا ہوا ہے تاکہ وہ تمام وسائل کے ساتھ اس تعلق کو کاٹ دیں اور جلدی سے ہمارا تعلق ان مذاہب، عقائد اور اصول سے جوڑ دیں جو ہمارے ہاں دور دراز اور بدیسی ممالک سے آئے ہیں اور اپنی ذات میں فاسد اور خراب ہیں...... ہمارے ہاں ان کی عفونت پھیلنے سے قبل ہی ان کے اپنے اصلی وطن میں ان کی ناکامی اور ان کا افلاس ثابت ہو چکا ہے۔

تاریخ اسلام اور اس کی تحقیق ایک دلچسپ موضوع ہے اور یہ ان اہم معاونین میں سے ہے جن سے ایک مسلمان شجاعت و جوانمردی اور جاں نثاری و فداکاری کے جذبات میں مدد حاصل کرتا ہے نیز اس کے دل میں استقامت و دم خیر کے داعیے انگڑائیاں لینے لگتے ہیں کیونکہ اس تاریخ کی تہوں میں نافع تعمیرات کے لیے مواعظ و عبر اور درس ملتے ہیں، جنہیں اس امت کے بہترین لوگوں نے اپنے بہترین اعمال سے زمانے کی پیشانی پہ کندہ کیا اور نور کے حروف سے لکھا ہے

ان اعمال کو انھوں نے دین اسلام کی تعلیمات سے حاصل کیا ہے جو انہیں نسیان کے نذاویوں اور تمام اقوام کے پیچھے سے کھینچ کر آگے لے آیا ہے تاکہ انہیں دنیا کی قیادت کے سٹیج پر بٹھائے تاکہ وہ اقوام کے اساتذہ اور لیڈر بنیں۔

یہ دین عرب قوم کے لیے کس قدر مفید اور نافع ہے (جو اپنی پیشانی سے اس عار کو مٹانے کے فیصلہ کن معرکہ سے دوچار ہے، جسے اسلامی تعلیمات سے انحراف نے اس کے ماتھے پر تھیپڑ دیا ہے۔)

کاش وہ کرائے کے ایجنٹ جو عرب قوم کی صفوں میں گھس کر، اس کی فکری اور اعلامی قیادت کے حساس مقامات پر چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ عرب نوجوانوں کو خاص طور پر لحد عجمی کافروں مثلاً کارل مارکس، اینجلز، ماؤزے تنگ، کیغارا، کاسترو، ہوچی منہ، جیسے دشمنانِ اسلام کی بجائے، خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص، ابوعبیدہ بن جراح، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، صلاح الدین ایوبی اور محمد فاتح جیسے اسلامی سپوتوں کی تاریخ کے پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے۔

اُمتِ اسلامیہ اور عرب بالذات اس وقت تک اپنی برباد شدہ عظمت و وحدت کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ اپنے شاندار اور روشن ماضی کی طرف نہ پلٹیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے دین اور ہدایت کی اتباع کر کے اللہ تعالےٰ سے مضبوط تعلق پیدا نہ کریں۔

میں مخلصانہ طور پر اللہ تعالےٰ سے دُعاگو ہوں کہ وہ استاذ باشمیل کو، اس کوشش کا ثمرہ عطا فرمائے جو وہ ہماری تاریخ اسلامی کے روشن اور شاندار صفحات کے پیش کرنے کے سلسلہ میں کر رہے ہیں، میں ہر مسلمان کو خواہ وہ عرب ہو یا غیر عرب، یہ دعوت دیتا ہوں (خصوصاً دانشور نوجوانوں کو اور ان لوگوں کو جن کا سیاسی اور عسکری امور سے کچھ بھی تعلق ہے) کہ وہ اسلام کے ان فیصلہ کن معرکوں کے اس سلسلہ کے مطالعہ کے لیے وقف

ہو جائیں جن میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام نے حصّہ لیا اور اُنہوں نے (ان معرکوں کے باوجود) ہمارے لیے بلند مرتبہ بزرگی اور دنیا کے کانوں اور آنکھوں کو بھرپور کر دینے والی معطر شہرت قائم کی لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ انحراف نے اس شہرت کو شاہراہِ اسلام سے ہٹا کر خاک میں لتھیڑ دیا ہے اور اس انحراف کا آخری نتیجہ یہ ہے (اور شاید یہ سب سے قبیح تر ہے) کہ اس نے ایک سو ملین عربوں اور سات سو ملین مسلمانوں کی شہرت کو پانچ جون کے سیاہ دن کو دُنیا بھر کے بے اصولے اور قوموں کے دھتکارے ہوئے دو ملین یہودیوں کے ہاتھوں داغ دار کروا دیا ہے۔

اے اللہ! ہم تیری پناہ طلب کرتے اور تیرے حضور عاجزی کرتے ہیں کہ تو اُمتِ محمدیہ کو اپنی صراطِ مستقیم کی طرف لوٹا دے اور اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق عمل کرنے کو اس کے لیے روشن بنا دے تاکہ اس کی برباد شدہ عظمت اور قوت واپس آجائے۔ اور وہ انسانیت کو خیر و محبت، رواداری اور سلامتی کے راستوں پہ نئے سرے سے چلا دے، مولیٰ! تجھے ہر چیز پہ قدرت حاصل ہے۔

عبداللہ التل

قائد معرکہ قدس سنہ ۱۹۴۸ء

عمان

[redacted]

[redacted]

تمہید مؤلف

(۱)

اے اللہ تو بشریت کو بچانے والے اور انسانیت کو آزاد کرانے والے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل اور آپ کے سب اصحاب پر رحمت نازل فرما، اور ہمیں قول میں راستی اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما بلاشبہ تجھے ہر چیز پر قدرت کاملہ حاصل ہے۔

صلح حدیبیہ ہمارے سلسلہ (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) کی پانچویں کتاب ہے جسے ہم اسلامی تاریخ کے قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ ہماری اس حقیر کوشش کے نتیجہ میں ہماری قوم اسلام کی اس درخشندہ تاریخ کو دیکھ سکے جو شجاعت اور بزرگی کے کارناموں سے لبریز ہے اور جسے مٹانے اور بگاڑنے کے لیے مسلمانوں اور اسلام کے تمام دشمنوں نے ایکا کیا ہوا ہے اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمیشہ ہی سے مفکرین کا ایک گروہ، جو ہمارے ہی خاندان سے ہے اور ہماری ہی زبان بولتا ہے، وہ اس کا مقابلہ کرتا چلا آ رہا ہے بلکہ وہ ایسی خواہشات رکھتا ہے کہ ہم اُسے اپنے دین میں شمار کرنے لگے ہیں۔

ان لوگوں نے نہایت ہی قابل افسوس حد تک تاریخ اسلامی کے بگاڑنے میں پارٹ ادا کیا ہے اور اس تاریخ میں جو فضائل و محاسن پائے جاتے ہیں انہیں وطن اسلامی میں بدلیسی سیاسی مذاہب اور ان کے اصولوں کے مطابق ڈھال کر طبع کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان کا اور اسلام کا آپس میں کوئی تعلق ہی

نہیں ہے، یہ ایک نہایت اہم بات ہے تمام اسلامی ملک کے مربیان اور تعلیم و تربیت کے ذمہ دار حضرات پر واجب ہے کہ وہ تمام وسائل کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں اور اس خس و خاشاک کو دُور کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوں جسے دشمنوں نے اس تاریخ کی اصلیت پر ڈال دیا ہے تاکہ اس کے وہ درخشندہ اور روشن نشانات مٹ جائیں جن سے مسلم نوجوان فضیلت و استقامت کے راستوں پر (اگر وہ ان پر چلیں) روشنی حاصل کر سکتے ہیں جو انہیں عزت و کرامت اور بزرگی کے نردبان تک لے جائیں گے تاکہ وہ اس پر سر بلند اور روشن رُو ہو کر چڑھ جائیں۔

(۲)

اس تاریخی صلح کے انعقاد تک یا اس سے قبل جو کچھ بھی ہوا وہ عسکری ڈکشنری کے معروف معنوں کی رُو سے حربی معرکہ نہ تھا اور نہ ہی حدیبیہ کے کنکریلے نالے میں بدر کے نشیب، اُحد کی گھاٹیوں، خندق کے کناروں اور خیبر کی وادیوں اور چوٹیوں کی طرح کا قریش اور مسلمانوں کے درمیان کوئی خونریز معرکہ ہوا تھا جن کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت اچھے ہوئے تھے، لیکن صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج بھی، ان کامیاب، خونریز اور فیصلہ کُن معرکوں کے نتائج سے کم تر نہ تھے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو صلح کی اس نے دعوتِ اسلامی کو (سیاسی، روحی، معنوی اور عسکری لحاظ سے) وہ فوائد پہنچائے جو آپ کو کسی بھی معرکہ سے حاصل نہیں ہوئے جس میں آپ اور آپ کے اصحاب نے تیر، تلوار یا نیزے کے ساتھ شمولیت کی ہو اس بات کی شہادت ان کبار صحابہ نے بھی دی ہے جنہوں نے اس صلح کے انعقاد پر، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت معارضہ کیا تھا جیسا کہ عنقریب اس تاریخی صلح کے فوائد و دروس کے تحلیل و تجزیہ کے موقع پر قارئین اس کو مفصل طور پر مطالعہ فرمائیں گے، بلکہ ان فوائد کی عظمت پر خود قرآن کریم نے بھی گواہی دی ہے اور قیامت تک پڑھی جانے والی آیات میں ان فوائد کا

ذکر کر کے ان کو دوام بخشا ہے یعنی صلح حدیبیہ کو "الفتح المبین" قرار دیا ہے اور یہ وہ بات ہے جسے قرآن کریم نے عہد نبوی میں ہونے والے کسی بھی معرکہ یا واقعہ کو سوائے صلح حدیبیہ کے نتائج کے لحاظ سے ایسا قرار نہیں دیا یہاں پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صلح حدیبیہ نے مثبت نتائج کے لحاظ سے عہد نبوی میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والے سب سے بڑے معرکے سے بھی زیادہ کچھ حاصل کیا ہے جس سے اسلام کے پاؤں مضبوطی سے جم گئے اور عملاً بت پرستی کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں پھر گر پڑیں اور ان کا وجود مضمحل ہو گیا جیسا کہ اس کتاب کی فصول میں مفصل طور پر بیان ہوا ہے۔

ہم نے حدیبیہ کی اس تاریخی صلح کو اسلام کے فیصلہ کن معرکوں کے سلسلہ میں درج کیا ہے کیونکہ نتائج کے لحاظ سے اس پر "فیصلہ کن معرکہ" کا نام بکلی طور پر انطباق پاتا ہے۔

(۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ تک یونہی نہیں پہنچ گئے تھے بلکہ اس سے قبل آپ کو داخلی اور خارجی محاذوں پر شدید معرکوں کے ایک سلسلہ سے گزرنا پڑا تھا داخلی محاذ آپ کے ان اصحاب کا تھا جو اس صلح کے شدید مخالف تھے اور خارجی محاذ، آپ کی قوم، اہل اور خاندان کے ان مشرک قریش کا تھا جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بھڑکانے کے لیے اضطراب اور تحدی کا ہر حربہ استعمال کیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکلنے کے بعد اور اس صلح کے پختہ ہونے تک دو محاذوں پر شدید معرکوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اپنے اصحاب کے دائرہ میں اس معرکے کے دو پہلو تھے۔

۱۔ عقل غالب، وسعت افق، دور اندیشی، وقار، بردباری اور حدود نا آشنا صبر۔

۲۔ پُر جوش جذبات، جن کا حامل، عواقب کے بارے میں نہیں سوچتا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عقل، صبر، بُردباری اور وقار کے پہلو کی رُو سے غور و فکر کرنے، صبر کرنے اور اپنے اہل اور خاندان کے مضطرب کرنے کا جواب اُسی طرح مضطرب کرنے سے نہ دینا چاہتے تھے بلکہ جنگ کے نظریہ کو دُور کرنے اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کروانے کے لیے مجاہدانہ طور پر کام کر رہے تھے اور عام اصحاب پُر جوش جذبات کی رُو سے اس صلح کا شدید معارضہ کر رہے تھے اور قریش کے ساتھ جلد خونریز معرکہ آرائی چاہتے تھے وہ حدیبیہ کے طویل انتظار اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والی اور ان کی عزت کو داغ دار کرنے والی بعض شرائط کے مقابل تلوار سے فیصلہ کرنے کو بہتر خیال کرتے تھے۔

اپنے اہل اور اپنے مشرک خاندان کے دائرہ میں آپ کو دو مدّ مقابل چیزوں سے واسطہ پڑا۔

۱۔ صلہ رحمی کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے حق رعایت کے جذبہ کے داعیہ سے اور اپنے اہل اور خاندان کو ہدایت دینے کی خواہش سے، تاکہ وہ شرک کی ظلمت سے نکل کر توحید کے نور کو حاصل کر لیں اور خون کی حفاظت اور رُوح کی صیانت (خواہ وہ کسی کی بھی ہو) کے لیے کام کرنے سے۔

۲۔ جاہلیت کے اکھڑپن اور بتوں کی بڑائی کی لاف گزاف کے جذبہ سے جو ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتا تھا اور شر اور اکھڑپن اور سرکشی کے جذبات کے سامنے جھکنے والی استجابت سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جذبہ کے ہم خیال تھے اور اپنی قوم اور خاندان کو قانونی طور پر یہ پیغام پہنچانا چاہتے تھے کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی انہیں جنگ سے کوئی دلچسپی ہے وہ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور کعبہ کی زیارت کے بعد، وہ جس جگہ سے آئے ہیں وہیں اپنے اصحاب کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔

اور قریش مغلظ قسمیں کھاتے تھے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

اصحاب کو بیت اللہ میں آنے سے روکیں گے خواہ وہ زیارت کے لیے ہی آئیں، انہوں نے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تمام فوج کو اکٹھا کرلیا جو آٹھ ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی اور مکہ سے باہر ان کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا تاکہ وہ اپنی اس گنہگارانہ قسم کو سچ کر دکھائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد دوسرے ثالث کو قریش کی طرف بھیج رہے تھے کہ وہ قریش کو صلح کی دعوت دے اور انہیں یقین دلا دے کہ آپ کو جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں اور ان کے سامنے صلح کی بات کو پیش کرے تاکہ مسلمان اور قریش باہم امن و سلامتی کے ساتھ رہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مصالحانہ مساعی کے بالمقابل قریش اپنی خودسری اور سرکشی میں بڑھ رہے تھے انہوں نے اپنے شہسواروں کی کئی ٹکڑیاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا راستہ بنوک شمشیر روکنے کے لیے بھیجیں تاکہ وہ انہیں جنگ کی طرف کھینچ لائیں جس کے لیے نہ آپ گھر سے نکلے تھے اور نہ آپ کو اس سے کچھ دلچسپی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل اور خاندان کے ساتھ خونریز جنگ سے بچاؤ اختیار کرنے کے لیے ——— اس شاہراہ پر چلنا چھوڑ دیا جسے خالد بن ولید اپنے مشرک سواروں کے ساتھ روکے ہوئے تھے اور ایک غیر معروف راستے پر چل پڑے تاکہ وہ انہیں حدیبیہ کے میدان میں پہنچا دے، وہاں پر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حرم سے باہر اس موقع کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ اور آپ کے اہل اور خاندان کے درمیان صلح ہو جائے۔۔۔۔ تاکہ آپ کے اصحاب اور مشرکین مکہ کے درمیان ایسا ٹکراؤ نہ ہو جائے جو جنگ تک نوبت پہنچا دے اور جنگ سب باتوں سے زیادہ آپ کو ناپسند تھی۔

اور قریش ان تمام اخلاقی شرافتوں اور انسانی بلندیوں کے بالمقابل اپنے بیوقوفوں کو بھیج رہے تھے کہ وہ رات کی تاریکی میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھس کر ان پر غارت گری کر کے ان کے جذبات و احساسات کو برانگیختہ

کر دیں تاکہ وہ اپنا صحیح مقصد حاصل نہ کر سکیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر مشرکین کو چھوڑ دیا جو آپ کے پڑاؤ میں گھس آئے تھے حالانکہ آپ کے مقرر کردہ نگرانوں نے انہیں چوری چھپے گھستے ہوئے پکڑ لیا تھا...... آپ نے انہیں ازراہِ لطف وکرم اور صلہ رحمی کرتے ہوئے اور کشیدگی کی حدت کو کم کرنے کے لیے معاف فرما دیا۔

قریش نے اس مشکل اور مصیبت میں مزید اضافہ کرنے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص نمائندہ حضرت عثمان بن عفان اور دس صحابہ کو جو سادات قریش کی اجازت سے مکہ میں داخل ہوئے تھے اور ان کی پناہ میں تھے، روک لیا جس کی وجہ سے حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو گیا اور دلوں میں جوش وخروش بڑھ گیا اور ان آوازوں میں بھی اضافہ ہو گیا جو باغی قریشیوں کی تادیب کرنے اور بنوک شمشیر ان کے بتوں کی بڑائی کی ناک کاٹنے کی دعوت دینے لگیں...... اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں باتوں کے بالمقابل اس بات کے آرزومند تھے کہ امن وسلامتی کا دور دورہ ہو اور دونوں چھاؤنیوں کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے نیز آپ ماحول کو خوشگوار بنانے اور کشیدگی کی حدت کو کم کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے،

(۴)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کٹھن مشکلات اور سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے بعض مشکلات تو اعصاب کو توڑ دینے کے لیے کافی تھیں اور ان کا مقابلہ کرنے والے کو دائرہ حلم وصبر سے خروج کرنے پر آمادہ کر دینے والی تھیں۔ ......اگر ان مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے والے محمد بن عبداللہ نبی اللہ نہ ہوتے جو نہایت عقل مند اور تمام بنی نوع انسان سے زیادہ پُر سکون تھے تو واقعی دوسرے آدمی کے اعصاب شل ہو جاتے اور وہ صبر و حلم کا دامن چھوڑ دیتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کٹھن مشکلات کو سلجھایا اور ان تمام دشواریوں پہ اپنی عمیق حکمت، راست روی، دانشمندی، دُور اندیشی اور وسعت علم کے ساتھ قابو پالیا، یہاں تک کہ سید البشر اور بشریت کے نجات دہندہ کی اس عظیم جدوجہد کا پکا ہوا پھل، حدیبیہ کی وہ تاریخی صلح ہے، جس سے دعوتِ اسلامی کو دو سال کے اندر وہ فوائد حاصل ہوئے جو اُسے اُنیس سال میں حاصل نہ ہو سکے تھے، جیسا کہ ثقہ محدثین نے سنت نبوی کی کتب میں ان باتوں کو ریکارڈ کیا ہے۔

صلح حدیبیہ تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے، اس صلح کے ہوتے ہی جزیرہ عرب میں اسلام اور بُت پرستی کے درمیان ہونے والی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہوگئی یہاں تک کہ اس نے شرک اور بُت پرستی کا مکمل طور پہ خاتمہ کر دیا اور سیادت تامہ فقط توحید کے لیے باقی رہ گئی۔

صلح حدیبیہ میں حلم و صبر، ضبط نفس، ایفائے عہد، تنقید کو قبول کرنے، معارضہ کرنے اور بلند اور شریفانہ مقاصد تک پہنچنے کے واسطے تکالیف کو بقسمت برداشت کرنے کے لیے بہت سے مواعظ و عبر، اسباق اور حکمتیں پائی جاتی ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان کی ریسرچ کا اہتمام کیا جائے اور ان سے استفادہ کے لیے انہیں بنظر تعمق دیکھا جائے اور ان کے نور سے روشنی حاصل کی جائے۔

خصوصًا ان لوگوں کے لیے اس صلح میں بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں جو کسی قوم کی منزل کی جستجو میں ہوں اور قیادت کی کرسی پہ متمکن ہوں .... ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب کی ہدایت پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

محمد احمد باشمیل

فصل اوّل

غزوہ بنی قریظہ اور صلح حدیبیہ کے درمیان ہونے والے سیاسی اور عسکری واقعات کا مختصر بیان

بُت پرست عربوں کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے ظہورِ اسلام کے وقت اس سے دشمنی نہ کی ہو، اور جب مدینہ میں اس دین کو طاقت ور مومن مددگار مل گئے، جو اپنے اہل وعیال سے بھی بڑھ کر اس دین کا اور اس کے نبی کا دفاع کرنے والے تھے تو بُت پرستی پر قائم رہنے والے عربوں کی عداوت میں اور بھی اضافہ ہوگیا یہ بُت پرست عرب ہمیشہ اسلام پر گردشِ روزگار کے منتظر رہا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر مدینہ میں رجو اسلام کا جدید پایہ تخت تھا) مسلمانوں پر غارت گری کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اَعراب اور اَحزاب

جب مسلمانوں اور اعراب نجد اور قبائل حجاز اور یہود کے درمیان ہجرت کے پانچویں سال کے آخر میں احزاب کی جنگ چھڑی ہوئی تھی اس وقت مسلمان جانبازوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور ان کے دشمن جانبازوں کی تعداد

گیارہ ہزار سے کم نہ تھی..... بُت پرست اعراب اپنے احساسات و جذبات اور قلوب سمیت بغیر کسی استثناء کے، اپنے بُت پرست بھائیوں کے ساتھ تھے جو قبائل حجاز و نجد اور ان کے یہودی حلیفوں سے تعلق رکھتے تھے وہ اس بات کے متمنی تھے کہ انہیں اسلام کی چھوٹی سی فوج پر قلع قمع کر دینے والی فتح حاصل ہو..... بلکہ انہیں اس فتح کے حاصل ہونے میں ایک لمحہ بھر کے لیے بھی شک نہ تھا..... کیونکہ ہر مادی چیز اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ بُت پرست احزاب اور ان کی پارٹیاں بنانے والے یہودی اس معرکہ میں فتح مند ہوں گے لیکن اس امر کا ظہور بُت پرست اعراب کی توقعات اور تمناؤں کے خلاف ہوا، اللہ تعالیٰ نے یہود کے منصوبۂ جنگ کو بڑی طرح ناکام کر دیا، احزاب بے چارے شکست کھا گئے اور مدینہ پر چڑھائی کرنے میں ناکام ہونے کے بعد بڑی ذلت اور عار کے ساتھ نجد اور مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے اور مسلمانوں کو وہ فتح عظیم حاصل ہوئی کہ انہیں اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے تناسب سے عہدِ نبوت میں بھی کبھی ایسی فتح حاصل نہ ہوئی تھی اور یہود اپنے بُرے اعمال کی پاداش میں پھنس گئے، ان میں سے بنی قریظہ کے آٹھ سو غداروں کو قتل کر دیا گیا جن کا سردار احزاب کو مرتب کرنے والا اور فتنہ و شر کا بانی حیی بن اخطب نضری تھا، وہ خیبر کی طرف ڈر کر بھاگ گیا اور سلام بن ابی الحقیق جو غداری اور سرداری میں اس کا ساتھی تھا، اُسے انصار کے پانچ فدائیوں نے اس کے قلعے کی چوٹی پر اپنے بستر پر لیٹے ہوئے قتل کر دیا، اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی اس سے جزیرہ عرب میں طاقت کا توازن بہت بڑی حد تک اسلام کے حق میں ہو گیا اور اس صورت حال نے کمل طور پر جزیرہ عربیہ کی قیادت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں دے دیا..... یہ وہ بات ہے جس کا تخیل بھی بُت پرست اور کافر احزاب کے ذہن میں نہ آ سکتا تھا کیونکہ ان کے پاس ایسی زبردست فوج تھی جو گیارہ ہزار جوانوں پر مشتمل تھی جو اس مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئی تھی جس کی دفاعی فوج ایک ہزار جانبازوں سے زیادہ

[redacted]

...تھی۔

...عسکری کاروائیاں

ماضی سے جو سبق حاصل ہوئے اور جنہیں مسلمانوں نے بُت پرست اعراب اور یہود کے تمام احزابِ کفر کے ساتھ چار سالہ تجربات سے یاد رکھا، انہوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ عسکری کاروائی (خصوصاً اعراب اور یہود کے خلاف) ہی ایک واحد ذریعہ ہے جو علاقہ کے امن اور سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے نیز دعوت توحید کے لیے ماحول کو سازگار بنا سکتا ہے تاکہ مطلوبہ آزادی کے ساتھ توحید، قدر مطلوب کے مطابق قلوب و عقول میں راہ پا سکے، اس لیے (جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ یہود اور نجد و حجاز کے اعراب کے خلاف عسکری سرگرمیوں کو دگنا کر دیا جائے پس آپ نے آخر کار خیبر اور بقیہ شمالی علاقوں میں پھیلے یہود کی حکومت کو اسلحہ کی قوت سے تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا جیسا کہ آپ نے نجد و حجاز کے اعراب کے خلاف زبردست تادیبی فوجی حملے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

خیبر — آخری جولان گاہ

اس عسکری کاروائی کی آخری جولانگاہ غزوۂ خیبر تھا، جس کے ذریعہ مسلمانوں نے جزیرۂ عرب سے یہود کا مکمل صفایا کر دیا، خیبر میں یہود کا صفایا کرنے والے بڑے حملے سے قبل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس فوجی کاروائیاں کیں جو سرایا کی شکل میں تھیں جنہیں آپ عربوں کی تادیب کرنے اور ان کا کانٹا نکالنے کے لیے بھیجا کرتے تھے ۔۔۔۔ ان میں دو حملے ایسے تھے جن میں آپ کے انصار نے خیبر شہر کو روندڈالا اور اس کے دو بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے حملہ کر کے قتل کر دیا اور وہ دو بادشاہ سلام بن ابی الحقیق جس کا لقب ابو رافع

تھا اور اُسیر بن نذام تھے۔

(۱)

قرطاء پر حملہ — ۱۰ محرم ۵ھ

بُت پرست بدوؤں میں سے نجدی قبائل مسلمانوں پر سب سے زیادہ جری تھے کیونکہ نجدی بڑے جنگجو اور بے شمار تعداد کے حامل تھے اور ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ احزاب کی زبردست فوجوں کی ریڑھ کی ہڈی انہی نجدی قبائل کی فوج تھی اور ان تندخُو قبائل کے جوان ہی اس زبردست فوج کی اکثریت تھے اس میں... غطفان، اشجع، اسلم، فزارہ اور اسد قبیلہ کے چھ ہزار جانباز تھے اور اس میں وہ فوج بھی شامل تھی، جس کی قیادت مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ابو سفیان کر رہا تھا، جس کا محاصرہ اہل مدینہ نے کر لیا تھا۔

اس لیے پہلا فوجی حملہ جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمن کی تادیب (غزوہ خندق اور بنی قریظہ میں زبردست فتح حاصل کرنے کے بعد) کے لیے کیا یہ وہی حملہ ہے جسے آپ نے نجدی قبائل میں سے بنی بکر بن کلاب[1] پر کیا یہ لوگ ضریّہ[2] کی جانب مدینہ سے سات راتوں کی مسافت پہ قرطاء مقام میں رہتے تھے۔

ہجرت کے پانچویں سال ماہِ محرم کے اوائل میں —— اور بنی قریظہ کے یہود کے خاتمہ کے بعد —— رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعراب کی تادیب کے لیے اپنے خاص حفاظتی دستے کے سالار (محمد بن مسلمہ انصاری) کی قیادت میں ایک دستہ

---

[1] بکر بن کلاب نجد کے عظیم قبائل میں سے ہے معجم قبائل العرب میں ہے کہ یہ قبیلہ قیس عیلان عدنانی سے ہے اس کا علاقہ بڑا وسیع ہے جس میں بہت سے پہاڑ اور پانی ہیں۔

[2] صحیح الاخبار میں ابن بلیہد کہتا ہے کہ ضریّہ "ض" کی فتح اور "ر" کے کسرہ اور یاء مشدد کے ساتھ ہے یہ ایک قدیم بستی ہے جو بصرہ سے مکہ کے راستے پر واقع ہے جو نجد میں ہے

بھیجا جو صرف تیس سواروں پر مشتمل تھا، معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دستے کے سالار کو حکم دیا تھا کہ جب وہ اپنے حملے میں کامیاب ہو جائے تو بنی کلاب کی عورتوں کو قیدی بنانے کے درپے نہ ہو۔ ابن مسلمہ نے فوجی دستے کے ساتھ مارچ کیا وہ دن کو چھپ جاتا اور رات کو چلتا یہاں تک کہ اس نے دیار بجہ پر غارت گری کی انہوں نے کچھ مقابلہ کیا مگر بالآخر کئی مقتولوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے، سیرۃ حلبیہ میں ان کی تعداد دس بیان کی گئی ہے۔

ابن سعد، طبقات الکبریٰ میں بیان کرتا ہے کہ بنو بجر، ضریّہ کی جانب پارٹیوں کی صورت میں اترتے تھے، اور حضور علیہ السلام نے ابن مسلمہ کو حکم دیا کہ وہ ان پر غارت گری کرے وہ دن کو چھپ جاتا اور رات کو چلتا تھا اس نے ان پر غارت گری کر کے ان کے کچھ آدمیوں کو قتل کر دیا اور بقیہ بھاگ گئے اور وہ پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں ہانک کر لے آیا۔

ابن سعد کہتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے عورتوں سے کچھ تعرض نہیں کیا، حضور علیہ السلام نے خمس لگانے کے بعد، غازیوں کے درمیان غنیمت تقسیم کی۔ پس انہوں نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا اس حملہ میں انیس راتیں وقت صرف ہوا۔

بنو حنیفہ کا سردار قید میں

مؤرخین کا بیان ہے کہ جس سریہ کی قیادت محمد بن مسلمہ کر رہا تھا اس نے راستے میں بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال الحنفی کو قید کر لیا، یہ مسیلمہ کذاب کی امداد پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیے بھیس بدل کر آیا تھا، ابن مسیلمہ کے سریہ نے اسے پکڑ لیا اور وہ اسے جانتا نہ تھا، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا تمہیں پتہ ہے کہ تم نے کس شخص کو پکڑا ہے؟ یہ ثمامہ بن اثال الحنفی ہے تو انہوں نے اس کے قید

کرنے کو اچھا خیال کیا ..... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کے لیے ایک اونٹنی مخصوص کرنے کا حکم دیا، جس کا دودھ ہر صبح و شام اس کے پاس لایا جاتا تھا آپ بنو حنیفہ کے اسیر سردار کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ حضور علیہ السلام کے اس حسنِ سلوک نے اس کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ جو آپ سے شدید ترین بغض رکھتا تھا وہ آپ کا عظیم ترین محب اور آپ کی دعوت کی امداد میں فنا ہو گیا، آپ نے ایک مرتبہ اس کے بندی خانے میں جا کر اس سے ملاقات کی اور اُسے نہایت نرمی سے فرمایا، ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے جواب دیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس بھلائی ہے ..... اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے آدمی کو قتل کریں گے جو خون والا ہے ..... اور اگر معاف کریں گے ..... تو ایسے شخص کو معاف کریں گے جو شکر گزاری کرنے والا ہے ..... اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جس قدر مال آپ طلب کریں گے اتنا مال آپ کو دے دیا جائے گا۔

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اس سے فدیہ لیا بلکہ اُسے معاف فرما دیا کہ وہ آزادی سے جہاں جانا چاہتا ہے چلا جائے مگر ثمامہ (جس کے جذبات اور قلب پر حضور علیہ السلام کے حسنِ سلوک نے قبضہ کیا ہوا تھا) اپنی قوم کی طرف مشرک ہونے کی حالت میں واپس نہ ہوا بلکہ دینِ توحید کا داعی بن کر لوٹا (جیسا کوئی بڑا مخلص داعی ہو سکتا ہے) جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے معاف فرما دیا اور اُسے آزادانہ طور پر چلے جانے کا حکم دے دیا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم رُوئے زمین پر مجھے آپ سے بُرا کوئی شخص نہ لگتا تھا ... لیکن اب مجھے رُوئے زمین کے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ خدا کی قسم رُوئے زمین پر آپ کے دین سے زیادہ مبغوض مجھے کوئی اور دین نہ تھا۔ لیکن اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، خدا کی قسم آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض مجھے کوئی اور شہر نہ تھا لیکن اب آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، پھر اس نے شہادت حق

ادا کر کے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور وہ بہترین صحابہ میں سے تھا اور بنی حنیفہ میں سے اسلام پر سب سے زیادہ ثابت قدم تھا ...... جب مسیلمہ کذاب نے نجد میں فتنہ ارتداد کی آگ کو روشن کیا تو ثمامہ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہا اور خلافت کی فوج کی جانب سے کذاب کے ساتھ جنگ کرنے والوں میں شامل تھا۔

ثمامہ کا قریش سے اسلام کا بدلہ لینا

صحیح بخاری میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد ثمامہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا ہے حالانکہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے اُسے عمرہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے عمرہ ادا کیا۔

قریش کا ثمامہ کو گرفتار کرنا

ثمامہ چونکہ بنی حنیفہ کا سردار تھا اس لیے اُسے قبائلی عصبیت کی قوت پر بڑا ناز تھا، وہ بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہوئے داخل ہوا، جب وہ مکہ کے نشیب میں آیا تو اس نے بلند آواز سے تلبیہ کہا، قریش نے اس بات کو چیلنج خیال کرتے ہوئے اُسے گرفتار کر لیا اور کہا تو نے ہم پر جرأت کی ہے پھر انہوں نے اس پر صابی ہونے کی تہمت تراشتے ہوئے اُسے کہا اے ثمامہ تو صابی ہو گیا ہے، ثمامہ نے جواب دیا میں تو مسلمان ہوا ہوں اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین دین کا پیروکار ہوا ہوں، اس بات نے ان کے غصے میں اور بھی اضافہ کر دیا تو اُسے گرفتار کرنے والوں نے اس سے سختی کی، ثمامہ نے اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر انہیں انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ یمامہ سے انہیں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں ملے گا جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق اجازت نہ دیں یمامہ، اہل مکہ کے لیے زرعی علاقہ تھا اور وہ ضروری غذائی مواد کے خرچ کا مدار اسی علاقہ کی پیداوار پہ

رکھتے تھے۔

کفارِ مکہ نے ثمامہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا..... اور عملاً اُسے قتل کرنے کے لیے بھی لے آئے مگر ان کے ایک دانشور نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اُسے قتل نہ کریں (یہ بات اس نے اس خوف کے پیش نظر کہی کہ کہیں اس قتل کے رد میں بنو حنیفہ مکہ والوں سے غذائی مواد نہ روک لیں اور لوگ بھوک کے مرجائیں) اس نے کہا اسے چھوڑ دو تم لوگ یمامہ کے محتاج ہو، تو انہوں نے اس کی قوم کے انتقام کے خوف سے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

ثمامہ نے مکہ میں یمامہ کی پیداوار کی فروخت کو روک دیا

اس حنفی سردار نے عملاً اپنی قسم کو پورا کیا اور یمامہ میں اپنی قوم کو حکم دیا کہ یمامہ سے قریش کے پاس جو غلہ اور فائدہ کی چیزیں وغیرہ جاتی ہیں انہیں روک دیا جائے، اس بات نے قریش کو اس حد تک نقصان پہنچایا کہ مکہ میں بھوک کے بھوت ناچنے لگے اور قریش نے اونٹوں کے چمڑے تک کھائے، اور قریش کو بھوک کی تنگی کو دور کرنے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرنے کے سوا اور کوئی وسیلہ نظر نہ آیا کہ وہ بنو حنیفہ کے سردار سے اقتصادی ناکہ بندی کو اُٹھانے کا مطالبہ کریں۔

ابن عبد البر استیعاب میں بیان کرتا ہے کہ قریش نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے متعلق ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور اس کی ترغیب بھی دیتے ہیں، ثمامہ نے ہمارا غلہ بند کر کے ہمیں تکلیف دی ہے اگر آپ مناسب خیال فرمادیں تو اُسے لکھیں کہ وہ ہمارا غلہ کھول دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کی آرزو کو پورا کرتے ہوئے (حالانکہ آپ اس وقت ان کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے) بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ کی طرف لکھا کہ وہ میری قوم کے غلہ کو کھول دے... تو ثمامہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی کی اور از سرِ نو بنی حنیفہ کو مکہ کی طرف اپنی پیداوار بھیجنے کی

اجازت دے دی جس سے ان کی بھوک کا کابوس دُور ہو گیا۔

(۲)

غمر پر حملہ — ربیع الاوّل ۵ھ

نجدی قبائل میں سے بنو اسد کے قبائل بہت طاقت ور تھے اور یہ طلحہ بن خویلد کی قیادت میں، معرکہ خندق میں احزاب کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہوئے تھے .... پس اس وجہ سے یہ مسلمانوں کے دشمن بن گئے، اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی تادیب کرنے اور غارت گری سے انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے تیار ہونا ضروری تھا تاکہ انہیں سبق دیا جائے کہ مسلمانوں کی عسکری قوت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ اپنے حملوں کے ساتھ بنو اسد کے قلب تک پہنچ سکیں، اس لیے آپ نے دیارِ بنی اسد پر حملہ کے لیے ایک چھوٹا سا دستہ تیار کیا جس کے جوان معنوی لحاظ سے بڑے اور تاثیر کے لحاظ سے عظیم تھے آپ کے اس دستے کے جوانوں کی تعداد چالیس سواروں پر مشتمل تھی، آپ نے سالارِ لشکر کو حکم دیا کہ وہ بنی اسد پر ان کے گھروں میں حملہ کرے، عکاشہ نے اپنے جوانوں کے ساتھ مارچ کیا اور وہ مسلسل انہیں چلاتا ہوا لے گیا تاکہ اپنی قوم کے بت پرستوں پر اچانک حملہ کرے، مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی اس کی قوم کو پتہ چل گیا اور وہ بھاگ کر اپنے ملک کے پہاڑی علاقوں میں محفوظ ہو گئے، جب عکاشہ وہاں پہنچا تو اُسے وہاں ایک آدمی بھی نہ ملا، مگر عکاشہ مایوس نہ ہوا اور اس نے شجاع بن وہب کو ان کی جاسوسی کے لیے بھیجا اس نے واپس آکر عکاشہ کو اطلاع دی کہ اس نے قریب ہی اونٹوں کے نشانات دیکھے ہیں پس وہ اپنی فوج کے ساتھ نشانات کی طرف چل پڑے وہاں انہوں نے ایک آدمی کو سوتے ہوئے پایا اور اس سے بنی اسد کے متعلق دریافت کیا، اس نے جواب دیا

بنی اسد اب کہاں آپ کو مل سکتے ہیں ؟ انہیں جب آپ لوگوں کے متعلق پتہ چلا تو وہ اپنے ملک کے پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور جب انہوں نے اس آدمی سے اونٹوں کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ وہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ مگر جب انشیلی جنس کے ایک آدمی نے معلومات حاصل کرنے کے لیے اُسے کوڑا مارا.... اور اس نے ضرب کو محسوس کیا تو کہنے لگا کیا تم لوگ میرے خون کے متعلق امان دیتے ہو، تو میں تمہیں بعض لوگوں کے اونٹوں کے متعلق مطلع کرتا ہوں جنہیں تمہارے آنے کے متعلق کوئی علم نہیں ہوا ؟ انہوں نے جواب دیا اچھا ، امان دینے کے بعد، وہ اس کے ساتھ چل پڑے اور وہ انہیں تلاش کرتے کرتے بہت دُور تک لے گیا یہاں تک کہ انہیں اس سے دھوکے بازی اور خیانت کرنے کا خوف محسوس ہوا عکاشہ نے اُسے ٹھہرا کر پوچھا خدا کی قسم یا تو سچ بات کہہ دے یا ہم تجھے قتل کر دیں گے ، اس نے خوف زدہ ہو کر کہا اس بلند جگہ پر چڑھ کر دیکھو جب وہ اس جگہ پر چڑھے تو انہوں نے اونٹوں کو چرتے دیکھا پس انہوں نے ان پر غارت گری کی اور دو سو اونٹ ہانک کر لے آئے اور اسی پر ہی اکتفا کیا کیونکہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے تھے پھر یہ مدینہ واپس آ گئے اور کسی فریب کا شکار نہ ہوئے ، اس فوجی دستے کی کارروائیوں نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کا رُعب اَعراب کے دلوں پر چھا گیا ہے یہاں تک کہ سب سے تندخو اور جنگجو قبیلے بنی اسد کے متعلق کوئی یہ توقع بھی نہ کرتا تھا کہ وہ ہزاروں سواروں کی موجودگی میں محض اس علم کے حاصل ہونے پر بھاگ جائے گا کہ مسلمان ان کے علاقے پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں ، بلاشبہ یہ بات اس حدیث کے مطابق ہوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ نصرت بالرعب سے مدد دیا گیا ہوں۔

(۳)

غزوہ بنی لحیان ۵ھ

بنی لحیان کے قبائل نے (یہ حجازی قبیلہ ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ بہترین صحابہ کو امان دینے کے بعد خیانت سے قتل کر دیا حالانکہ مدینہ سے وہ انہیں ۴ھ میں اپنی پناہ میں لے کر گئے تھے، یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ان قبائل کا ایک وفد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں بظاہر اسلام کا اظہار کرتا ہوا آیا اور آپ سے مطالبہ کرنے لگا کہ آپ بنی لحیان کو اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لیے اپنے اصحاب میں سے ایک وفد بھیجیں۔ آپ نے ان کے اس مطالبہ کو منظور فرماتے ہوئے ان کے ساتھ اپنے دس بہترین اصحاب کا ایک تعلیمی وفد مشہور جانباز عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں بھیجا (عاصم کے حالات زندگی ہماری کتاب غزوہ اُحد میں دیکھیے)

ابھی یہ وفد دیار بنی لحیان میں پہنچا ہی تھا کہ ان غداروں نے اس سے خیانت کی اور اس وفد کے تمام ممبران کو دھوکہ سے شہید کر دیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دس نیکوکار اور پیارے صحابہ کے ضائع ہو جانے کا بہت دُکھ ہوا، خصوصاً اس لیے کہ ان کو نہایت ذلیل ترین قسم کی خیانت اور غداری کے طریق سے قتل کیا گیا تھا، آپ کو ان خائن اور غدار قبائل کی تادیب کرنے اور ان سے ان نیکوکار قراء کا قصاص لینے سے بہت دلچسپی تھی مگر اس سال (۴ھ) اس خواہش کی تکمیل کے لیے حالات ناموافق تھے کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان عظیم خطرات کو دُور کرنے میں مشغول تھے جو داخلی اور خارجی طور پر اسلام اور مسلمانوں کو خوف زدہ کر رہے تھے، خصوصاً یہود کی ان خطرناک سازشوں کو جو وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کر رہے تھے جن کے نتیجہ میں احزاب کی خوفناک جنگ برپا ہوئی جس میں

مسلمانوں کو کچلنے کے لیے خود یہود بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود فوجی دستے کی قیادت کرنا

ابھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی ناکامی اوران کی شہرہ آفاق شکست کے بعد ان عظیم خطرات سے خلاصی نہ پائی تھی کہ آپ نے بنی لحیان کے غدار اعراب کی گوشمالی کے لیے خود مارچ کیا ، جب آپ نے بنی لحیان کی منازل کی طرف مارچ کیا تو آپ کے ساتھ دو سو جانباز تھے جن میں سے بیس سوار تھے ، یہ واقعہ مدینہ سے بنی قریظہ کے صفایا کی عظیم فیصلہ کُن کارروائی کے فقط دو ماہ بعد ہوا ، جس کا خاتمہ ماہ ذو الحجہ ۵ھ کے آخر میں ہوا ، غزوہ بنی قریظہ کے بعد یہ پہلا فوجی دستہ تھا جس کی قیادت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

دشمن کو حقیقت سے بیگانہ رکھنا

بنی لحیان جو ہذیل قبیلے میں سے ہیں ان کا علاقہ مدینہ سے دو سو میل کی مسافت سے بھی زیادہ دُور ہے اور اس دُور دراز مسافت کو طے کرنے میں خصوصاً جنگ کرنے والے کو بہت بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشکلات کی بالکل پرواہ نہ کی ، آپ اپنے ان صحابہ کا قصاص لینے کے بے حد آرزومند تھے جنہیں ان جنگلی قبائل نے جن کے عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ، خیانت سے شہید کر دیا تھا ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق دشمن کو حقیقت سے بیگانہ رکھنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ شمال کی طرف چل پڑے جب کہ بنی لحیان کی منازل جن سے لڑنا مقصود تھا انتہائی جنوب میں واقع تھیں ، شمال کی طرف مارچ کرنے سے قبل آپ نے

اعلان کیا کہ وہ شام پر غارت گری کرنے کے خواہاں ہیں، اس پوشیدگی کا سبب یہ تھا کہ بنولحیان نے جنہیں اسلام سے قبل حکومت وشوکت حاصل تھی ، مدینہ اور اس کے گردونواح میں جاسوس چھوڑے ہوئے تھے آپ نے شمال کی طرف چلنے کا جو اعلان کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جاسوس جس غرض کے پیش نظر یہاں کام کر رہے ہیں وہ پوری نہ ہو ... آپ نے اس امر کو یہاں تک پوشیدہ رکھا کہ آپ کے اصحاب کو بھی یہ یقین تھا کہ آپ شام سے جنگ کرنے کے خواہش مند ہیں جب بیس میل تک شمال کی جانب چلنے کے بعد آپ نے جنوب کی طرف رُخ کیا تب آپ کے اصحاب کو پتہ چلا کہ آپ بنی لحیان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دشمن کو حقیقت سے بیگانہ رکھنے کی ایک شاندار چال تھی، آپ نے "البتراء" مقام پر شمال سے جنوب کی طرف رُخ کیا۔ یہاں سے آپ اپنی فوج سمیت مغرب کی طرف مڑ گئے یہاں تک کہ اس راستہ پر سیدھے چل پڑے جو جنوب کی طرف جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے قبل لحیانیوں کا فرار

جیش نبوی کی قیادت نے پوشیدگی اور رازداری کے طریق پر چلنے کے لیے تھوڑی سی کوشش کی تا کہ خیانت کرنے والوں کو اچانک پکڑ لیں اور ان سے ان شہداء کا قصاص لیں جن سے انہوں نے خیانت کی تھی لیکن خائن ہذیل نے اس خیال کے پیش نظر کہ حضور علیہ السلام تادیبی کاروائی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے بڑی بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے ، جاسوسوں کو تجسس اور خبروں کی دریافت کے لیے راستوں پر بھیج دیا، جونہی حضور علیہ السلام اپنی فوج کے ساتھ ان خائنوں کی منازل کے قریب پہنچے تو انہوں نے بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لی۔ یہ حرکت انہوں نے اس وقت کی جب انہیں اپنے جاسوسوں کے ذریعہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کی فوج ان کے گھروں کے قریب آ گئی ہے۔

حملہ

جب آپ دیار بنی لحیان میں پہنچے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ وہ لوگ بھاگ چکے ہیں تو آپ نے اپنی فوج کے ساتھ وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور ان خائنوں کے تعاقب میں اپنے جوانوں کے سرایا کو بھیجا کہ جس کسی کو پکڑیں اسے آپ کے پاس لے آئیں، آپ کے سرایا پورے دو دن مسلسل ان کی تلاش میں گھومتے رہے مگر انہیں ان قبائل کا کوئی اتہ پتہ نہ ملا جو بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے چکے تھے۔

دشمن کے علاقے میں قیام

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی لحیان کے متعلق اطلاع پانے سے مایوس ہو گئے تو آپ نے انہیں خوف زدہ کرنے کے لیے ان کے گھروں میں دو دن تک قیام کیا (جیسا کہ آپ کی عادت تھی) تاکہ دشمن کو بتا دیں کہ مسلمانوں کو کس قدر قوت حاصل ہے نیز انہیں اپنے آپ پر کس قدر اعتماد ہے کہ وہ جب چاہیں دشمن کے علاقے کے قلب تک مارچ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ کو خوف زدہ کرنا

ان حالات میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ کی حالت بدستور قائم تھی ..... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریب اپنی فوج کے ساتھ اس موقع کو غنیمت خیال کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ آپ مشرکین مکہ کو خوف زدہ کرنے کے لیے ایک جنگی مشق کریں آپ نے اپنی فوج کے ساتھ مارچ شروع کر دیا یہاں تک کہ وادیٔ عسفان میں پڑاؤ ڈال دیا، وہاں پر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو بلا کر انہیں اپنے اصحاب میں سے دس سواروں کا ایک دستہ دیا اور حکم دیا کہ وہ مشرکین کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے انہیں لے کر مکہ کی طرف مارچ کریں، حضرت صدیق دس سواروں کے ساتھ مکہ کی جانب چل پڑے یہاں تک کہ آپ کراع الغمیم

مقام تک پہنچ گئے یہ جگہ مکہ سے بہت ہی قریب ہے جب قریش نے یہ بات سُنی تو انہوں نے خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہیں خوف، گھبراہٹ اور رُعب نے آ لیا اور ان کی صفوں میں خوف و ہراس کا غلبہ ہو گیا۔۔۔۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی یہی تھا جس کے لیے آپ نے حضرت صدیقؓ کو مکلف کیا تھا اکراع الغمیم مقام پر پہنچنے کے بعد حضرت صدیقؓ اور ان کے دس سواروں کو پتہ چلا کہ انہوں نے اہل مکہ کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا ہے تو وہ صحیح سلامت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئے اور آپ نے مدینہ کی طرف واپسی کے لیے مارچ شروع کر دیا، ابن سعد طبقات الکبریٰ میں بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی لحیان کی رہائش گاہوں پر ایک یا دو دن قیام کیا اور ہر طرف سرایا بھیجے مگر وہ کسی آدمی کو پکڑ لانے میں کامیاب نہ ہو سکے، پھر آپ وہاں سے چل کر عسفان میں آ گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو دس سواروں کے ساتھ بھیجا تاکہ قریش خوف زدہ ہو جائیں وہ الغمیم مقام تک آئے پھر واپس چلے گئے مگر انہیں کوئی آدمی نہ ملا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے "آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون" آپ مدینہ سے چودہ راتیں غائب رہے اور ابن اسحٰق نے جابر سے یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعوذ باللہ من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال۔ یعنی میں سفر کی مشقت واپسی کی بے چینی اور اہل و مال کی بدحالی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

شہداء کے لیے رحمت کی دُعا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غران کے نشیب میں پہنچے جہاں ہذیل کے خائنوں کے ہاتھوں آپ کے صحابہ شہید ہوئے تھے تو آپ نے ان شہداء کے لیے رحمت کی دُعا فرمائی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ماں کے لیے استغفار کرنے سے روکنا

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ غزوہ بنی لحیان سے واپسی کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پہ کھڑے ہو گئے اور اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنے لگے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت نہ دی....
اس بارے میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، وہاں آپ خود بھی روئے اور گرد و پیش کے لوگوں کو بھی رُلایا، پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی مگر میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی، پھر میں نے والدہ کی قبر پہ آنے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالےٰ نے مجھے اجازت دے دی پس قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ تم کو موت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۴)

غزوۂ غابہ ——— ربیع الاوّل ۵ھ

نجدی قبائل کے اندر عیینہ بن حصن الفزاری بڑا صاحب اثر و رسوخ سردار تھا یہاں تک کہ وہ اپنے تہور کے باعث "احمق مطاع" کے لقب سے مشہور تھا، کیونکہ صرف فزارہ قبیلے میں سے ہی دس ہزار نیزہ باز نوجوان اس کے مطیع اور فرمانبردار تھے وہ ان ہزاروں جوانوں کو جہاں چاہتا لے جاتا، وہ اس سے بالکل نہیں پوچھتے تھے کہ یہ بات کیسے ہو گی اور کیوں کر ہو گی؟ عیینہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیڈر ملا دشمنوں میں سے تھا یہاں تک کہ غزوہ احزاب میں وہ نجدی قبائل کے چار بازوؤں میں سے ایک کا لیڈر تھا جنہوں نے یہود کے ساتھ اشتراک کر کے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا غزوہ خندق میں یہود اور احزاب کی شکست کے بعد غطفان اور فزارہ کے قبائل اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کی حالت تھی اور یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ عیینہ بن حسن الفزاری مسلمانوں پر غارت گری کرے اور ان کی ہر مقبوضہ چیز کو لوٹ لے، خصوصاً اس لیے بھی کہ فزارہ کی رہائش گاہیں، نجدی قبائل کی رہائش گاہوں سے یثرب کے سب سے زیادہ قریب تھیں۔

فزارہ کا مسلمانوں پر غارت گری کرنا

غابہ کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب اور نباتات و اشجار سے بھرپور ہے، وہاں مسلمانوں کی زرعی جائدادیں بھی تھیں اور وہ مدینہ کی بڑی چراگاہوں میں سے ایک بڑی چراگاہ تھی ——— غابہ کا علاقہ، عیینہ اور اس کی قوم فزارہ کی منازل کے سب سے زیادہ قریب تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کے ساتھ غابہ میں چرنے کے لیے بہت سے اونٹوں کو بھجوایا ——— مشہور صحابی حضرت ابوذر اپنے بیٹے کے ساتھ ان اونٹوں میں موجود تھے ——— نیز ان کے ساتھ مشہور تیز دوڑنے والا سوار سلمہ بن الاکوع بھی تھا جب یہ غابہ کی چراگاہ میں پہنچ کر شب باش ہوئے تو ان پہ طلوعِ فجر کے وقت فزارہ کے سردار عبدالرحمٰن بن عیینہ بن حصن نے غطفان کے سواروں کی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا حملہ آوروں نے تمام اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور ابوذر غفاری کے بیٹے کو قتل کرنے کے بعد اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، جس نے انہیں اونٹ لے جانے سے روکا۔ تھا نیز وہ اس کی بیوی کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے، حملہ کے وقت جنگ باز صحابہ میں سے سوائے سلمہ بن اکوع کے اور کوئی آدمی وہاں موجود نہ تھا، وہ بھی طلحہ بن عبید اللہ کے گھوڑے پر سوار تھے، جس کو انہوں نے

چرواہوں کے ساتھ جاتے وقت عاریۃً لیا تھا تاکہ وہ ہنگامی حالات میں تیار رہیں۔

مدینہ میں فریاد رس

مدینہ اور غابہ کے درمیان مسافت تھوڑی نہ تھی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو جلد اس بات کی اطلاع پہنچانا ضروری تھا تاکہ وہ مشرکین فزارہ سے اُونٹوں کو چھڑانے کے لیے سرعت کے ساتھ مدد کو پہنچیں ۔۔۔ سلمہ بن اکوع نے خیال کیا کہ مجھ اکیلے سے حملہ آور مشرکین سے اونٹوں کا چھڑانا مشکل ہے ۔۔۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جس گھوڑے پہ سوار ہے اُسے چھوڑ دے، اس نے اس اکیلے چرواہے کو جو قتل سے بچ گیا تھا بلا کہ کہا کہ وہ گھوڑے پہ سوار ہو کر نہایت سُرعت کے ساتھ مدینہ جا کر ابن حصن نے اونٹوں کے ساتھ جو زیادتی کی ہے اس کی اطلاع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے اور انہیں چھڑانے کے لیے مدد طلب کرے، چرواہا رجس کا نام رباح تھا، عملاً ابن اکوع کے گھوڑے پہ سوار ہو کر مدینے کی طرف ہوا سے باتیں کرتا ہوا چلا گیا اور چند ہی ساعتوں میں وہ مدینہ میں فریاد فریاد پکارتا ہوا پہنچ گیا، یہ بات مدینہ کے تمام جنگ بازوں کو تیار کرنے کے لیے کافی تھی۔ کیونکہ یہ فریاد اسی وقت کی جاتی تھی جب دشمنوں کی طرف سے مسلمان ممالک میں عظیم خطرہ درپیش ہوتا تھا جب مسلمان اس خبر کی حقیقت سے آگاہ ہوئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، نجدیوں کے اونٹوں پر قبضہ کرنے کا بہت غم ہوا کیونکہ یہ غطفان کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک کھلا چیلنج اور ان کی قوت کو حقیر جاننے والی بات تھی کیونکہ غطفان نے مسلمانوں کے اس علاقہ پہ غارت گری کی جرأت کی تھی جو مضافاتِ مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے، مسلمانوں سے ان کے اونٹوں کو چھین کر لے جانے کو مسلمانوں نے عموماً ایک بڑی اہمیت والی بات خیال کیا دراصل یہ حرکت مسلمانوں کی فوج کی شہرت کو چھیڑنے والی بات تھی اور اس بات کا مقدمہ تھی کہ قبائل غطفان خو

مدینہ پر ہمہ گیر حملہ کریں گے کیونکہ صرف فزارہ قبیلہ ہی جس کا سردار عیینہ بن حصن تھا دس ہزار جانبازوں کو اکٹھا کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا بہت صدمہ ہوا اور آپ نے غارت گروں کو شکست دینے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جو سات سو جانبازوں پر مشتمل تھا اس لشکر نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینہ سے غابہ کے علاقے کی طرف مارچ کیا۔

غارت گروں کی شکست اور اونٹوں کی واپسی

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے آگے غارت گروں سے لڑنے اور انہیں مشغول کرنے کے لیے سواروں کی ایک مختصر سی فوج مشہور المغازی شہسوار سعد بن زید بن مالک کی سرکردگی میں روانہ فرمائی پھر آپ خود بھی عام فوج کے ساتھ انہیں جا ملے نبوی سواروں کی ٹکڑی باوجود اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے غارت گروں سے گتھم گتھا ہو گئی اور اس نے انہیں شکست دے کر لوٹے ہوئے تمام اونٹ ان سے واپس لے لیے، اور انہیں بھگا کر مسلمانوں کی حدود سے باہر نکال دیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی غابہ کے علاقہ میں پہنچے بھی نہیں تھے کہ سواروں کی اس ٹکڑی نے ظالم غطفانیوں کو علاقہ بدر کر دیا ہوا تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے سلمہ بن اکوع نے اس معرکہ میں بے مثال شجاعت کے جوہر دکھائے خصوصًا نبوی سواروں کی ٹکڑی کے پہنچنے سے قبل، اس نے اکیلے ہی غارت گروں کو پریشان کیے رکھا اور ان پر تیر اندازی کرتا رہا وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا تیر انداز تھا، اس نے نبوی سواروں کی ٹکڑی کے پہنچنے سے قبل ہی اونٹوں کی بہت بڑی تعداد کو غارت گروں سے آزاد کروا لیا تھا۔

اس معرکہ میں فریقین کے مقتول

اس کاروائی میں تین مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، ان میں سے دو

تو نبوی سواروں کی ٹکڑی کے افراد تھے ان میں سے ایک محرز بن فضلہ تھے جنہیں عبدالرحمٰن بن عیینہ بن حصن نے قتل کیا اور دوسرے وقاص بن محرز اور تیسرے ابوذر کے بیٹے، جن کا نام ان مؤرخین میں سے جنہیں میں نے دیکھا ہے، کسی نے ذکر نہیں کیا، مشرکین کے سواروں میں سے بھی تین قتل ہوئے اور وہ یہ تھے حبیب اور عبدالرحمٰن یہ دونوں عیینہ بن حصن الفزاری کے بیٹے تھے اور فزارہ کا ایک سوار جسے مسعدۃ کہا جاتا تھا۔

قیدی عورت کی واپسی

غطفانی غارت گروں نے جس عورت کو قیدی بنایا تھا وہ حضرت ابوذرؓ کے اس بیٹے کی بیوی تھی جسے غارت گروں نے غابہ پر حملہ کے دوران قتل کر دیا تھا وہ اُن لوگوں سے بھاگ جانے کے بعد صحیح و سالم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی کے پیچھے چلنے والی اُونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ واپس آ گئی، ابن برہان الدین بیان کرتا ہے کہ عورت رات کے وقت بندھن سے چھوٹ کر بھاگ گئی، جب وہ اُونٹ کے قریب آئی تو وہ بلبلایا، اس نے اس اونٹ کو چھوڑ دیا اور ایک اونٹنی کے پاس آئی وہ نہ بلبلائی تو وہ اس کے پچھلے حصے پر بیٹھ گئی پھر اسے ہانکنے لگی لوگوں کو پتہ چلا تو وہ اس کی تلاش میں نکلے لیکن اس عورت نے انہیں تھکا کے رکھ دیا اور نہ ملی، اور اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالےٰ نے اُسے بچایا تو وہ اس اونٹنی کو ذبح کرے گی، جب اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نذر کے متعلق بتایا تو آپ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ تو نے اس اونٹنی کو بہت بُرا بدلہ دیا ہے (یعنی اس نے تجھے اُٹھا کر دشمنوں سے بچایا اور تو اُسے اس کے بدلہ میں ذبح کر رہی ہے) پھر اس عورت سے فرمایا خدا کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں اور نہ ہی اس چیز کی نذر ہو سکتی ہے جس کی تو مالک نہیں اس غزوہ کو تاریخی غزوات میں سے سب سے بڑا غزوہ خیال کیا جاتا ہے

جس کی قیادت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب و بنی قریظہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے قبل، اعراب نجد کے مقابلہ میں کی۔

(۵)

ذوالقصہ پر حملہ ـــــ ربیع الآخر ۵ھ

ذوالقصہ، بنی ثعلبہ کی رہائش گاہ ہے جو بنی غطفان میں سے ہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیحد دشمنوں میں سے ہیں یہ جگہ مدینہ سے چوبیس میل دُور ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقصہ کی طرف معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک گشتی پارٹی روانہ کی جو دس افراد پر مشتمل تھی جس کا لیڈر مشہور شہسوار محمد بن مسلمہ انصاری تھا، بنی ثعلبہ کے جاسوسوں نے انہیں اطلاع دے دی تھی کہ ایک گشتی پارٹی ان کے گھروں کی طرف آرہی ہے۔ پس وہ اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے اور ایک سو آدمیوں کو ان کے گھیراؤ کے لیے تیار کیا، جب ابن مسلمہ اپنی گشتی پارٹی کے ساتھ ذوالقصہ مقام پر پہنچے تو انہوں نے وہاں کسی آدمی کو نہ پایا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سستانے کے لیے بیٹھ گئے تو انہیں نیند نے آلیا، اور انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ بنی ثعلبہ کے ایک سو سواروں نے ہر جانب سے ان کا گھیراؤ کر لیا ہے صحابہ جلدی سے ہتھیار سنبھال کر ان پر تیر برسانے لگے مگر بے فائدہ، مشہور مقولہ کے مطابق کثرت، شجاعت پر غالب آگئی، مشرکین نے صحابہ پر حملہ کر دیا اور ان میں سے ایک آدمی بھی نہ بچا، گشتی پارٹی کا سالار محمد بن مسلمہ زخمی ہو کر گر پڑا، انہوں نے اس کے ٹخنے پر ضرب لگائی مگر اس نے حرکت نہ کی، انہوں نے خیال کیا کہ وہ مر چکا ہے اس لیے انہوں نے تمام گھوڑوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کرنے اور صحابہ کے کپڑے اتارنے کے بعد اسے چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے، ابن مسلمہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس سے ایک مسلمان کا گزر ہوا تو اس نے انہیں مقتول دیکھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا

جب ابن مسلمہ کو یقین ہو گیا کہ یہ مسلمان ہے تو اس نے حرکت کی، تو وہ آدمی اسے اٹھا کر مدینہ لے آیا جہاں اس کے زخم کا علاج کیا گیا اور وہ تندرست ہو گیا۔

(۶)

ذوالقصہ پر حملہ ــــ ماہ ربیع الآخر ۵ھ

اس حملہ کا سبب یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی محارب، بنی ثعلبہ اور انمار نے تغلبین اور مراض کے علاقہ کی طرف مارچ کیا ہے جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے، انہوں نے مدینہ کے اونٹوں پر غارت گری کرنے کے لیے مارچ کیا تھا جو مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر چر رہے تھے، مارچ کا مقصد ان اونٹوں کو لوٹنا اور ان پر قبضہ کرنا تھا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سُرعت کے ساتھ چالیس سواروں کا ایک چھوٹا سا دستہ ابوعبیدہ بن الجراح کی قیادت میں اونٹوں کی حفاظت اور مشرکین کو ان سے روکنے کے لیے روانہ کیا، ابوعبیدہ نے نماز مغرب کے بعد اپنے دستے کے ساتھ بہت جلد مارچ کر دیا اور صبح کے دھندلکے میں اپنے سواروں کے ساتھ ذوالقصہ پہنچ گئے انہوں نے دیکھا کہ مشرکین اونٹوں پر عملاً غارت گری کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہیں آپ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تو وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے اور ابوعبیدہ اور ان کے جوان ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے ان کے صرف ایک آدمی کو گرفتار کر سکے، ہاں آپ کے جوانوں نے ان کے کچھ اونٹوں اور سامان کو جسے وہ بھاگتے وقت چھوڑ گئے تھے قبضہ میں کر لیا، ابوعبیدہ اپنے جوانوں کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے تو ان کے ساتھ وہ قیدی اور غنیمتیں بھی تھیں، قیدی نے اسلام قبول کر لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد فرما دیا اور غنیمتیں آپ نے خمس لگانے کے بعد چالیس سواروں میں تقسیم کر دیں یعنی آپ نے مفادِ عامہ کے لیے خمس لگایا۔

(۷)

جموم پر حملہ ـــ ربیع الآخر ۵ھ

بنو سلیم، اہل جموم (وادی فاطمہ) میں سے تھے انہوں نے معرکہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف ابوسفیان کو مدد دی تھی، ان میں سے سات سو جانبازوں نے ابوسفیان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی، یہ اُسے وادی مرالظہران (وادی فاطمہ) میں سے ملے جب کہ وہ اپنے راستے پر مدینے جارہا تھا، جن اعراب نے غزوہ احزاب میں شرکت کی۔ (ان میں بنو سلیم بھی تھے) یہ اپنی اس کاروائی کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والے دشمن بن گئے اس لیے یہ ایک بدیہی بات تھی کہ آپؐ جنگ کو ان کے گھروں میں لے جاکر خواہ وہ دوری پر ہی واقع ہوں تادیبی سبق دیں، جیسے کہ آپ نے دیارِ بنی سلیم میں جو مکہ کے قریب واقع ہیں جنگ کی تاکہ ان مشرک اعراب کے اذہان میں یہ بات راسخ کر دیں کہ مسلمان جزیرہ میں جنگ کے لیڈر ہیں اور وہ دشمن کے علاقے میں جہاں چاہیں جنگ کو منتقل کر دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔

جنگ کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں ایک سریہ دیارِ بنی سلیم کی طرف غارت گری کرنے اور جموم میں انہیں دہشت زدہ کرنے کے لیے بھیجا، حضرت زید بن حارثہ نے ان پر غارت گری کی تو آپ کو راستے میں مزنیہ قبیلے کی ایک عورت ملی جسے حلیمہ کہتے تھے اس نے انہیں بنی سلیم کی ایک فرودگاہ کے متعلق بتایا انہوں نے ان پر غارت گری اور ان پر ٹوٹ پڑے، بنو سلیم میں سے جو لوگ بھاگ سکے وہ بھاگ گئے اور باقی سریہ کے جوانوں کی قید میں آ گئے، اسی طرح حضرت زید کے جوانوں نے بہت سے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور حلیمہ مزنیہ

اور اس کے خاوند کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ مدینہ واپس لے آئے، مدینہ پہنچ کر انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات سے آگاہ کیا آپ نے دونوں میاں بیوی کو سریہ کی راہنمائی کرنے کی وجہ سے آزاد کر دیا۔

(۸)

عیص کا حملہ ___ جمادی الاولیٰ ۵ھ

اس حملہ کا سبب یہ بنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے سامان لے کر مکہ کی طرف واپس آ رہا ہے ان دنوں قریش اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی صلح یا معاہدہ نہ تھا بلکہ دونوں جنگ کی حالت میں تھے اور فریقین کے درمیان فضا حد درجہ کشیدہ تھی ___ خصوصًا مسلمان اس ظالم اور خوف ناک جنگ کو نہ بھولے تھے جس میں ابو سفیان نے دس ہزار جانبازوں کے ساتھ ان کا سخت محاصرہ کر لیا تھا نیز اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان جانبازوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہو کر تمام مسلمانوں کو فنا کر دے گا ___ مسلمانوں کو ابھی تک یہ خوف ناک جنگ بھولی نہ تھی جس پر ابھی چھ ماہ کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا ___ اگر ابو سفیان اس جنگ میں کامیاب ہو جاتا تو مسلمان تباہ ہو کر رہ جاتے، اس لیے یہ ایک بدیہی بات تھی کہ مسلمان ان مشرکین پر حملہ کرنے کے موقع کی تاک میں رہتے جنہوں نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اتنی عظیم کوشش کی تھی، اس لیے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فوجی انٹیلی جنس کے شعبے نے یہ اطلاع دی کہ دشمن کا قافلہ شام کی جانب سے مکہ کو واپس آ رہا ہے اور وہ حجازی علاقے سے گزرے گا تو آپ نے ایک سو ستر سواروں کا ایک دستہ تیار کیا اور اس کی قیادت اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ کے سپرد کی اور انہیں اس قافلہ سے اُلجھنے اور اس پر غالب آنے کا مکلف کیا

کیونکہ یہ جنگ کرنے والے دشمن کے اموال کا ایک حصہ تھا۔ حضرت زید بن حارثہ نے اپنے دستے کے ساتھ مدینہ سے مارچ کیا یہاں تک آپ عیص کے علاقے میں پہنچ گئے ——— وہاں پہ قریشی قافلہ سے آپ کی مڈبھیڑ ہوئی اور آپ کے جوان اس قافلہ پہ غالب آگئے اور انہوں نے سب لوگوں کو تمام چیزوں سمیت قیدی بنا لیا ——— کسی مورخ نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ قافلہ کے لیڈروں نے کسی قسم کی مزاحمت کی ہو بلکہ کسی نے یہ اشارہ بھی نہیں کیا کہ اس قافلہ پہ قابو پاتے وقت، جس میں مشہور قریشی تاجر صفوان بن اُمیہ کی چاندی کی بہت بڑی مقدار تھی، کسی قسم کی جنگ ہوئی ہو۔ حضرت زید بن حارثہ قافلہ اور قریشی قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔

دُخترِ رسول اور اس کا قیدی خاوند

ابوالعاص بن الربیع بن اُمیہ بن عبدشمس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے خاوند بھی قافلہ کے ان قیدیوں میں شامل تھے جنہیں حضرت زیدؓ بن حارثہ کے دستے نے گرفتار کیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ جب ابوالعاص بن ربیع قیدیوں کے ساتھ مدینہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے پناہ طلب کی ——— حضرت زینبؓ نے جب کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں اعلان کر دیا کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا جو کچھ میں نے سُنا ہے کیا تم نے بھی سُنا ہے (یعنی حضرت زینبؓ کے اعلان کو، کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے) لوگوں نے جواب دیا ہاں! تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مجھے اس بات کے متعلق کچھ علم نہیں پھر حضرت زینبؓ کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا جسے تُو نے پناہ دی ہے اُسے ہم نے بھی پناہ دے دی ہے۔

اموال کی واپسی اور قیدیوں کی رہائی

مؤرخین اور اہل حدیث کے اسلوبِ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ابوالعاص بن ربیع اس قافلے کا لیڈر تھا جس پر حضرت زیدؓ بن حارثہ کے سریہ نے غلبہ حاصل کیا تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند کو (باوجود مشرک ہونے کے) پناہ دی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ آپ ابوالعاص کو وہ چیزیں واپس کر دیں جو حضرت زیدؓ کے سریہ نے قافلہ والوں سے حاصل کی ہیں آپ نے حضرت زینبؓ کو اس بات کا جواب دیا مگر آپ نے سب سے پہلے زید بن حارثہ اور اس کے سریہ کے جوانوں کو بلا کر ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے انہیں فرمایا "آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ یہ شخص (ابوالعاص) ہمارا آدمی ہے، تم نے اس کے مال کو حاصل کیا ہے اگر تم احسان کرو اور اس کا مال اسے واپس کر دو تو ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں —— اور اگر تم مال واپس کرنے سے انکار کرو تو وہ اللہ کی غنیمت ہے جو اس نے تمہیں عطا کی ہے اور تم اس کے سب سے زیادہ حق دار ہو۔" تو سب نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا یا رسول اللہ ہم اس کا مال اُسے واپس کرتے ہیں تو انہوں نے تمام اموال اُسے واپس کر دیے جن میں وہ اموال بھی تھے جو کفار مکہ نے شام سے سامان خریدنے کے لیے ابوالعاص کو بطور امانت دیے تھے اور جنہیں اونٹ اُٹھا کر لیے آ رہے تھے کہ وہ سامان سمیت حضرت زید بن حارثہ کے سریہ کے قبضہ میں آ گئے تھے اسی طرح سریہ کے جوانوں نے قافلے کے تمام قیدیوں کے اونٹوں کے آزاد کر دینے پر بھی اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ بعض لوگوں نے ابوالعاص سے (اونٹ اور کفار مکہ کے اموال واپس کرنے کے بعد کہا اے ابوالعاص تو قریش کا ایک بڑا آدمی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عم زاد بھی ہے (کیونکہ ابوالعاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ان کے دادا عبدالمطلب بیں جا کر مل جاتا ہے) تجھے مسلمان ہونے میں کیا ہے اس طرح تو اہل مکہ کے ان اموال سے جو تیرے ساتھ ہیں غنیمت حاصل کرے گا (کیونکہ وہ کفار مشرک ہیں) تو ابوالعاص نے جواب دیا تم نے مجھے بہت بڑی بات کا حکم دیا ہے ——— کہ میں اپنے دین کا آغاز خیانت سے کروں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا پھر وہ (اسلام کو دل میں چھپا کر) قافلہ کے ساتھ اہل مکہ کی طرف گیا اور ہر حق دار کو اس کا حق دیا ——— پھر کھڑے ہو کر اہل مکہ سے کہا اے اہل مکہ! کیا کوئی تم میں سے ایسا آدمی باقی رہ گیا ہے جس نے مال نہ لیا ہو؟ ——— کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے، اہل مکہ نے جواب دیا ہاں! اللہ تجھے جزائے خیر دے ——— ہم نے تجھے وعدہ وفا کرنے والا اور شریف آدمی پایا ہے، وہاں پہ ان کے رُوبرو اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ - خدا کی قسم مجھے مدینہ میں قبول اسلام سے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر مجھے خوف تھا کہ تم لوگ یہ خیال کرو گے کہ میں نے تمہارے اموال کھانے کے لیے ایسا کیا ہے پھر وہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آگیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کو نکاح اول کے ساتھ ہی ابوالعاص کے گھر بھیج دیا۔

(۹)

الطرف کا حملہ ـ جمادی الآخرۃ ۶ھ

حضرت زید بن حارثہ پندرہ جوانوں کی ایک گشتی پارٹی کے ساتھ دیار بنی ثعلبہ کی جانب گئے یہ غطفان کے وہ لوگ تھے جنہوں نے غزوہ احزاب میں مدینہ پر چڑھائی کرنے میں شرکت کی تھی ۔ حضرت زید کی گشتی پارٹی الطرف کے علاقہ میں پہنچ گئی جہاں بنی ثعلبہ کی فرودگاہیں تھیں جو مدینہ سے تینتیس میل کے فاصلہ پہ تھیں

حضرت زیدؓ کے جوانوں کا بنی ثعلبہ کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا کیونکہ جب ان اعراب کو صرف اتنا ہی پتہ چلا کہ ایک مسلح گشتی پارٹی ان کے گھروں کی طرف آ رہی ہے تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے، حضرت زید اور ان کے جوانوں نے اس قبیلہ کے بیس اونٹ بطور غنیمت قبضہ میں کر لیے اور چار راتوں کی غیر حاضری کے بعد انہیں ساتھ لے کر مدینہ واپس آ گئے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسلح گشتی پارٹی کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بت پرست اعراب کو خوف زدہ کیا جائے اور ہمیشہ انہیں ایسے خوف کی حالت میں رکھا جائے کہ وہ مدینہ سے جنگ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں جیسے کہ وہ پہلے کیا کرتے تھے اور عملاً اس گشتی پارٹی نے اپنے مقاصد کو (باوجود جوانوں کی قلت کے) پورا کر دیا اور ان کے سامنے سے پورا قبیلہ بھاگ گیا جس کے جوانوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی آپ نے مسلسل فوجی گشتی پارٹیاں بھیجیں یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست میں شامل تھی جو ایک کامیاب لیڈر بھی تھے قدیم مؤرخین کے عرف میں آپ کی گشتی پارٹیوں کا نام سرایا تھا جو مسلسل بت پرست دشمن قبائل کی جاسوسی کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اور آسمان تک اس کی حکومت کی عمارت کو بلند کر دیا۔

(۱۰)

حسمی پر حملہ[1] — جمادی الآخرۃ ۵ھ

وادی القریٰ کے پیچھے حسمیٰ کے علاقے میں حضرت زید بن حارثہ نے قبیلہ جذام

---

[1] حسمیٰ (کسرہ کے ساتھ پھر سکون مقصور کے ساتھ) یاقوت کہتا ہے صحرائے شام کا ایک علاقہ ہے اس کے اور وادی القریٰ کے درمیان پہاڑی اور (باقی ص ۵۳ پر)

کی گوشمالی کے لیے جس کی فرودگاہیں اس علاقہ کے قریب ہیں ایک فوجی دستے کے ساتھ حملہ کیا، اس تادیبی حملے کا باعث یہ بات ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال دحیہ بن خلیفہ کلبی کو ایک خط دے کر قیصر کی طرف بھیجا جس میں اُسے دعوتِ اسلام دی گئی تھی، قیصر نے دحیہ کلبی کی عزت افزائی کی اور آسے اپنے ہاں آنے کی اجازت دی —— دحیہ، شام سے مدینہ کی طرف واپس آتے ہوئے جب حسمیٰ کے علاقہ میں پہنچا جو جزیرہ عرب کی شمال مغربی حدود پہ واقع ہے تو اس پر الھنید بن عارص اور اس کے بیٹے عارص نے جذام کے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر حملہ کر دیا اور اس کا راستہ روک کر سب کچھ لوٹ لیا اور سوائے ایک بوسیدہ کپڑے کے اس کے جسم پر کوئی چیز نہ رہنے دی، جب بنی الضبیب کو (جو قبیلہ جذام سے مسلمان ہو چکے تھے) الھنید اور اس کے بیٹے کے اس فعل کے متعلق اطلاع ملی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی سے روا رکھا تھا

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ)

میدانی علاقہ ہے اور اس کی ایک جانب بنی اسرائیل کا تیہ ہے جو ایلہ کے ساتھ ملتا ہے بنی عذرہ کے علاقہ کے درمیان کا پہاڑی علاقہ "تیہ" کہلاتا ہے جو سب کا سب حسمیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حسمیٰ خلیج عقبہ میں سیناء تک کا علاقہ ہے، یاقوت کہتا ہے کہ اہل تبوک حسمیٰ کے پہاڑ کو اپنی مغربی جانب میں سمجھتے ہیں متنبی کی اخبار میں ہے کہ حسمیٰ اچھا علاقہ ہے جو کھجوروں سے اٹا پڑا ہے اس کی کھجوریں پہاڑوں پہ آسمان کے وسط تک پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں وہ پہاڑ آسمان سے مقابلہ کرتے ہیں اور ہموار پہلو والے ہیں ان کی بلندی کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ ان پہ کوئی چڑھ سکتا ہے وہاں ہمیشہ غبار سا چھایا رہتا ہے اس لیے نابغہ کہتا ہے ؎

فاصبح عاقلاً بجبال حسمیٰ   دقاق الترب محتزم القتام

تو انھوں نے جلدی سے بزاد توت سب کچھ واپس لے کر دحیہ[1] کلبی کو واپس کر دیا، دحیہ چلتے چلتے مدینہ پہنچ گیا اور اس نے الھنید بن عارض اور اس کی رہزن پارٹی کی کارروائی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا، آپ نے پانچ سو جوانوں کے ایک فوجی دستے کو بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ وہ دحیہ کلبی کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کے گھروں میں گھس جائیں اور ان کی تادیب کے لیے ان پر غارت گری کریں اور ان کو لوگوں کے لیے سامانِ عبرت بنا دیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستہ کی قیادت اپنے غلام زید بن حارثہ کو عطا فرمائی، حضرت زیدؓ نے اس دستے کے جوانوں کے ساتھ شمال کی طرف مارچ کیا اور خود دحیہ کلبی بھی ان کے ساتھ تھا، حضرت زیدؓ رات کو چلتے اور دن کو چھپ رہتے تاکہ دشمن کو اس دستے کے متعلق پتہ نہ چل سکے، آپ کا راہنما بنی عذرہ[2] کا ایک آدمی تھا، حضرت زیدؓ

---

[1] دحیہ کلبی مشہور صحابی ہے، سب سے پہلے یہ معرکہ خندق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا، نہایت خوبصورت تھا اور اس کی خوبصورتی ضرب المثل تھی۔ اہلحدیث کے بیان کے مطابق جبریلؑ اس کی صورت میں وحی لے کر نازل ہوتے تھے بڑا صاحب الرائے اور شجاع تھا اور شاہِ روم ہرقل کی طرف حضور علیہ السلام کا ایلچی بن کر گیا تھا، دحیہ معرکہ یرموک میں حاضر ہوا اور ایک دستے کا سالار تھا، حضرت معاویہ کی خلافت تک زندہ رہا اور دمشق کے قریب المزہ میں سکونت اختیار کی۔

[2] قحطانی قضاعہ میں سے ایک عظیم قبیلہ ہے پھر عذرہ سے بہت سے قبیلے متفرع ہوتے ہیں اور وہ بنو عذرہ بن سعد بن ہذیم بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحافی بن قضاعہ ہیں، بنو عذرہ شدت عشق کی وجہ سے مشہور ہیں، مرہ بن سعید بن عقبہ نے اس قبیلے کے ایک اعرابی سے جسے وہ جانتے نہ تھے، پوچھا تم کس قبیلے سے ہو؟ اس نے جواب دیا میں ایسی قوم سے ہوں جب وہ عاشق ہوتے ہیں تو مر جاتے ہیں، انہوں نے کہا رب کعبہ کی قسم تو عذری ہے، پھر انہوں نے اعرابی سے پوچھا آپ لوگوں کی کیفیت کیوں ہے اس نے جواب دیا، ہماری عورتیں خوبصورت ہیں اور ہمارے مرد عفیف ہیں

مسلسل اپنے دستے کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ نے صبح کے دھندلکے میں ان پہ اچانک حملہ کیا اور غارت گری کی، آپ کے دستے کے جوانوں نے انہیں ہر جانب سے گھیر لیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا جس میں الھنید اور اس کا بیٹا عارض بھی شامل تھے، پھر حضرت زید اور آپ کے جوانوں نے الھنید کی قوم کے مویشیوں، اونٹوں، عورتوں اور بچوں کو قبضہ میں لے لیا، انہوں نے ایک ہزار اونٹوں اور پانچ ہزار بکریوں کو پکڑ لیا اور ایک سو عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا۔

حضرت زید سے بنی الضبیب کا احتجاج

جب بنو ضبیب کو (جو جذام میں سے مسلمان ہو چکے تھے) حضرت زید اور آپ کے جوانوں کی اس کاروائی کا علم ہوا جو انہوں نے ان کی قوم کے ساتھ کی تھی تو ان کا ایک لیڈر دستہ کے سالار حضرت زیدؓ کے پاس احتجاج کرتا ہوا آیا کہ وہ مسلمان ہیں اور وہ (بنی الضبیب) وہ لوگ ہیں جنہوں نے بزور قوت الھنید اور اس کی پارٹی سے چھینا ہوا سارا سامان لے کر دحیہ کلبی کو واپس کیا تھا حضرت زیدؓ نے اس لیڈر سے اس کے اسلام کے متعلق یقین حاصل کرنے کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مطالبہ کیا اس نے سورہ فاتحہ سُنا دی —— لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دستہ کے سالار حضرت زیدؓ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ غنیمت میں حاصل کیا ہوا مال اور اسیر مردوں، عورتوں اور بچوں کو واپس نہیں کریں گے انہوں نے قیدیوں اور غنائم کے ساتھ جنوب کی جانب مدینہ کی طرف مسلسل اپنا سفر جاری رکھا۔

زید بن رفاعہ کا حضور علیہ السلام کی خدمت میں احتجاج کرنا

قبیلہ جذام کا ایک لیڈر زید بن رفاعہ بڑی سُرعت کے ساتھ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ہمراہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے چل پڑا، اس نے ملاقات کے وقت آپ کے سامنے حسبِ ذیل [illegible] حضرت زید کی غارت گری

پر احتجاج کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ ہم پر حلال کو حرام نہ کیجیے اور نہ حرام کو ہمارے لیے حلال کیجیے پھر اس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں وہ خط پیش کیا جو اس نے آنے سے پیشتر قبولِ اسلام کے وقت آپ کو اور آپ کی قوم کو لکھا تھا۔

قیدیوں اور غنائم کو واپس کرنے کا حکم

اس موقع پر روئے زمین کے عہد وفا کرنے والوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ساداتِ جذام کو جو آپ کے پاس احتجاج کرتے ہوئے آئے ہیں وہ سب غنائم اور قیدی واپس کیے جائیں جنہیں ابن حارثہ کے فوجی دستے نے قبضہ میں کیا ہے آپ نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ آپ نے جذامی وفد کے ساتھ ان مقتولوں کے بارے میں بھی گفتگو کی جو زید بن حارثہ کے دستے کے ہاتھوں مارے گئے تھے آپ نے فرمایا میں مقتولوں کے متعلق کیا کروں؟ تو وفد میں سے ایک جذامی سردار (ابو زید بن عمرو) نے کہا یا رسول اللہ جو زندہ ہیں وہ رہا کر کے ہمیں دے دیجیے اور جو مارے گئے ہیں وہ میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں تو آپ نے فرمایا ابو زید نے درست کہا ہے پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر حکم دیا کہ وہ دستہ کے سالار زید بن حارثہ کو میرا یہ حکم پہنچا دیں کہ وہ تمام اموال اور قیدیوں کو واپس کر دیں اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ ایک بڑی بات تھی حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ زید میری بات نہیں مانیں گے تو حضورؐ نے فرمایا یہ میری تلوار نشانی کے طور پر ساتھ لے جائیے، حضرت علیؓ، زید بن رفاعہ اور باقی ممبرانِ وفد کے ساتھ، زید کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہنچانے کے لیے شمال کی طرف چل پڑے، راستے میں انہیں رافع بن مکیث الجہنی، اس قوم کی ایک اونٹنی پر سوار ملے، جسے حضرت زیدؓ نے فتح کی خوشخبری دینے کے لیے بھیجا تھا، حضرت علیؓ نے اس سے اونٹنی لے کر ان لوگوں کو دے دی اور خوشخبری دینے

والے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا پھر آپ مسلسل چلتے ہوئے حضرت زید اور ان کے دستے سے آملے، ان کے پاس وہ بہت سی غنیمتیں بھی تھیں جو نحلتین کے علاقے میں پڑی تھیں یہ جگہ مدینہ اور ذوالمروہ کے درمیان ہے، اس جگہ پر حضرت علی رضؓ نے حضرت زید رضؓ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہنچایا کہ وہ ان لوگوں سے چھینے ہوئے تمام اموال واپس کر دیں، روایت ہے کہ حضرت زید رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہا کہ اس بات کی کیا علامت ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے حضرت علی رضؓ نے جواب دیا یہ آپ کی تلوار ہے، حضرت زید رضؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو پہچان لیا اور دستے کے آدمیوں کو پکارا وہ جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ جو کچھ بھی تم لوگوں نے ان لوگوں سے لیا ہے اُسے واپس کر دو اور ساتھ ہی کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہے، تمام جوانوں نے آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ان لوگوں کا تمام مال، غنیمتیں، قیدی اور اونٹ وغیرہ واپس کر دیے جن کی تعداد کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کتنے تھے۔

(۱۱)

وادی القریٰ پر حملہ ــــ رجب ۵ھ

یہ ایک فوجی گشتی دستہ تھا جس کی قیادت حضرت زید بن حارثہ کو دی گئی تھی، مجھے تاریخ کے مصادر سے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ گشتی دستہ کسی فوجی کارروائی کے لیے تیار کیا گیا تھا اور نہ ہی مؤرخین نے یہ بات بیان کی ہے کہ یہ سریہ کن لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا ــــ جو کچھ مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ ابن سعد طبقات الکبریٰ میں حسمیٰ کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ پھر زید بن حارثہ کا سریہ رجب ۶ھ میں وادی القریٰ کی طرف

گیا، مؤرخین کا بیان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں حضرت زید کو امیر بنا کر بھیجا، ہاں ابن سعد طبقات الکبریٰ میں بیان کرتا ہے (جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا)، کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ ایک بڑے فوجی دستے کے ساتھ وادی القریٰ میں بنی فزارہ کی طرف ماہِ رمضان میں گئے۔ واللہ اعلم۔

(۱۲)

دُومۃ الجندل پر حملہ شعبان ۵ھ

یہ ایک بڑا فوجی دستہ تھا جس کی قیادت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری نے دومۃ الجندل میں دیار بنی کلب تک کی یہ دستہ سات سو جانبازوں پر مشتمل تھا (مغازی الواقدی جلد ۲ صفحہ ۵۶۰ پر یہی لکھا ہے) دومۃ الجندل، جزیرہ عربیہ کے شمال مغرب میں عراق کی حدود کے قریب واقع ہے وہاں ایک بادشاہ تھا جس کا نام اصبغ بن عمرو الکلبی تھا وہ اور اس کی قوم نصرانی تھے، مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اس بڑے دستے کی امارت کا جھنڈا دیا تو انہیں اپنے دستِ مبارک سے سیاہ عمامہ باندھا اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان چار انگشت کے برابر شملہ چھوڑ دیا پھر فرمایا اے ابن عوف اس طرح عمامہ باندھا کرو یہ اچھا اور خوشنما لگتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپؐ فوج کے سالاروں کو نہایت عمدہ احکام دیا کرتے تھے آپ نے اس دستے کے سالار کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی راہ میں جنگ کرنا جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ کرنا، چوری اور خیانت نہ کرنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا عہد اور تمہارے نبی کی سنت ہے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنے اس بڑے سفر پر روانہ ہوگئے

اور مسلسل دن کو چھپتے اور رات کو چلتے ہوئے شمال کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ گئے، چونکہ وہ نصرانی تھے اس لیے حضرت عبدالرحمن نے ان پر اچانک حملہ نہیں کیا جیسا کہ بت پرست اعراب پر کیا جاتا تھا بلکہ آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی اور تین دن تک ان کو دعوت دیتے اور ان سے مذاکرات کرتے رہے اور وہ انکار کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ہم تلوار سے فیصلہ کریں گے یا تم جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ، مگر تیسرے دن ان کے بادشاہ نے دعوتِ اسلام کو قبول کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور اس کی پیروی میں اس کی قوم کے بہت سے آدمیوں نے جو عیسائی تھے اسلام قبول کر لیا، اس طرح اس بڑے دستے کے مقاصد پورے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جنگ کے شر سے بچا لیا — دومۃ الجندل کے اہالیان میں سے جو لوگ نصرانیت پر قائم رہے (وہ سب عرب تھے) حضرت عبدالرحمن نے انہیں چھوڑ دیا وہ اپنے دین کے بارے میں اس شرط پر آزاد تھے کہ وہ اسلامی حکومت کو تسلیم کرنے کے ساتھ جزیہ دیں گے اس کے بالمقابل اسلامی حکومت ان کی محافظت کرے گی جسے انہوں نے قبول کر لیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دومۃ الجندل کے بادشاہ کی بیٹی تماضر سے شادی کر لی اور اسے ساتھ لے کر مدینہ آئے اس کے بطن سے ایک بیٹی ہوئی جس کا نام سلمہ تھا۔

فقہی مسئلہ

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف فوت ہو گئے اور تماضر ابھی طلاق کی عدت میں تھی تو حضرت عثمان نے اسے وارث قرار دیا اور یہ بات ان لوگوں کے لیے جو مرض الموت میں طلاق دینے والے کی طلاق کے درست نہ ہونے کے قائل ہیں ایک قوی فقہی سند بن گئی اور یہ مالکیوں کا مذہب ہے۔

(۱۳)

بنی سعد کو خوفزدہ کرنے کے لیے فدک[1] پر حملہ

شعبان ۶ھ

یہ ایک بڑا فوجی دستہ تھا جسے حضرت علی بن ابی طالب نے فدک میں بنو سعد بن بکر کے قبائل کے قلوب میں رعب پیدا کرنے کے لیے تیار کیا یہ گشتی دستہ ایک سو سواروں پر مشتمل تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیادت حضرت علیؓ کو عطا فرمائی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے شعبہ انٹیلی جنس کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ بنو سعد نے خیبر کے یہود کو جوانوں کی مدد دینے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ اس کے مقابل اس قبیلہ کو خیبر کی کھجوروں کا بہت بڑا حصّہ دیں گے تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو بنو سعد پر غارت گری کرنے کا حکم دیا۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود لمبے زمانے سے اس جنگ کے لیے تیاری کر رہے تھے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار خیبر میں کیا اور انہیں شکست دے کر یہودیوں کے وجود کو اس جگہ سے نیست و نابود کر دیا جیسا کہ اس کی تفصیل ہماری چھٹی کتاب میں بیان ہو گی انشاء اللہ، حضرت علی بن ابی طالب نے اپنے مسلح گشتی دستے کے ساتھ چھپتے ہوئے اور دن کو چلتے ہوئے مسلسل چھ دن اپنا مارچ جاری رکھا، ساتویں دن آپ فدک کے مضافات میں پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک آدمی کو پایا جس کے نام کا ذکر مؤرخین نے نہیں کیا

---

[1] فدک خیبر کے نواح میں ایک زرعی بستی ہے، یہ یہود کا پایہ تخت تھی جہاں ان کی کھیتیاں تھیں یہ خیبر کی طرح پانی والی اور سرسبز زمین تھی اس کے بدو تمام کے تمام عرب تھے جو بنی سعد سے تھے یہی وہ لوگ تھے جن سے حضرت علیؓ نے جنگ کی تھی

آپ نے اس سے اپنے دشمن بنی سعد کے متعلق دریافت کیا حضرت علی رضؓ نے اُسے اطمینان دلایا کہ وہ اُسے گزند نہیں پہنچانا چاہتے تو اس نے اپنے بارے میں یقین حاصل کرنے کے بعد کہا، اگر تم مجھے امان دو تو میں تمہیں ان لوگوں کی جگہ بتاتا ہوں انہوں نے اُسے امان دی تو اس نے انہیں بتایا کہ بنو سعد فلاں وادی میں جمع ہیں، حضرت علی رضؓ نے اپنے گشتی دستے کے جوانوں کے ساتھ ان پہ غارت گری کی، دشمن کا سرکردہ لیڈر وبر بن علیم تھا مگر بنو سعد نے باوجود کثرت تعداد کے کسی قسم کی مقاومت کا اظہار نہ کیا بلکہ ان کو سب سے بڑا فکر اپنی جانوں کے بچانے کا تھا پس وہ عورتوں اور بچوں سمیت بھاگ گئے اور اپنے مویشیوں کو چھوڑ گئے۔ حضرت علی رضؓ کے جوانوں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا، جو پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں تھیں، حضرت علی رضؓ نے غنائم کی طرح ان کو اپنے گشتی دستے کے جوانوں میں تقسیم کر دیا اور خمس نکال کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو صدر حکومت بھی تھے اکی خدمت میں پیش کر دیا تاکہ وہ حسب دستور اسے مسلمانوں کے مصائب کے لیے جمع کر رکھیں پھر آپ بغیر کسی جنگ کے اپنے گشتی دستے کے ساتھ واپس مدینہ آ گئے۔

(۱۴)

بنی فزارہ پر تادیبی حملہ[۱] — رمضان ۶ھ

عہد نبوی میں فزارہ قبیلے کو نجدی قبائل میں سے بڑا اور زیادہ تعداد والا قبیلہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کا کرتا دھرتا سردار عیینہ بن حصن الفزاری تھا جس کا لقب

---

[۱] فزارہ ایک عظیم عدنانی قبیلہ ہے جو غطفان کا بڑا بازو ہے، فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان، جاہلیت میں فزارہ کا سردار عیینہ بن حصن الفزاری تھا

(باقی صـ۶۲ پر)

"احمق مطاع" تھا، مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جس طرف یہ احمق مارچ کرتا دس ہزار نیزہ باز جوان اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسی طرف مارچ کر دیتے، بنو فزارہ مدینہ سے قریب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اور اکثر چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اس کے بعض قبائل مدینہ اور خیبر کے درمیان وادی القریٰ میں آباد تھے، اس بت پرست قبیلہ کے جوانوں نے کئی بار مسلمانوں پر مظالم ڈھائے، ان میں سے بہت سے لوگوں کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے یہود کرائے پر حاصل کر لیتے تھے، آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کس طرح عبد الرحمٰن بن عیینہ بن حصن نے مدینہ کے مضافات میں غابہ میں مسلمانوں پر غارت گری کی اور ان میں سے بعض کو قتل کر کے ۶ھ میں ان کے اونٹوں کو ہانک کر لے گیا جیسا کہ اس کی تفصیل غزوہ غابہ میں پہلے بیان ہو چکی ہے، اس لیے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ مسلمان بھی اس قبیلہ پر ضرب لگانے، اس کو خوف زدہ کرنے اور اس کی قوت و شوکت کو توڑنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے کہ جنگ کو ان کے گھروں میں منتقل کر کے وہیں ان پر کاری ضرب لگائی جائے، مسلمان خاص کر خیبر میں یہود کے ساتھ فیصلہ کن معرکے کے لیے تیاری کر رہے تھے جن کی فرودگاہیں فزاریوں اور مدینہ کے درمیان پڑتی تھیں، مدینہ کی قیادت علیہ کے لیے یہ ایک حتمی امر تھا کہ وہ ایک فیصلہ کن فوجی کاروائی کرے جس سے مسلمانوں کے راستے خیبر پر حملہ کے وقت مامون ہو جائیں، یہ حملہ مسلمانوں نے عملاً ۶ھ کے

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ) جس کا لقب "احمق مطاع" تھا، دس ہزار نیزہ باز جوان اس کے ماتحت تھے اور وہ اس کی اس طرح اطاعت کرتے تھے کہ وہ انہیں جس جنگ پر چاہتا لے جاتا اور وہ پوچھتے تک نہ تھے کہ اس کا سبب یا جواز کیا ہے جاہلیت اور اسلام کے زمانے میں دیار فزارہ نجد میں واقع تھے اور فتوحات اسلامی کے نتیجہ میں جب عرب جزیرہ سے باہر پھیل گئے تو فزارہ کے قبائل منتشر ہو کر مصر، برقہ، طرابلس
[illegible]

آغاز میں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق دستہ کے سالار مقرر ہوئے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بدر جو فزارہ قبیلہ میں سے ہیں، کی تادیب کے لیے ایک طاقت ور فوجی دستہ تیار کیا جس کی قیادت کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے ابن سعد، طبقات الکبریٰ میں بیان کرتا ہے کہ اس دستہ کی قیادت حضرت زید بن حارثہ کو عطا کی گئی ـــــ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں سلمہ بن اکوع سے بیان کیا ہے کہ اس دستہ کے سالار حضرت ابوبکر صدیق تھے، بہرحال دونوں روایتوں کے درمیان تفاصیل میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ہم امام مسلم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ مسلم اور صحیح بخاری، کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مدینہ سے مہاجرین اور انصار کی ایک بڑی فوج کے ساتھ مارچ کیا۔ (مؤرخین نے اس فوج کی تعداد کا ذکر نہیں کیا) یہ مارچ ماہِ رمضان ۶ھ میں ہوا جیسا کہ ابن حزم وغیرہ مورخین نے بیان کیا ہے۔

دستہ کی کامیابی

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے فوجی تادیبی دستہ نے اپنے مقاصد کو پورا کیا اور اللہ تعالےٰ نے بنی بدر کے دلوں میں رُعب پیدا کر دیا۔ ابھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اپنے جوانوں کے ساتھ وہاں پہنچے بھی نہ تھے کہ ان پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور انہوں نے کسی قسم کا مقابلہ نہ کیا بلکہ پراگندگی کی حالت میں بھاگنے لگے مگر مسلمانوں نے درمیان میں حائل ہو کر ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا، ان گرفتار شدگان میں ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن بدر اور اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر بھی تھی ـــــ اور وہ عرب کی خوب صورت ترین لڑکی تھی۔

اُم قرفہ ایک شیطان صفت عورت تھی جسے قوم میں سرداری کا مقام حاصل تھا اس نے اپنے گھر میں پچاس تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں جن کے مالک اس کے محرم تھے ـــــ اور اس کے بارہ لڑکے سب کے سب مسلح رہتے تھے پھر عربوں میں اس کی عزت کو بطور مثال بیان کیا جاتا تھا کہ لوکنت اعزام قرفۃ کاش میں اُم قرفہ سے زیادہ معزز ہوتا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش

یہ شیطان صفت عورت اُم قرفہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد بغض رکھتی تھی اس لیے اس نے مدینہ کے اندر آپ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اس نے اپنے لڑکوں اور پوتوں میں سے تیس سوار تیار کیے اور انہیں مدینہ جانے کا حکم دیا کہ وہ وہاں پہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں مگر انہیں اس کا موقع نہ ملا، معلوم ہوتا ہے کہ ام قرفہ عملاً اپنی قوم بنی بدر کی سردار تھی ـــــ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض مؤرخین نے اس دستہ کو جسے اُم قرفہ اور اس کی بیٹی نے بھیجا تھا "سریہ ام قرفہ" کا نام دیا ہے۔" اس دستے نے اپنے مقاصد کو کیسے پورا کیا، مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے دستہ کے جوانوں نے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد صبح کے دھندلکے میں بنی بدر پہ غارت گری کی سلمہ بن اکوع (جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے) بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو فزارہ کی طرف بھیجا، میں بھی ان کے ساتھ تھا جب ہم نے صبح کی نماز پڑھ لی تو آپ نے ہمیں غارت گری کرنے کا حکم دیا ہم پانی پہ آگئے، حضرت ابوبکر رضؓ نے جتنے لوگوں کو قتل کرنا تھا قتل کیا، میں نے ایک پارٹی کو دیکھا (جس میں بچے بھی تھے) تو مجھے خدشہ ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پہ چڑھ جائیں گے تو میں نے ان کے قریب ہو کر ان کے اور پہاڑ کے درمیان تیر اندازی شروع کر دی جب انہوں نے تیروں کو دیکھا تو وہ رک گئے ان میں اُم قرفہ بھی تھی جو چمڑے کی پرانی پوستین

اوڑھے ہوئے تھی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب میں سب سے زیادہ حسین تھی، میں انہیں بھگاتا ہوا حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے آیا حضرت ابوبکرؓ نے غنیمت میں مجھے ام قرفہ کی بیٹی عطا کی مگر میں نے کپڑا اتار کر اُسے نہ دیکھا اور ابن برہان الدین کے مطابق مسلم میں ہے کہ جب سلمہ بن اکوع واپس آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ آپؐ کو یہ خوب صورت لڑکی (جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر) ہبہ کر دے، آپؐ نے فرمایا اے سلمہ! مجھے یہ عورت ہبہ کر دو، تو میں نے جواب دیا یا رسول اللہ یہ آپ ہی کے لیے ہے، پس آپ نے اس لڑکی کو مکہ میں بھجوا دیا اور وہاں جو مسلمان قیدی تھے ان کے عوض میں اسے بطور فدیہ دیا۔

لمحہ فکریہ

شاید، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نشان دار کاروائی خدا اور رسول کے دشمن مستشرقین اور شرق اسلامی میں ان کے بچوں کے جھوٹے خیالات کے ابطال کے لیے سب سے بڑی دلیل ہے جو آپ پر نو بیویوں سے شادی کرنے کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ آپؐ نے یہ شادیاں جنسی جذبہ اور عورتوں کو جمع کرنے کے شدید میلان کے باعث کی تھیں، اگر ان کے خیال کے مطابق یہ بات ہوتی (اللہ ان کو ذلیل کرے) تو آپؐ اس فزاری لڑکی کو، جسے سلمہ بن اکوع نے آپؐ کو ہبہ کر دیا تھا اپنے لیے مختص کر لیتے جو مؤرخین کے اتفاق سے عرب کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں سے تھی —— لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے اُسے مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مکہ بھجوا دیا —— پس یہ بات دشمنانِ خدا کے ان مزعومات کے بطلان کا یقین دلا دیتی ہے جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، اس حملہ کے دوران قتل ہونے والے مشرکین میں النعمان اور عبید اللہ بھی شامل تھے جو مسعدۃ بن حکمۃ بن مالک بن بدر کے بیٹے تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ رجب نے اس دستہ کے سالار کا

نام زیدؓ بن حارثہ لکھا ہے) دستہ کے سالار زیدؓ بن حارثہ نے ام قرفہ کو قتل کر دیا اور اس کی دونوں ٹانگوں کو دو اونٹوں سے باندھنے کا حکم دیا پھر انہیں مخالف سمت میں چلا دیا جس سے وہ دونیم ہو کر رہ گئی مگر امام مسلم کی روایت مرجح اور اصح ہے، انہوں نے ام قرفہ کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

ابن برہان الدین سیرۃ حلبیہ میں لکھتا ہے کہ قرفہ نے جس بیٹے سے کنیت اختیار کی تھی اسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا تھا جیسا کہ اس کے دیگر بیٹے مرتدین کے ساتھ نجد میں مارے گئے تھے، اس میں اور اس کے بیٹوں میں کوئی بھلائی موجود نہ تھی یہ بات اس جگہ ذکر کے لائق ہے کہ ام قرفہ کی ایک بیٹی کا نام سلمیٰ تھا جس نے حضرت خالد بن ولید کے لشکر کے خلاف جسے حضرت صدیقؓ نے مرتدین کا قلع قمع کرنے کے لیے بھیجا تھا، بڑی سرکشی اور تمرد کا اظہار کیا۔ سلمیٰ (اپنی ماں کی طرح شیطان صفت تھی) نے نجد کے علاقہ ظفر میں سرکش فوج کی قیادت کی اور اس کی اتباع ان مرتد جماعتوں نے کی جنہوں نے بزاخہ کے مشہور معرکہ میں شکست کھائی تھی، حضرت خالد کے لشکر نے سلمیٰ اور اس کے پیروکاروں سے بہت دکھ اٹھایا اور یہ ایک ایسی سخت جنگ میں گتھ گئے جو حضرت خالدؓ اور طلیحہ بن خویلد اسدی کی فوجوں کے درمیان بزاخہ میں ہونے والی جنگ سے کم مصرت رساں نہ تھی، اس کے بعد سلمیٰ قتل ہو گئی۔

(۱۵)

عرینیوں کی طرف ــــ سریہ کرز الفہری

شوال سنہ ۶ھ

اس مہینے میں عرینہ کی ایک جماعت نے جو آٹھ افراد پر مشتمل تھی، آ کر اسلام قبول کیا مگر وہ مدینہ میں بعض وبائی امراض کا شکار ہو گئے، رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے انہیں قباء کی جانب جدر کے علاقہ میں چلے جانے کا حکم دیا جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر جبل عیر کے قریب واقع ہے تاکہ وہاں کی خوشگوار آب و ہوا میں آپ کی اونٹنیاں چرائیں اور صحت مند ہو جائیں، وہ وہاں پر کچھ عرصہ صاف آب و ہوا سے لطف اندوز ہوتے رہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کا دودھ پی کر صحت مند اور تروتازہ ہو گئے، اس کے بعد انہوں نے کمینوں اور خائنوں والا فعل کیا، جن اونٹنیوں کا دودھ پی پی کر وہ موٹے اور تروتازہ ہو گئے تھے انہیں ہانک کر لے گئے اور انہیں ساتھ لے کر اپنے گھروں کو بھاگ جانے کی کوشش کی کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام یسار نے اونٹنیاں واپس لینے کے لیے آ لیا (اس کے ساتھ تھوڑی سی نفری تھی) یسار نے ان سے جنگ کی مگر وہ یسار اور اس کے آدمیوں پر غالب آ گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے یسار کو قتل کر دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور اس کی زبان اور آنکھوں میں میخیں ٹھونک دیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس گھناؤنے واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے اصحاب میں سے بیس سواروں کو منتخب کیا اور ان کی قیادت کرز بن جابر فہری کے سپرد کی اور انہیں عرینیوں پر حملہ کرنے اور انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا، انہوں نے عرینیوں کو آ لیا پھر ان کا گھیراؤ کر کے انہیں گرفتار کر لیا پھر انہیں باندھ کر اور اپنے گھوڑوں کے پیچھے بٹھا کر مدینہ لے آئے، اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غابہ میں موجود تھے یہ انہیں ساتھ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کارروائی دکھانے ۔۔۔۔۔ کے لیے وہاں لے گئے اور آپ سے ان کی ملاقات زغابہ مقام پر ہوئی جو مدینہ کے مضافات میں ہے تحقیق کے بعد ان کا جرم ثابت ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بڑا سخت حکم جاری کیا تاکہ یہ دوسروں کے لیے عبرت بن جائیں —— آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں پھر انہیں صلیب دینے کا حکم دیا گیا ابن سعد بیان کرتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی

الارض فساداً - الایۃ ، اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی آنکھ میں سلائی نہیں پھرائی -

(۱۶)

مدین کی طرف ——— سریہ زید بن حارثہ

مجھے تاریخ کے مصادر سے اس حملہ کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا ——— لیکن ظن غالب یہی ہے کہ یہ ۶ھ میں ہوا ، اس کی دلیل یہ ہے کہ سیرۃ حلبیہ میں اس کا ذکر حضرت علی بن ابی طالب کے اس حملہ سے پہلے آیا ہے جو آپ نے شعبان ۶ھ میں فدک میں بنو سعد کی گوشمالی کے لیے کیا تھا ، مدین کی طرف اس سریہ کی قیادت حضرت زید بن حارثہ نے کی یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی ہے اور تبوک کے سامنے واقع ہے (جیسا کہ مولف سیرۃ حلبیہ نے بیان کیا ہے) مجھے تاریخی مصادر سے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس دستہ کو کون لے کر گیا ، زیادہ سے زیادہ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ ابن برہان الدین نے سیرۃ حلبیہ میں بیان کیا ہے کہ زید بن حارثہ نے کامیابی حاصل کر کے کچھ لوگوں کو قیدی بنایا اور اولاد اور امہات کے درمیان فروخت میں تفریق کر دی ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو وہ رو رہے تھے آپ نے دریافت فرمایا انہیں کیا تکلیف ہے آپ کو بتایا گیا کہ فروخت میں اُمہات اور اولاد کے درمیان تفریق کر دی گئی ہے آپ نے فرمایا سب کو اکٹھے فروخت کرو پس آپ کی یہ نہی قانون بن گئی ، جس کے بموجب علماء نے بیع میں امہات اور اولاد کے درمیان تفریق کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ نے ماں اور اس کے ایک لڑکے کے درمیان تفریق کرنے سے بھی بیع کو باطل قرار دیا ہے -

(۱۷)

مکہ میں ابوسفیان کے قتل کے لیے۔عمرو بن امیہ الضمری کا بھیجنا

شوال ۔۔۔۔ ۶ھ

شوال میں حدیبیہ سے تقریباً ایک ماہ قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور جانباز عمرو بن امیہ الضمری اور سلمہ بن اسلم کو ابوسفیان بن حرب کے قتل کرنے کے لیے بھیجا ابوسفیان مشرکین مکہ کی عوامی فوج کا سالار تھا، حضور نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ جہاں ملے اُسے قتل کر دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش

ابوسفیان کے قتل کے حکم کا سبب یہ تھا کہ اس نے ایک اعرابی کو اُجرت پر حاصل کیا اور اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے جانے کا حکم دیا اور عملاً وہ اعرابی مدینہ میں گیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت سے آپؐ کو آگاہ کر دیا۔ اور اُسے جرم کا آغاز کرنے سے قبل ہی گرفتار کر لیا گیا اور تحقیقات کے دوران اس نے ہر بات کو تسلیم کر لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے معاف فرما دیا پھر اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا، اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوسفیان اور بعض قریشیوں کے درمیان مسلمانوں کی قوت کے بڑھ جانے اور مشرکوں کو شکستیں دینے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا، کیا تم میں سے کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہیں کر سکتا وہ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ جب ایک اعرابی کو ابوسفیان کی بات کا علم ہوا تو وہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے جو نہایت

مضبوط دل سخت ترین گرفت کرنے والا اور بہت سُرعت کے ساتھ دوڑنے والا ہے (یعنی وہ خود) —— اگر تو نے مجھے قوت دی تو میں اس کے پاس جا کر اُسے قتل کر دوں گا۔ میرے پاس گرگٹ کے چھوٹے پروں کی مانند ایک خنجر ہے میں اُسے چڑھا لوں گا پھر اُسے قافلے میں آ پکڑ لوں گا میں سب لوگوں سے دوڑنے میں سبقت لے جانے والا ہوں اور میں بیابان کے پوشیدہ راستوں کا راہبر ہوں تو ابو سفیان نے اعرابی کو خوش ہو کر کہا تو ہمارا ساتھی ہے پھر اس نے اُسے ایک اونٹ اور کافی اخراجات دیئے اور اس سے کہا کہ اپنے معاملہ کو پوشیدہ رکھنا، وہ اعرابی رات کے وقت مکہ سے نکلا، مدینہ کی مسافت کو سوار آدمی گیارہ دن کے بعد طے کر سکتا ہے مگر اس اعرابی نے فقط پانچ دنوں میں مسافت طے کر لی، اور چھٹے دن کی صبح سے قبل ہی یہ مدینہ میں موجود تھا، اس نے وہاں پہنچتے ہی اپنی سواری کو باندھ دیا اور اپنے جرم کے نفاذ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگا پھر وہ آسانی کے ساتھ آپؐ تک پہنچ گیا کیونکہ آپؐ کسی وقت بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان کوئی پہرے دار یا حاجب نہ رکھتے تھے۔

یہ خیانت کرنا چاہتا ہے

قریب تھا کہ یہ اُجرتی اعرابی بنی عبد الاشہل کی مسجد میں قتل کے جرم کا نفاذ کر دیتا۔ کیونکہ اس نے وہاں پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا یہ مسجد میں آپؐ کے پاس ایک عام مسلمان کی طرح چلا گیا، مگر آپؐ نے اعرابی کو غور سے دیکھنے پر معلوم کر لیا کہ یہ آپ سے بُرائی کرنا چاہتا ہے آپؐ نے فرمایا یہ شخص خیانت کرنا چاہتا ہے تو اعرابی جرم کی تنفیذ کے لیے جلدی سے آپؐ کی طرف بڑھا، مگر اوس کا سردار اُسید بن الحضیر اس کے ورے حائل ہو گیا اور اس نے اعرابی کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ اُسید بن الحضیر نے مکمل طور پر گرفتار کرنے کے بعد اس کی تلاشی لی تو انہیں اس کے تہ بند کے اندر سے ایک خنجر

ملا ۔ جسے آپ نے اس کے سامنے رکھ دیا اور وہ حقیقت کے منکشف ہو جانے کے بعد خوف زدہ ہو کر چلا یا میرا خون، میرا خون، اسید بن الحفیر نے اُسے گلے سے پکڑ لیا قریب تھا کہ غصّے سے وہ اس کا گلا گھونٹ دیتے، پھر اسی وقت تحقیقات شروع ہو گئی، تحقیقات کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی معاف کر دینے والی اور رحیمانہ عادت کے مطابق) اُسے فرمایا جس بات کے لیے تو آیا ہے وہ مجھے سچ سچ بتا دے ؟ اس نے کہا مجھے امان ملے گی آپؐ نے فرمایا ہاں، تو اس نے سازش کے تمام منصوبے سے آپ کو آگاہ کر دیا آپ نے اُسے معاف فرما دیا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا تو اعرابی اپنے ارادے سے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا صبح کے وقت اعرابی نے اسلامی سوسائٹی کے ایک ممبر کی حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ جس گھڑی میں آپ کو قتل کرنے کا آغاز کرنے لگا تو یا رسول اللہ میں کبھی آدمیوں سے نہیں ڈرا مگر جب میں نے آپ کو دیکھا تو میری عقل جاتی رہی اور میرا جسم کمزور پڑ گیا، پھر میں اپنے ارادے پر مطلع ہوا تو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ حق پر ہیں یہ بات سُن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔

ابوسفیان کو قتل کرنے کی کوشش

اس واقعہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اُمیۃ الضمری کو بلایا (جو جاہلیت میں مشہور جانباز اور ماہر حملہ آور تھا اور جس سے لوگ خوف کھاتے تھے) اور اس کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ سلمہ بن اسلم کے ساتھ مکہ جا کر ابوسفیان کو قتل کرے (بعض جبار بن صخر انصاری کا نام لیتے ہیں) آپؐ نے فرمایا اگر تم دونوں ابوسفیان کو اچانک پاؤ تو قتل کر دو، پس عمرو نے حکم کی پابندی کی اور چند یوم کے اندر ہی وہ اور اس کا ساتھی مکہ میں تھے مگر وہ دونوں ابوسفیان کو قتل نہ کر سکے کیونکہ ان کے مکہ میں پہنچتے ہی ان کا معاملہ منکشف ہو گیا تھا۔

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ عمرو اور اس کا ساتھی رات کو مکہ میں آئے تو جبار

نے عمرو سے کہا اگر ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں اور دو رکعتیں پڑھ لیں تو کیا ہرج ہے؟
عمرو نے جواب دیا کہ لوگ رات کا کھانا کھا کر اپنے صحنوں میں بیٹھ جاتے ہیں
(اس بات سے اس خوف کا اظہار مقصود تھا کہ لوگوں کو ہمارے متعلق ابوسفیانؓ
کے قتل کرنے سے قبل پتہ نہ چل جائے) جبار نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا، انشاء اللہ
عمرو کہتا ہے کہ ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نماز پڑھی پھر ہم ابوسفیان کی
تلاش میں نکلے، خدا کی قسم ہم مکہ میں پھر رہے تھے کہ میری طرف اہل مکہ میں سے
ایک آدمی نے دیکھا ابن سعد کہتا ہے کہ وہ معاویہ بن ابوسفیان تھا۔ عمرو بن
اُمیہ الضمری کہتا ہے کہ وہ لڑائی کے لیے آیا تھا میں نے اپنے ساتھی سے کہا بھاگ
جاؤ پس ہم نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہم پہاڑ پہ چڑھ گئے، وہ بھی
ہماری تلاش میں نکلے مگر جب ہم پہاڑ کے اُوپر چڑھ گئے تو وہ ہم سے مایوس ہو گئے،
پھر ہم نے واپس آکر پہاڑ کے ایک غار میں رات گزاری اور پتھر لے کر اس کے منہ پہ
چن دیے، جب صبح ہوئی تو ایک قریشی آدمی اپنے گھوڑے کو چلاتا ہوا آیا اور اُسے
چھوڑ دیا، میں نے کہا اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ لوگوں کو بلا لے گا، پس ہم نے
اُسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ عمرو کہتا ہے میرے پاس ایک خنجر تھا جسے میں نے ابوسفیان
کے لیے تیار کیا ہوا تھا میں نے اُسے نکال کر اس کے سینے پہ ایک ضرب لگائی،
اس نے ایسی چیخ ماری جو اہل مکہ نے سن لی، میں واپس آکر اپنی جگہ میں داخل ہو
گیا، لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور وہ آخری سانس لے رہا تھا
انہوں نے پوچھا تجھے کس نے مارا ہے اس نے جواب دیا عمرو بن اُمیہ الضمری نے
پھر اُسے موت آ گئی اور وہ اسی جگہ پہ مر گیا اور لوگ اُسے اُٹھا کر لے گئے۔
مگر وہ ہماری جگہ کے متعلق انہیں کچھ نہ بتا سکا، عمرو بیان کرتا ہے کہ جب شام ہو
تو ہم رات کو مکہ سے مدینہ جانے کے لیے نکلے۔

خبیبؓ شہید کے جسم کا اُٹھانا

پھر کہتا ہے ہم پہریداروں کے پاس سے
گزرے جو خبیبؓ بن عدی کی میت کی

نگرانی کر رہے تھے، پہرے دار کہنے لگا خدا کی قسم میں نے رات کو عمرو بن اُمیہ کی طرح چلنے والا کبھی نہیں دیکھا اگر وہ مدینہ میں نہ ہوتا تو میں کہتا کہ وہ منفرد عمرو بن اُمیہ ہی تھا، عمرو بیان کرتا ہے جب میں لکڑی کے سامنے آیا تو میں نے اُسے معمولی سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور تیزی سے دوڑ کر نکل گیا، پہرے دار بھی میرے پیچھے آئے مگر وہ مجھے پکڑ نہ سکے پھر میں یاجج کے نشیب میں آیا اور میں نے جھٹ میں لکڑی کو پھینک دیا پس اللہ تعالےٰ نے خبیبؓ شہید کے جثہ کو ان سے پوشیدہ کر دیا اور وہ اُسے تلاش نہ کر سکے۔

جاسوس کا قتل

عمرو اور اس کا ساتھی جب مدینہ واپس آ رہے تھے تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، وہاں انہوں نے بنی بکر کے ایک یک چشم آدمی کو اپنی ایک چھوٹی سی بکری کے ساتھ پایا مگر انہوں نے اُسے کوئی تکلیف نہ دی لیکن یک چشم شخص نے پہلو کے بل لیٹنے کے بعد بلند آواز سے کہا ؎

"میں زندگی بھر مسلم نہ ہوں گا اور نہ مسلمانوں کا دین اختیار کروں گا۔"

عمرو کو اس بات پر بہت غصہ آیا اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ وہ اُسے اندھا کر دے گا، تھوڑی دیر کے بعد جب وہ سو گیا تو اس نے اپنی کمان کا ایک کنارا اس کی صحیح آنکھ میں داخل کر دیا پھر اس پر اپنا بوجھ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ ہڈی تک پہنچ گئی، پھر عمرو اور اس کا ساتھی "النقیع" میں آ گئے (یہ مدینہ سے دو راتوں کے فاصلہ پر ہے) وہاں انہوں نے دو مشرکوں کو پایا جنہیں قریش نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے بھیجا تھا، عمرو اور اس کے ساتھی نے انہیں انتباہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیں مگر انہوں نے انکار کیا، عمرو نے ان میں سے ایک کو تیر مار کر قتل کر دیا اور دوسرے کو قید کر لیا اور اُسے باندھ کر مدینے لے آئے۔

(۱۸)

شاہِ خیبر ابو رافع کا قتل ــــ رمضان ۶ھ

سلام بن ابی الحقیق النضری (بنی نضیر کے سرکش سردار حیی بن اخطب کے قتل کے بعد) خیبر کا مطاع سردار تھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کرنے میں حیی بن اخطب سے کم نہ تھا، مزید یہ کہ یہ اس ظالمانہ اور خائنانہ جنگ کے بڑے مجرموں سے تھا جسے یہود خیبر کے منصوبے کے ماتحت مدینہ کے مسلمانوں پر مسلط کیا گیا تھا جس میں بُت پرست احزاب کے دس ہزار جانباز شامل تھے جو قریش کے حلیف تھے (یعنی قریش، غطفان، اشجع، فزارہ اور اسلم)

سلام بن ابی الحقیق یہود کے اس بر انگیختہ کرنے والے وفد کے پیشرؤوں میں تھا جس نے ۴ھ کے وسط میں خیبر کو خیر باد کہا تاکہ بدوؤں کے خیموں اور نجد اور حجازی قبائل کی رہائش گاہوں میں گھوم پھر کر انہیں مسلمانوں سے لڑنے اور مدینہ میں انہیں تباہ کرنے کے لیے بر انگیختہ کرے، جب یہودی منصوبہ فکر کے دائرہ سے نکل کر عمل کے دائرہ میں آیا اور اعراب نجد اور قریشی قبائل کی یہ زبردست فوج مدینہ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے حرکت میں آئی تو اس وقت سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب کے ساتھ اس جنگجو فوج کا سردار تھا۔

بنی نضیر کی جلا وطنی سے قبل مدینہ میں زبردستی تسلط حاصل کرنے کے علاوہ سلام بن ابی الحقیق کے اور بھی بہت سے جرائم تھے، سلام اس ذلیل سازش کے ارکان میں سے ایک تھا جس کا مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ختم کرنا تھا اس سازش کی تنفیذ کا آغاز بنی نضیر نے اس وقت کیا جب آپ اکیلے ہی تھوڑے سے صحابہ کے ساتھ دیار بنی نضیر میں اس معاہدہ کی

شرائط پر گفتگو کرنے کے لیے آئے جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان طے پا چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہودیوں کو جو فیاضانہ معافی نامہ دیا وہ ہیبدجیا اعلیٰ سلام بن ابی الحقیق کو بھی شامل تھا جو سازش کا ایک رکن تھا — اس فیاضانہ معافی نے اس یہودی کی انانیت، غداری، خیانت، زبردستی تسلط حاصل کرتے اور غیروں کے کندھوں پر سوار ہو کر، ذلیل اور خسیس ذرائع سے مقررہ مقصد تک پہنچنے والی فطرت میں کچھ بھی تبدیلی پیدا نہ کی (ہر زمان و مکان میں یہود کی یہی فطرت رہی ہے) جیسا کہ ہم پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ بنی نضیر کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیاضانہ سلوک کے باوجود — سلام اور اس کی پارٹی نے خیبر میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک انہوں نے اس خطرناک سازش کا آغاز نہیں کیا جس کے نتیجے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ان کی زندگی کے سب سے بڑے خطرے یعنی جنگ احزاب سے دوچار نہیں کر دیا — اس جنگ میں سلام بن ابی الحقیق اور اس کا ساتھی حیی بن اخطب جو مدینہ میں واپس جانے کے خواب دیکھا کرتے تھے، اپنے ساتھ زبردست فوجوں کو لائے — حیی بن اخطب تو مدینہ ہی میں بنی قریظہ کے یہودیوں کے محاکمہ کے بعد قتل ہو گیا اور ابو رافع (سلام بن ابی الحقیق) کو بھاگ جانے کا موقع مل گیا اور وہ مدینہ میں اس وقت واپس آیا جب احزاب کی فوجیں شکست کھانے کے بعد مدینہ سے تتر بتر ہو گئی تھیں اسلامی قیادت عُلیہ نے مدینہ میں اس امر پہ غور و فکر کیا کہ حیی بن اخطب کی موت کے بعد خیبر کے یہود کی لیڈر شپ اس یہودی (سلام بن ابی الحقیق) کو ملنے والی ہے جو جنگی مجرم ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرور کوئی سبیل پیدا کرنی چاہیے کیونکہ وہ اسلام سے سخت دشمنی رکھتا ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کے دل میں بے حد کینہ جوش زن ہے یہ دونوں باتیں اسے چین نہیں لینے دیتیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے تدابیر کرتا رہتا ہے خواہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ

ہزاروں عہدوپیمان کیے ہوں، اس بات کا بھی بہت احتمال تھا، کیونکہ اس یہودی کے پاس بہت مال تھا اور اُسے بُت پرست دشمن قبائل کے درمیان بڑا اقتصادی نفوذ حاصل تھا) کہ وہ دوبارہ ان قبائل کو اکٹھا کر کے نئے سرے سے یثرب سے جنگ کی طرح ڈالے گا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ایک اور آگ بھڑکا دے گا جیسا کہ اس نے حیی بن اخطب کے ساتھ مل کر احزاب کی جنگ کی آگ بھڑکائی تھی قریب تھا کہ اس میں سب مسلمان تباہ ہو جاتے۔ مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ سلام بن الحقیق اپنے فرار کے بعد ابھی خیبر پہنچا تھا کہ اس نے بُت پرست قبائل اور خاص طور پر قبائل غطفان کے لیڈروں کے ساتھ گٹھ جوڑ توڑ کا آغاز کر دیا ـــــ اور انہیں مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے نئے سرے سے انہیں جنگ کے لیے تیار کرنے لگا ـــــ مسلمان اب اپنے تحفظ اور اپنے علاقے کی سلامتی کے لیے یہی کر سکتے تھے کہ وہ اس شدید اور بڑے عناد دشمن سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے جلد کوئی ایسی اسکیم سوچیں جس سے اس بزور تسلط حاصل کرنے والے یہودی سے چھٹکارا پا جائیں جس نے ان کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تھی، اس نے اندازہ لگایا کہ وہ اس فعل کے ذریعہ مسلمانوں کو تباہ کر دے گا (یا کم از کم ڈرا دھمکا دے گا) اس لیے کہ یہود کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ کسی شر کو بروئے کار لانے کا دانستہ پالیں تو اس کے ارتکاب میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور جب تک ان کا فعل ان کی خبیث اغراض اور بڑے مقاصد کو پورا کرتا ہے وہ اس فعل کو کرتے رہتے ہیں اس لیے اسلامی قیادت علیہ نے مدینہ میں فیصلہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس یہودی لیڈر کا خاتمہ کر دیا جائے کیونکہ یہ ایک عظیم خطرے کا منبع تھا جو یثرب میں تمام اُمت اسلامیہ کی سلامتی اور امن کو برباد کرنے والا تھا چونکہ وہ عہد شکن، خائن اور بزور تسلط حاصل کرنے والا بھی تھا اس لیے وہ مسلمانوں کو گزند پہنچانے

والے کسی بھی طریقے سے پہلو تہی کرنے والا نہیں تھا جبکہ مسلمانوں کو اس وقت،
ان خطرات کے مقابلے کے لیے جن کی بجلیاں نجد و حجاز کے اُفق پر ہمیشہ چمکتی رہتی تھیں
امن و سکون کی بہت ضرورت تھی ۔ ایک طرف غطفان کے قبائل مدینہ میں مسلمانوں
کو مارنے اور لوٹنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے ۔ اس سے وہ اس معتبری کو دوبارہ
حاصل کرنا چاہتے تھے ، جسے ان کی زبردست فوجوں نے چار ہفتے سے زیادہ
کے خونریز اور ناکام محاصرہ کے بعد غزوہ احزاب میں شکست کھا کر کھو دیا تھا
دوسری طرف قریش اور تمام بت پرست حجازی قبائل ، مسلمانوں پر غارت گری
کرنے اور ان کی قوت و شوکت کے توڑنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے
کیونکہ یہ قبائل دعوتِ توحید کے باعث بہت برافروختہ تھے ۔ اس کی وجہ یہ
تھی کہ ارکانِ اسلام کے قیام کا مدار بُت شکنی پر تھا ، خلاصہ کلام یہ کہ مدینہ میں
اسلامی قیادت غلبہ (باوجود اس کامل احساس کے کہ وہ معرکہ احزاب سے قبل
کی نسبت عسکری لحاظ سے زیادہ طاقت ور ہے) سمجھتی تھی کہ وہ ہمیشہ ہی شمال
مشرق اور جنوب کی طرف سے خطرات کے گھیراؤ میں رہے گی ، اس کے
علاوہ داخلی خطرہ بھی تھا جس کی وجہ سے اسلام کے وجود کو بہت عظیم دُکھ
برداشت کرنے پڑتے تھے ——— اور وہ خطرہ ان منافقین کا تھا جو (اسلامی
سوسائٹی کے اندر) اسلام اور مسلمانوں پر گردشِ روزگار کے منتظر رہتے تھے
اور شاید اس دوران میں سب سے بڑا خطرہ جس سے مسلمان خائف تھے ،
یہودیوں کا خطرہ تھا ، جو مدینہ سے ستر میل کے فاصلہ پر خیبر میں جا گزیں تھا ۔
اگرچہ یہ خطرہ مدینہ میں یہود کے جنگ کرنے کے باعث پیدا ہوتا نظر نہ آ رہا تھا کیونکہ
یہ ایک بعید الاحتمال بات تھی ، پھر یہ بات بھی تھی کہ یہود کی فطرت میں جم کر
جنگ کرنا نہیں ہے (جب سے جزیرہ عرب میں یہودی آئے ہیں ان کی یہی
فطرت ہے ۔) ان کی فطرت قرآن کریم کے بیان کے مطابق فصیلوں ،
قلعوں اور مضبوط نو آبادیوں کے پیچھے کھڑے ہو کر جنگ کرنا

ہے ۱؎

سب سے پہلے درجہ میں یہ یہودی خطرہ یوں کھڑا نظر آتا تھا کہ یہود طبعی طور پر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے رہتے ہیں نیز وہ بڑے بڑے عطیات اور رشوتوں کا لالچ دے کر اعراب کو مسلمانوں کے خلاف ایک ہمہ گیر اور تباہ کن جنگ کرنے کے لیے نئے سرے سے خوفناک حد تک جمع کر لیں گے، اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ کن کام کریں جو خوف زدہ کر دینے والا ہو —— جس میں یہود کے لیے ایسا عملی انتباہ اور سبق موجود ہو جو انہیں تخریبی کاروائیوں سے روک دینے والا ہو اس لیے کہ یہ یہودی (خصوصاً ان کے لیڈر اور بڑے بڑے مجرم) بزور مسلط ہونے کے باعث مسلمانوں کی تادیب کرنے سے، اور ان پر تباہ کن عذاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتے خواہ وہ مضبوط قلعوں اور پلستر کیے ہوئے برجوں میں موجود ہوں۔

یہ جرأت مندانہ کام اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ یہود کے بادشاہ اور ان کے بڑے سردار کو اس کے محل کے اندر اس کے بستر پر قتل کر دیا جائے، اس بات سے یہود کے اندر خیال پیدا ہو جائے گا کہ مسلمان لڑائی کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں وہ موت کی پرواہ نہیں کرتے اور بلاشبہ جب یہ اسکیم کامیاب ہو جائے گی تو یہود کے اعصاب شل ہو جائیں گے اور وہ تصور کرنے لگیں گے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اور جب کبھی چاہیں ان کو قتل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں —— اصل بات یہ تھی کہ مدینہ میں مسلمانوں سے دوبارہ جنگ کرنے کی سعی کے خیال کو ان کے ذہنوں سے مٹانا تھا اور انہیں صرف اس بات کے

۱؎ قرآن کریم میں یہود کے متعلق یہ اشارہ پایا جاتا ہے: لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قریٰ محصنۃ او من وراء جدر (الحشر: ۱۴)

سوچنے پر مجبور کر دینا تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں۔

کیا وہاں پر کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو قوم کے سب سے بڑے آدمی کو اس کے قلعے کی چوٹی پر، بستر پر پڑے ہوئے تلوار سے قتل کرنے کی قوت رکھتے ہوں باوجود اس کے کہ بے شمار دروازے بھی بند ہوں اور پہرے دار بھی کھڑے ہوں۔ اس مقصد کے لیے پانچ جانباز، مدینہ سے خیبر کی طرف گئے تاکہ خاص طور پر خیبر کے یہودی سردار بڑے مجرم اور اسلام اور مسلمانوں پر تسلط حاصل کرنے والوں کے لیڈر سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیں جس کا لقب ابورافع تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے کے بعد اس عظیم حملہ کے لیے مدینہ سے خیبر کی طرف انصار کے پانچ جانبازوں نے جو سب کے سب خزرج قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مارچ شروع کیا اور وہ پانچ جانباز یہ تھے۔

۱۔ عبداللہ بن عتیک (۲) مسعود بن سنان (۳) عبداللہ بن انیس (۴) الحارث بن ربعی ابو قتادہ (۵) خزاعی بن اسود، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قیادت عبداللہ بن عتیک کو عطا کی، آپ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کوئی کام دو سے زیادہ آدمیوں کے سپرد کرتے تو ان میں سے ایک کو ان پر امیر بنا دیتے تاکہ نظم و ضبط کی روح برقرار رہے اور انارکی کے لیے کوئی راہ باقی نہ رہے جب یہ جانباز اس عظیم مہم کو بروئے کار لانے کے لیے خیبر کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گئے تو آپ نے انہیں کچھ بلند قدر احکام دیے اور اس طرح کے احکام آپ ہر اس انسان کو دیا کرتے تھے جو کسی جنگی مہم پر جاتا تھا آپ نے انہیں فرمایا کہ کسی بچے کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی عورت سے زیادتی کرنا،

جانبازوں کو دیے گئے یہ بلند قدر انسانی احکام، عادلانہ جنگوں میں ہمیشہ کے لیے متمدن دنیا کے اصول بن گئے، اس کے بعد ان پانچ جانبازوں نے مدینہ سے خیبر کے علاقہ کی طرف مارچ شروع کر دیا۔

جانباز خیبر میں

ابھی چند یوم بھی نہ گزرے تھے کہ یہ فدائی خیبر میں پہنچ گئے، عربوں کا خیبر کے علاقہ میں داخل ہونا کوئی عجیب امر نہ تھا کیونکہ اہل خیبر اور خاص کر ابو رافع جس کا خاتمہ مطلوب تھا اعراب کو سودی قرضہ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے خیبر میں بلکہ جزیرہ عرب کے تمام اطراف میں یہودیوں کی تجارت کا دارو مدار تھا —— یہود جہاں بھی ہوں سودی تجارت ان کیلئے لازم ملزوم ہے۔

جانبازوں کا دن کے وقت چھپنا

عبد اللہ بن عتیک اور ان کی جانباز پارٹی کے امکان میں تھا کہ وہ خیبر میں گھومیں پھریں بلکہ ان کے قلعوں میں داخل ہو کر وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ پوری آزادی سے کسی وقت بھی گفتگو کریں جیسے کہ دوسرے پڑوس اور غیر پڑوس میں رہنے والے اعراب کیا کرتے تھے جن سے یہود واقف یا ناواقف ہوتے تھے کیونکہ یہ ان کی بڑی منڈی تھی جس سے وہ اپنی غذائی ضروریات کی چیزیں مثلاً کھجوریں گندم حاصل کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عرب اسے حجاز کا زرعی علاقہ کہتے تھے، جس چیز نے ان پانچ جانبازوں کو خیبر میں گھومنے پھرنے سے روک کر دن کے وقت چھپنے اور رات کو مارچ کرنے پر مجبور کیا نیز کسی یہودی سے گفتگو کرنے اور اس کے ساتھ مل بیٹھنے سے روکا، وہ یہ تھی کہ بنی نضیر کے تمام یہودی مرد اور عورتیں جو خیبر کے باشندے بن گئے تھے ان پانچوں جانبازوں کو فرداً فرداً جانتے تھے یہاں تک کہ ان کی آوازوں کو بھی پہچانتے تھے کیونکہ وہ پیدائشی طور پر مدینہ میں ان کے ساتھ رہتے تھے اور بنی نضیر کے یہود کو مدینہ سے نکال کر خیبر میں آئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے، اگر خیبر کے یہود ان جانبازوں کو پہچان لیتے تو ان کی حقیقت کا پتہ چل جاتا۔ اور وہ انہیں پکڑ کر اسی وقت قتل کر دیتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں

کے ساتھ حالتِ جنگ میں خیال کرتے تھے اور یہود کو اُن پانچوں جانبازوں کے متعلق پتہ چل جاتا کہ یا تو یہ جاسوس ہیں یا یہ کسی یہودی سردار کے قتل کے لیے آئے ہیں۔

عبری زبان

بعض شدید مشکلات کے طے کرنے میں ایک بات نے جانباز پارٹی کے قائد کی بہت مدد کی وہ یہ کہ وہ عبری زبان کو اہل زبان کی طرح بہت اچھی طرح بولتا تھا (جو ان کی دینی زبان تھی) اور یہ زبان، عربی زبان کے ساتھ ساتھ جزیرہ کے یہود کے سوادِ اعظم کی ثانوی زبان تھی یہود کا سوادِ اعظم عربی زبان کو عبری سے بہتر طور پر بولتا تھا، مگر عبری صرف علماء، زعماء اور قائدین ہی اچھی طرح بول سکتے تھے، عبری زبان نے عبداللہ بن عتیک کی مہم کو آسان بنانے میں عبری زبان میں ان سے گفتگو کرنے کی وجہ سے وہ اہم معلومات حاصل کر لیں، جن کے حصول پر ابورافع کے قتل کے منصوبے کا دار و مدار تھا۔

منصوبہ ـــــ اور اس کی تنفیذ

معلوم ہوتا ہے کہ معلومات کے حصول میں کئی دن لگے، اہم معلومات کے حصول کے بعد پانچوں فدائیوں نے مدینہ کی قیادت مجلیہ کے احکام کے مطابق، ابورافع کے قتل کے منصوبے کی تنفیذ کا کام شروع کر دیا۔ جمہور مورخین کے مطابق منصوبے کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ پانچوں جانباز، جس طریق پر اتفاق کریں اس کے مطابق رات کے وقت چھپ کر قلعہ میں داخل ہو جائیں۔

۲۔ قلعے میں داخل ہو جانے کے بعد وہ قلعے کے دروازے کی چابیوں پر قبضہ کر لیں، جن کے متعلق جانبازوں کے لیڈر کو پتہ تھا کہ وہ دروازوں کو قفل لگانے کے بعد کہاں رکھی جاتی ہیں۔

۳۔ اس کے بعد وہ چوپایوں کی جگہوں پر چھپ جائیں تاکہ رات کا اکثر حصہ گزر جائے اور لوگ اپنے گھروں میں ٹک جائیں اور پہرے دار سو جائیں — اور رافع کی مجلس سے وہ داستان گو بھی واپس آجائیں جو لیڈروں کو ہر رات داستانیں سنایا کرتے تھے۔

۴۔ رات کے دوسرے نصف حصے میں جانباز رات کی تاریکی میں ان راستوں اور ڈیوڑھیوں پر بڑی احتیاط اور حد درجہ بیدار مغزی سے مارچ کریں جو ابو رافع کے بیڈ روم میں جاتی ہیں۔

۵۔ ڈیوڑھیوں اور قلعے کے تمام دروازوں سے گزرنے کے بعد ان کو اندر سے خود بند کریں اور ان کی چابیاں اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔

۶۔ چونکہ سرکش سردار کے کمرہ کی طرف ان کا مارچ رات کے آخری حصہ میں ہوگا، جب سب پہرے دار سوئے ہوئے ہوں گے اس لیے ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ تمام کمروں کے دروازوں کو بڑی احتیاط کے ساتھ باہر سے بند کر دیں اور اس تمام کارروائی کے بعد جس کی تنفیذ محالات میں سے ہے، چابیوں کو اپنے ساتھ لے لیں، کیونکہ یہ ایک نہایت ہی مشکل مرحلہ تھا ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کو کسی وقت پتہ چل جائے کہ انہیں مسلمانوں کی طرف سے کوئی خطرہ درپیش ہے جن سے وہ جنگ کی حالت میں تھے۔

۷۔ ان تمام مشکل کارروائیوں کو بروئے کار لانے کے بعد جانباز اپنے مخفی اسلحہ کے ساتھ جو ان کے کپڑوں کے اندر تھا سرکش سردار ابو رافع کے کمرہ کی طرف جائیں، جسے جانباز پارٹی کا لیڈر تلاش کے دوران اچھی طرح پہچان چکا تھا یہ منصوبے کی تنفیذ کا آخری مرحلہ تھا یعنی سرکش ابو رافع کا قتل کرنا۔

۸۔ انہوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ وہ سرکش سردار کے کمرہ میں اس حال میں داخل ہوں کہ وہ اپنے بستر نیند پر ہو اور جانبازوں کے قائد کے سوا کسی جانباز کو بات کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا اُسے بوقت ضرورت بات کرنے کا حق ہوگا کیونکہ

وہ اکیلا ہی عبری زبان کو اچھی طرح بول سکتا تھا کیونکہ جب اس کا اور اس کی پارٹی کا راز کھل جائے تو اس طریق سے یہود کو اشتباہ میں ڈالنا اس کے لیے ممکن ہوگا۔

۹۔ جانبازوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ قلعہ کے کسی یہودی کو جوش نہ دلائیں اور سوائے دفاع نفس کے کسی کو قتل نہ کریں کیونکہ یہ باتیں ان کے منصوبہ کو بگاڑ دیں گی اور اس لیے بھی ان امور کی پابندی ضروری ہے کہ انہیں صرف ابورافع کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ابورافع کی بیوی کو قتل نہ کریں، منصوبہ کی تیاری کے دوران انہوں نے اس کی بیوی کو اس کے کمرہ میں موجود، اور دفاع کرنے والی یا شور مچانے والی تصور کر لیا تھا، اس کی بیوی کی موجودگی میں ان کے لیے صرف اتنا جائز تھا کہ وہ اُسے دھمکا دیں یا ابورافع پہ حملہ کرتے وقت ضرورت پڑنے پر اس کا منہ بند کر دیں، یہ اس منصوبہ کے خطوط تھے جنہیں جانبازوں نے ابورافع سے نجات حاصل کرنے کے لیے ترتیب دیا تھا۔

جانبازوں نے یہ جرأت مندانہ منصوبہ تیار کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ اس قلعہ کی چوٹی سے جس کے بالائی حصے میں ابورافع سوتا تھا ان کی واپسی کیونکر ممکن ہوگی اور ڈیوڑھیوں اور طویل راستوں سے ان کا گزر کیسے ہوگا جب کہ ان کی اطراف میں پتھر بکھرے پڑے تھے نیز ان کے وہاں پہ پہنچنے سے قبل ہی بقیہ یہود کو، سرکش سردار کے قتل کی اطلاع پہنچ جائے گی ——— بلاشبہ انہوں نے واپسی کے متعلق بالکل نہیں سوچا تھا کیونکہ ان کا مقصد قائد اعلیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرنا تھی، اور جب کام کی تعمیل ہو جاتی تو اس کام کے نتائج انہیں فکر مند نہ کر سکتے تھے۔

مؤرخین کا اختلاف

مؤرخین اور اصحاب الحدیث اس امر پہ متفق ہیں کہ پانچوں جانباز، بلستر بعید پہ

خیبر کے سرکش سردار کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو گئے ——— اس منصوبے کی تعمیل کی کیفیت میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے ——— کہ کس شخص نے ابو رافع کو قتل کیا؟ اکثر اصحاب مغازی و سیر جن کے سرخیل محمد بن اسحٰق ہیں، ان کا خیال ہے کہ پانچوں جانبازوں نے اپنے لیڈر عبداللہ بن عتیک سمیت اس یہودی سردار کو قتل کیا ہے۔ مگر جس شخص نے ابو رافع کو نیزہ مار کر ختم کیا وہ عبداللہ بن انیس تھا، امام بخاریؒ کے سوا باقی تمام اصحاب کتب صحاح ستہ ابن اسحٰق کی رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں، مگر امام بخاریؒ باوجود اس امر کے کہ وہ جانبازوں کے اپنی مہم میں کامیاب ہو جانے کے بارے میں اصحاب کتب ستہ اور اصحاب سیر سے اتفاق رکھتے ہیں، صرف دو باتوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔

۱۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو رافع کا قاتل جانبازوں کا قائد عبداللہ بن عتیک تھا نہ کہ عبداللہ بن انیس۔

۲۔ انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ بقیہ جانباز قلعے میں داخل نہیں ہوئے، ہم پہلے ابن اسحٰق کی روایت کو بیان کرتے ہیں جس پر جمہور قائم ہیں پھر ہم بخاریؒ کی روایت کو بیان کریں گے کیونکہ وہ واقعے کے اسلوب بیان میں بڑی دقیق اور بڑی مفصل ہے۔

ابن اسحٰق کی روایت

ابن اسحٰق سے، ابن ہشام کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پانچوں جانبازوں کا لیڈر انہیں ساتھ لے کر خیبر پہنچا تو ان کے ساتھ رات کے وقت ابو رافع کے گھر میں داخل ہو گیا لیکن وہ یہ بیان نہیں کرتا کہ یہ جانباز کس طرح داخل ہوئے، ہاں یہ بیان کرتا ہے کہ انھوں نے قلعے کے تمام گھروں کے دروازے بند کر دیئے اور ابو رافع قلعے کی چوٹی پر تھا اس مکان تک ایک نصب کی ہوئی سیڑھی کے ذریعہ پہنچا جا سکتا تھا وہ اسی پر چڑھ گئے اور اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے لگے اس کی عورت نے باہر آ کر پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا

ہم عرب ہیں اور غلہ لینا چاہتے ہیں اس نے کہا ہمارا دوست اندر لیٹا ہے پس وہ اس کے پاس چلے گئے، اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے اس خدشہ کے باعث کہ ان کے اور ابورافع کے درمیان مدافعت حائل نہ ہو جائے اپنے اور اس عورت پر دروازہ بند کر دیا۔ ابن اسحق نے اس واقعہ کے ایک راوی سے بیان کیا ہے کہ اس کی عورت نے ہماری تشہیر کے لیے بلند آواز سے پکارا، مگر ہم نے اپنی تلواروں کے ساتھ اُسے بستر پر جالیا۔ خدا کی قسم رات کی تاریکی میں ہمیں اس کا پتہ صرف اس کی سفیدی سے لگتا تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفید کپڑا پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ جب اس کی عورت نے ہمارے متعلق آواز دی تو ہم سے ایک آدمی تلوار اٹھانے لگتا پھر اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم یاد آجاتا جس میں آپ نے عورتوں کے قتل سے منع کیا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کو روک لیتا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اس عورت کو رات کے وقت قتل کر دیتے۔

راوی کہتا ہے، جب ہم نے اُسے تلواریں ماریں تو عبداللہ بن انیس نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر اور اس پر اپنا بوجھ ڈال کر اُسے اس کے پیٹ کے آرپار کر دیا اور وہ کہہ رہا تھا مجھے کافی ہے، راوی کہتا ہے پھر ہم باہر نکلے اور عبداللہ بن عتیک برا بے صبر آدمی تھا وہ سیڑھی سے گر پڑا اور اس کا ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ گیا اور ہم اسے اٹھا کر ایک نالے کے منہ پر لے آئے جس کا پانی باہر سے قلعے کے اندر جا رہا تھا اور اس میں داخل ہو گئے، راوی کہتا ہے کہ وہ آگ جلا کر ہر طرف ہماری تلاش میں دوڑ پڑے مگر جب مایوس ہو گئے تو واپس آکر انہوں نے اپنے سردار کو گھیر لیا جو ان کے درمیان مرا پڑا تھا، راوی کہتا ہے ہم نے کہا کہ ہم کس طرح معلوم کریں کہ خدا کا دشمن مر چکا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ میں جا کر دیکھتا ہوں وہ جا کر لوگوں میں داخل ہو گیا وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس کی عورت اور یہودی جوانوں کو اس کے ارد گرد کھڑے پایا، عورت کے ہاتھ میں ایک چراغ تھا وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی

تھی اور لوگوں کو بتا رہی تھی کہ خدا کی قسم میں نے ابن عتیک کی آواز کو سُنا ہے پھر خود ہی اپنے آپ کو جھٹلا کر کہنے لگی ابن عتیک اس علاقے میں کہاں ؟ پھر اس قسم کے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگی :-

یہود کے معبود کی قسم یہ مرگیا ہے ، اس بات سے زیادہ دلچسپ بات اور میں نے کوئی نہ سُنی ، پھر ہم اپنے ساتھی کو اُٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اللہ کے دشمن کے قتل کی اطلاع دی اور ہم نے اس کے قتل کے متعلق آپ کے پاس اختلاف کیا ، ہم میں سے ہر ایک اس کے قتل کا دعوے دار تھا ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی تلواریں لاؤ ، راوی کہتا ہے ہم آپ کے پاس تلواریں لائے آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا عبداللہ بن انیس کی تلوار نے اُسے مارا ہے اور میں اس میں کھانے کے اثرات دیکھ رہا ہوں۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانبازوں کو مدینہ کی طرف واپس آتے دیکھا تو فرمایا ، چہرے کامیاب ہوگئے ! انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ آپ کا چہرہ کامیاب ہوا ہے (یعنی آپ کامیاب ہوتے ہیں۔

بخاری کی روایت

بخاری کی روایت بڑی مفصل اور مرتب ہے اور وہ یہ ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابورافع کے باب میں بیان کیا ہے کہ جب جانباز خیبر پہنچے تو ان کے لیڈر عبداللہ بن عتیک نے انہیں جہاں کہیں وہ تھے ، ٹھہرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی تلاش کا کام شروع کیا جائے اس نے کہا اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ ، میں تلاش کے لیے جاتا ہوں ، ابن عتیک کہتا ہے میں نے قلعے میں داخل ہونے کے لیے چکر لگایا ، وہ بیان کرتا ہے کہ ان کا ایک گدھا گم

ہوگیا تو وہ ایک مشعل لے کر اس کی تلاش میں نکلے وہ کہتا ہے مجھے اپنے پہچانے جانے کے متعلق خوف پیدا ہوا، تو میں نے اپنا سر اور ٹانگیں ڈھانپ لیں گویا میں کوئی کام کر رہا ہوں ——— پھر دربان نے پکار کر کہا جو دروازے کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے وہ میرے دروازہ بند کرنے سے پہلے پہلے داخل ہو جائے اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اس نے ابن عتیک کو آواز دی۔ اے عبداللہ! (اس نے اُسے اس طرح پکارا جیسے کوئی انجانے شخص کو پکارتا ہو اور اُسے اہل قلعہ میں سے خیال کرتا ہو) اگر تو داخل ہونا چاہتا ہے تو داخل ہو جا کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں، ابن عتیک کہتا ہے میں قلعہ کے اندر داخل ہو گیا پھر جب لوگ داخل ہو گئے تو اس نے دروازہ بند کر دیا اور چابیاں ایک میخ کے ساتھ لٹکا دیں پس میں قلعے کے دروازے کے پاس گدھوں کے باندھنے کی جگہ پہ چھپ گیا، ابو رافع کو داستان گو داستانیں سنا رہے تھے اور وہ مجھ سے بہت بلندی پر تھا، انہوں نے رات کا کھانا بھی ابو رافع کے پاس کھایا اور رات کا ایک پہر گزرنے تک باتیں کرتے رہے پھر اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے، جب آوازیں خاموش ہو گئیں اور میں نے کوئی حرکت محسوس نہ کی تو میں نے اُٹھ کر چابیاں قابو کر لیں اور دروازے کو کھول دیا ——— ابن عتیک کہتا ہے میں نے دل میں کہا اگر لوگوں کو میرے متعلق پتہ چل گیا تو میں آرام سے نکل جاؤں گا، وہ بیان کرتا ہے کہ پھر میں نے ان کے گھروں کے دروازوں کا رُخ کیا اور باہر سے انہیں بند کر دیا اور جو دروازہ میں کھولتا جاتا اُسے اندر سے بند کرتا جاتا ——— میں نے دل میں کہا اگر لوگوں کو میرے بارے میں علم ہو گیا تو میں ان کے پہنچنے سے پہلے اُسے قتل کر دوں گا ——— آخر میں، میں اس کے پاس پہنچا وہ ایک تاریک مکان میں اپنے عیال کے درمیان سویا ہوا تھا، مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ مکان میں کس جگہ پہ پڑا ہے میں نے کہا، ابو رافع، اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ ابن عتیک کہتا ہے میں نہایت حیرانی کے عالم میں آواز کی جانب اُسے تلوار مارنے کے لیے بڑھا مگر مجھ سے

کچھ نہ بنا، وہ چلایا تو میں گھر سے نکل کر قریب ہی چھپ گیا، پھر میں اس کے پاس مدد کرنے والے کی طرح آیا میں نے اُسے عبری زبان میں کہا تجھے کیا ہوا ہے؟ اور میں نے اپنی آواز کو تبدیل کر لیا، اس نے جواب دیا، تیری ماں مرے، ایک آدمی نے میرے پاس آکر مجھے تلوار ماری ہے ——— ابن عتیک کہتا ہے پھر میں اسی طرح اس کی جانب دوسری بار تلوار مارنے کے لیے بڑھا مگر کچھ نہ بنا، وہ چلایا اور اس کے گھر والے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے ——— پھر میں آواز تبدیل کر کے مدد کرنے والے آدمی کی طرح پر آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ پشت کے بل لیٹا ہوا ہے، میں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ دی اور اس پر اوندھا ہو گیا یہاں تک کہ میں نے ہڈی کی آواز کو سنا تو مجھے پتہ چل گیا کہ میں نے اُسے قتل کر دیا ہے، ابن عتیک کا بیان ہے کہ پھر میں نے یکے بعد دیگرے دروازوں کو کھولا اور حیرانی سے باہر نکلا یہاں تک کہ میں اُترنے کے لیے سیڑھی کے پاس آ گیا، جہاں سے میں گر پڑا اور میری ٹانگ اُتر گئی، میں نے اُسے باندھ دیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس ایک ٹانگ پر چل کر آ گیا، میں نے انہیں کہا جا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دو، میں موت کی خبر سُننے تک یہیں رہوں گا، جب مُرغ نے اذان دی تو موت کی خبر دینے والے نے قلعے کی فصیلوں پر کھڑے ہو کر کہا میں اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کی خبر دیتا ہوں، میں اپنے ساتھیوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے قبل ہی آملا، اور آپ کو خوشخبری دی اور ساری بات سُنائی، آپؐ نے مجھے فرمایا اپنی ٹانگ کو لمبا کرو، میں نے ٹانگ لمبی کی تو آپؐ نے اس پر ہاتھ پھیرا، مجھے یوں محسوس ہوا گویا میری ٹانگ کو کبھی کوئی تکلیف ہی نہ تھی، امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بخاری کی دونوں روایتوں پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری ان اسالیب میں اصحاب کتب ستہ سے منفرد ہیں۔" پھر امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب نے کہا کہ وہ رسولِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ اس وقت منبر پہ تھے آپؐ نے فرمایا چہرے کامیاب ہوگئے، ابن عتیک نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کا چہرہ کامیاب ہوا ہے، حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس پہ حملہ کر کے اُسے مارا ہے، انہوں نے جواب دیا ہاں، آپ نے فرمایا مجھے اپنی تلوار دو، آپؐ نے تلوار کھینچ کر فرمایا بے شک تو نے اسے قتل کیا ہے کیونکہ تلوار کی دھار پہ اس کا کھانا لگا ہوا ہے۔

یہاں پہ کوئی تناقض نہیں

قاری کو سب سے پہلے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ جانبازوں کے واقعہ کے اسلوب بیان میں بخاری کی روایت اور ابن اسحٰق اور بقیہ اصحاب کتب ستہ کی روایات کے درمیان تناقض پایا جاتا ہے مگر تحقیق و تامل سے دیکھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تناقض نہیں بلکہ واقعہ کے اساسی اجزائے ترکیبیہ میں اتفاق پایا جاتا ہے، دونوں روایتوں کے درمیان جس چیز کو تباین خیال کیا جا سکتا ہے وہ بخاری کی یہ تصریح ہے کہ ابو رافع کا قاتل، جانبازوں کا قائد عبداللہ بن عتیک تھا اور ابن اسحاق اور بقیہ اصحاب کتب ستہ ابو رافع کے قاتل کا نام عبداللہ بن انیس بتاتے ہیں۔ اس اشکال کا حل اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہ راوی کا التباس ہو، اور اس نے سرکش سردار کے قاتل کا نام عبداللہ بن عتیک کی بجائے (جیسا کہ بخاری کے نزدیک ہے) عبداللہ بن انیس بتایا ہو (جیسا کہ ابن اسحٰق کے نزدیک ہے) خصوصاً اس لیے بھی کہ دونوں ناموں کے درمیان بہت تشابہ پایا جاتا ہے، ہم امام بخاری کی روایت کو خاص طور پہ اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں بیان ہوئی ہے اور باقی روایات کی اسانید قوت میں بخاری کی سند تک نہیں پہنچتیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عتیک نے اپنے جوانوں سے کہا میرے تلاش کرنے تک تم اپنی جگہ پہ ٹھہرے رہو، اس فقرہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس کارروائی میں ان کے اشتراک کی نفی کرتی ہو، یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تلاش و جستجو کے

بعد واپس آیا ہو اور انہیں ایک ذمہ دار لیڈر کی طرح ساتھ لے گیا ہو اور وہ ایک قائد کی زبان میں بات کر رہا ہو جس کی طرف ہر بات کا کرنا منسوب کیا جاتا ہے خواہ اس نے ہر بات نہ بھی کی ہو ـــــــ اسی طرح بخاری کی روایت میں بقیہ جانبازوں کے کردار کا ذکر نہ کرنا، ان کے اشتراک کی نفی نہیں کرتا، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے قائد کی پہرے داروں کی طرح حفاظت کی ہو اور اس نے ابورافع کا کام تمام کر دیا ہو، بخاری کی روایت میں ہے ابن عتیک کا جو قول آیا ہے کہ پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس ایک ٹانگ پر چلتا ہوا آیا، یہ بھی کارروائی میں ان کے اشتراک کی نفی نہیں کرتا اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں کہ وہ اس سے پہلے نکل آئے ہوں اور وہ ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ہو، عموماً لیڈر سب سے آخر میں آیا کرتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں روایتوں کے درمیان کوئی قابل ذکر تناقض و تباین نہیں پایا جاتا جیسا کہ بعض ذہنوں میں یہ بات آئی ہے۔

حملہ

سلامؔ بن ابی الحقیق کے قتل میں جانبازوں کی کامیابی کے بعد خیبر کے یہود کو یقینی طور پر پتہ چل گیا کہ مسلمان جانبازوں نے اس کا کام تمام کیا ہے خصوصاً اس کی بیوی کی اس وضاحت کے بعد کہ اس نے عبداللہ بن عتیک کی آواز سنی ہے۔

یہود نے جانبازوں کی گرفتاری اور انہیں قتل کرنے کے لیے بڑی تگ و دو کی، ان میں سے تین ہزار آدمی طلوع فجر سے قبل ان کی تلاش میں نکل پڑے مگر بے سود، باوجودیکہ یہود تلاش و جستجو کی کارروائیوں میں بے حد تیز تھے اور باوجود اس کے کہ ان کی فوجیں تلاش میں لگی ہوئی تھیں مگر جانباز ابھی تک خیبر ہی میں تھے مگر یہ فوجیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی مطلع نہ ہو سکیں۔
ابن سعد ان پانچ جانبازوں پر یہود کے حملے کے متعلق بیان کرتا ہوا لکھتا

ہے کہ :-

اس کی عورت چلائی تو تمام قلعہ والے چلا اُٹھے اور یہ پانچوں آدمی خیبر کے کسی نالے میں چھپ گئے اور حارث ابوزینب[1] تین ہزار جوانوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں مشعلیں لے کر ان کی تلاش میں نکلا مگر یہ انہیں نظر نہ آئے اور وہ واپس لوٹ گئے اور جانباز اپنی جگہ یہ دو دن تک ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ تلاش کا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا پھر یہ وہاں سے نکل کر مدینہ آ گئے۔

(۱۹)

خیبر میں یہود کے دوسرے بادشاہ اُسیر بن زارم کا قتل ـــــ شوال ۶ھ

ماہ رمضان ۶ھ میں جانبازوں کے ہاتھوں خیبر کے دوسرے بادشاہ ابورافع کے قتل ہو جانے کے بعد یہود نے اسیر بن زارم کو ابورافع کا جانشین بنایا، اُسیر نے ابورافع کی طرح مدینہ میں مسلمانوں پر جدید احزاب کے ساتھ حملہ کرنے کی مسلسل سعی کی، بادشاہ مقرر ہونے کے بعد اس نے خیبر میں یہود کے سرداروں کو جمع کر کے بتایا کہ اس کے پاس مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک ایسا منصوبہ ہے، جس کی طرف خیبر کے کسی بادشاہ نے سبقت نہیں کی، اس نے خیبر میں یہود کے سرداروں کو جمع کر کے بتایا کہ اس کے پاس مسلمانوں سے جنگ کرنے

---

[1] حارث ابوزینب، یہود کا مشہور بہادر شہسوار تھا، یہ ان شہسواروں میں سے ایک تھا جو مرحب کے قلعے کے سامنے مارے گئے تھے۔

کے لیے ایک ایسا منصوبہ ہے جس کی طرف خیبر کے کسی بادشاہ نے سبقت نہیں کی، اس نے خیبر میں یہود کے لیڈروں سے کہا، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ وہ کچھ کرنے والا ہوں جو میرے اصحاب نے نہیں کیا، انہوں نے پوچھا تو کیا کرے گا، اس نے جواب دیا، میں خود غطفان میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کے لیے انہیں اکٹھا کروں گا تو انہوں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تو نے بہت اچھا منصوبہ سوچا ہے اور عملاً وہ (اسیر بن زارم) مسلمانوں کے خلاف اپنے دشمنانہ منصوبے کی تنفیذ کے لیے خیبر کو چھوڑ کر نجدی قبائل کے علاقوں میں گیا (غطفان اور دیگر قبائل کی طرف جو مدینہ کے ارد گرد رہتے تھے) اور بت پرست قبائل کی خیمہ گاہوں اور بدوؤں کے باڑوں میں جا کر انہیں رسولِ کریم سے جنگ کرنے کے لیے برانگیختہ کرے اور انہیں مدینہ کے ساتھ جنگ کی خاطر جمع کرنے لگا اور اپنے اسلاف حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق کی طرح بت پرست قبائل کے لیڈروں کو مالی رشوت دینے لگا تاکہ وہ اس کے لیے جوانوں کی بہت بڑی تعداد کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جمع کر دیں ——— جیسا کہ حیی بن اخطب اور باقی خیبر کے لیڈروں نے اعراب نجد اور قبائل حجاز کے درمیان گھوم پھر کر کوشش کی تھی اور جرار لشکروں کو جمع کر کے ماہ شوال ۵ھ میں لے آئے تھے اور نہایت بری طرح شکست کھائی تھی جیسا کہ ہماری کتاب غزوہ احزاب میں مفصل بیان ہوا ہے جو اسلام کے فیصلہ کن معرکوں کے سلسلہ کی تیسری کتاب ہے۔

نبوی انٹیلی جنس خیبر میں

مدینہ بھی یہود کے ان گھناؤنے اقدامات سے غافل نہ تھا جو وہ مسلمانوں کے خلاف کر رہے تھے غزوہ احزاب میں یہود نے جو خائنانہ کاروائیاں کیں ان کی وجہ سے خیبر کے علاقہ میں یہودی قیادت جو حرکات و سکنات کرتی، مسلمان

ہمیشہ ان سے چوکس اور خبردار رہتے ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے جاسوسوں کے ذریعہ یہود کے اس دشمنانہ منصوبے کی اطلاع ملی جسے خیبر کا نیا بادشاہ اسیر بن زارم مسلمانوں کے خلاف نافذ کرنے کی تیاری کر رہا تھا ، یہ بات ہی اس خطرناک یہودی آمر کے قتل کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیار کرنے کے لیے کافی تھی ــــ مگر آپ نے ان خبروں کے متعلق کسی قسم کا اقدام کرنے سے قبل الیقین و وثوق حاصل کرنا ، زیادہ مناسب خیال کیا جیسا کہ آپؐ کی عادت تھی کہ آپ اپنے کانوں تک پہنچنے والی ہر خبر کی تسلی کے ساتھ تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے ۔

عبداللہؓ بن رواحہ خیبر میں

آپ نے اپنے تین اصحاب کو بلا کر عبداللہ بن رواحہ کو ان کا لیڈر بنایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ خیبر میں جا کر اسیر بن زارم کے اس عزم کے متعلق تحقیق کرے جو وہ اعراب کو اکٹھا کر کے آپ سے مدینہ میں جنگ کرنے کے لیے کیے ہوئے تھا ۔ عبداللہ بن رواحہ کو ان کا لیڈر بنایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ خیبر میں جا کر اُسیر بن زارم کے اس عزم کے متعلق تحقیق کرے وہ اعراب کو اکٹھا کر کے آپؐ سے مدینہ میں جنگ کرنے کے لیے کیے ہوئے ہے ، عبداللہ بن رواحہ آپؐ کے حکم کے مطابق اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بھیس بدل کر خیبر چلا گیا تحقیق کے بعد انہیں پتہ چلا کہ جو خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ہے وہ درست ہے ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شریر یہودی کے خطرہ کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن کارروائی کو ضروری خیال کیا تاکہ مدینہ کو دوسرے غزوہ احزاب سے دوچار نہ ہونا پڑے جس کے اہوال سے مسلمانوں کا نجات پانا دشوار ہوگا ، اس کام کے لیے آپ نے اپنے تیس اصحاب کو بلایا اور ان کی قیادت عبداللہ بن رواحہ کو عطا کی ، اور اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے جوانوں کے ساتھ خیبر کو جائے اور سب

سے پہلے اسیر بن زارم سے رابطہ قائم کرے اور اُسے فوجوں کے جمع کرنے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے نظریہ سے ہٹا کر اسلامتی کے راستوں کو اختیار کرنے پر رضامند کرے نیز اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاکرات کرنے اور صلح کرنے پر مائل کرے، اس سال کے ماہِ شوال کے آغاز میں عبداللہ بن رواحہ تیس سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف گئے جب یہ خیبر کے اطراف میں پہنچے تو عبداللہ بن رواحہ نے، وہاں کے بادشاہ اسیر کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سے گفتگو کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے لیے اور اپنے جوانوں کے لیے امان اور خیبر میں داخل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں (ہم جس کام کے لیے آئے ہیں اس کے پیش کرنے تک ہم امان چاہتے ہیں) اُسیر نے ان کے مطالبہ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا میں بھی تم سے یہی کچھ چاہتا ہوں انہوں نے جواب دیا بہت اچھا، جب فریقین کو ایک دوسرے کی امان پر یقین ہو گیا تو عبداللہ بن رواحہ اپنے جوانوں کے ساتھ خیبر میں داخل ہو گئے اور اس کے بادشاہ سے ملاقات کر کے اُسے کہا کہ وہ اس کے پاس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زبانی پیغام لائے ہیں جس میں یہود کے بادشاہ کو مدینہ میں جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ملنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ فریقین کے درمیان جنگ کی حالت کا خاتمہ اس شرط پر ہو جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے خیبر کا امیر برقرار رہنے دیں گے —— ابن رواحہ نے اُسے کہا اے اُسیر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ حضور علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے ملاقات کریں اور وہ آپ کو خیبر کا عامل بنا دیں گے اور تجھ سے حسن سلوک کریں گے۔

شاہِ خیبر کا مدینہ کی طرف جانا

اس دعوت کے پیش کرنے پر خیبر کے بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

نمائندہ سے بقیہ زعمائے خیبر سے مشورہ کرنے کے لیے مہلت مانگی ، پھر اس نے بقیہ سماد سے ملاقات کر کے انہیں دعوتِ نبوی کے مفہوم سے آگاہ کیا جس میں اُسے مدینہ آنے کو کہا گیا تھا ، اس نے ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اُسے کہا کہ وہ اس دعوت کو قبول نہ کرے اور نہ مدینہ جائے ، انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بنی اسرائیل کے کسی آدمی کو عامل مقرر نہیں کریں گے ، لیکن اسیر نے ان کی رائے کی مخالفت کی اور مدینہ جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے مطابق ان سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنگ کو زچ کر دیا ہے اُسیر چونکہ بادشاہ تھا اس لیے باقی زعمائے خیبر اس کے فیصلہ پہ معترض نہ ہوئے پس وہ اپنے تیس مخلص ساتھیوں کے ساتھ عبداللہ بن رواحہ اور اس کے جوانوں کی مرافقت میں چل پڑا ، عبداللہ بن رواحہ کے ہر جوان نے اپنے پیچھے اُسیر بن زارم کا ایک ایک آدمی بٹھا لیا ، خیبر کا سردار (اُسیر) عبداللہ بن انیس کا ردیف تھا اور بہت دلیر آدمی تھا۔

شاہِ خیبر کیسے قتل ہوا ؟

عبداللہ بن رواحہ اور اس کے ساتھی بادشاہِ خیبر اُسیر بن زارم کے پاس حضور علیہ السلام کا پیغام پہنچانے کے ذمہ دار تھے اور شاہِ خیبر اور اس کے ساتھیوں کو امان دینے میں صادق و راست باز تھے۔ ان یہودیوں کے قتل کے متعلق ، راستے میں انہیں کسی خیال نے برانگیختہ نہیں کیا کیونکہ خیانت ایک بڑا جرم ہے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے ، خصوصاً اس شخص کے ساتھ جسے عہد یا امان دی گئی ہو۔

خیانت کرنے کی کوشش میں قتل ہونا

خیانت کی عادت یہود کی فطرت میں رچی بسی بات ہے جس نے عبداللہ

بن رواحہ اور اس کے ساتھیوں کو ہمیشہ چوکس رکھا، یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کے ساتھیوں نے ابن زارم کے آدمیوں کو اپنے پیچھے بٹھایا، اسی اثناء میں کہ وہ مدینہ کی جانب جا رہے تھے، یہود نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کی کوشش کی، اُسیر بن زارم نے عبداللہ بن انیس کو قتل کرنے کے لیے اس کی تلوار پہ ہاتھ ڈالا مگر انیس اس سے بھی زیادہ تیز تھا اس نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے قتل کر دیا پھر بقیہ قافلے میں جنگ ٹھن گئی جس میں مسلمانوں نے ابن زارم اور اس کی جماعت کو سوائے ایک آدمی کے جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، قتل کر دیا۔

فصل دوم

- جزیرہ عرب میں اسلام کی جڑوں کا مضبوط ہونا
  مسلمانوں کی دفاعی قوت۔
- چھ سال کی محرومی کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کو زیارت کعبہ کے لیے بھیجنا۔
- مومنین کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو قبول کرنا اور منافقین اور اعراب کا پیچھے رہنا۔
- سفر کا پُرخطر ہونا
- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کو رواجی طور پر اطلاع دینا کہ وہ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔
- قریش کا غضب ناک ہونا اور مسلمانوں کو اسلحہ کی قوت سے بیت اللہ سے روکنے کا فیصلہ کرنا۔
- مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کرنا۔
- مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے آٹھ ہزار جانبازوں کا نکلنا۔
- قریش کے ظالمانہ فیصلہ کے خلاف، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

اعلانِ افسوس کرنا۔

- خالد بن ولید کا اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنا۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیبیہ کی جانب راستہ بدلنا تاکہ خالد کے سواروں کے ساتھ تصادم نہ ہو۔
- حرم سے باہر صلح کے انتظار میں حدیبیہ کے مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑاؤ کرنا۔
- حرم کو خونریزی سے بچانے والے کسی بھی قریشی منصوبہ کو قبول کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار ہونا۔
- حدیبیہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تین پیشکشوں کو قریش کا ٹھکرا دینا۔
- کٹھن مشکل کو حل کرنے میں تین نمائندوں کا ناکام ہونا۔
- قریش کے پڑاؤ میں خطرناک پھوٹ پڑنا۔
- احابیش کے سردار اور قریش کے عظیم حلیف کا مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کی اجازت نہ دینے پر تنقید کرنا اور معاہدہ کو ختم کرنے کی دھمکی دینا۔
- مسلمانوں کو روکنے پر احتجاج کرتے ہوئے مسعود ثقفی کا اپنے قریشی حلیفوں کے پڑاؤ کو چھوڑ دینا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل دس سال تک مکہ میں اپنی قوم کو مصالحانہ طریقوں سے دعوت دیتے رہے اس عرصہ میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو قریش کی جانب سے انواع و اقسام کی تکالیف دی گئیں، خوف زدہ کیا گیا نیز قریش اذیت دینے میں اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے کمزور مسلمانوں کو وحشیانہ عذاب دینے شروع کر دیے، جن کی وجہ سے بعض لوگ محض اس وجہ سے سخت عذابوں تلے آکر جانیں گنوا بیٹھے کہ انہوں نے بُت پرستی کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کر لیا تھا اور اس دین کی اور اس دین کے حامل کی دعوت کی اتباع کی تھی، بلکہ قریش اپنے ظلم و زیادتی میں بڑھتے بڑھتے عناد

وسرکشی تک پہنچ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا یہ دعوتِ توحید کے آغاز سے تیرھویں سال کے آخر کی بات ہے سرداران قریش اور ان کے قبائل کے نائبین نے بالاتفاق اپنی بت پرست پارلیمنٹ میں، مکہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ اس خیال کے پیشِ نظر بنایا کہ مکہ کے اندر اور باہر دعوتِ توحید مومنین کے دلوں میں مضبوطی سے قائم ہو گئی ہے اور وہ ان کے مرنے سے آپ اپنی موت مر جائے گی مگر اللہ تعالے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطرناک سازش سے محفوظ رکھا اور جس رات مشرکین نے اس سازش کی تنفید کرنے پر اتفاق کیا تھا اس رات آپ اپنے ساتھی صدیق اکبر کے ساتھ مکہ کو چھوڑنے میں کامیاب ہو گئے، آپ کے مکہ کو خیرباد کہنے سے قبل اور بعد آپ کے اصحاب کی غالب اکثریت مدینہ میں اکٹھی ہو گئی، قریش کو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ چھوڑنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ اس بات سے بہت خائف تھے اسی لیے انہوں نے اپنی پارلیمنٹ میں آپ کے قتل کا فیصلہ کیا، کیونکہ آپ کے صحیح وسالم مدینہ پہنچ جانے کا مفہوم وہاں پر ایک نئی امت کا قیام تھا جس کی قیادت وہ شخص کر رہا تھا جو بت پرستی کے ہیڈ کوارٹر مکہ کے اندر اور باہر بتوں کے وجود کو ختم کرنے کے لیے مشرکوں کی تلواروں سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن اب قریش کیا کر سکتے تھے جس بات کا انہیں خدشہ تھا وہ ہو چکی تھی، کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ چکے تھے بعد وہاں پر آپ کا بڑا استقبال ہوا جسے مدینہ کی تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔

ناکام جنگیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد قریش کو نیند اور سکون نہیں آیا خصوصاً اس لیے کہ مدینہ اسلامی حکومت کا پہلا پایہ تخت بن گیا اور جس کے جھنڈے تلے یثرب کے باشندوں

کی اکثریت سمٹ آئی، مشرکین مکہ کے دلوں میں اس شریر خواہش کی آگ بھڑکی اور نہایت بری طرح ان پر مسلط ہوچکی تھی (بلکہ جنون کی حد تک) کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ روش کے مطابق چلتے رہیں اور مکہ کی پارلیمنٹ نے جو سب سے پہلا ظالمانہ فیصلہ کیا وہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنا جنگی دشمن سمجھتے ہیں اور جہاں وہ ملیں ان کا قتل کر دینا واجب ہے۔ نیز مشرکین نے ایک اور ظالمانہ فیصلہ کیا کہ وہ (دیگر عربوں کو چھوڑ کر) مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کرتے ہیں اس ظالمانہ فیصلے کی تنفیذ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مدینہ میں چھ سال تک حرم میں داخل ہونے سے محروم رہے انہیں اس بیت اللہ کا طواف بھی ممنوع تھا جس کی زیارت کے شوق میں وہ جل رہے تھے اور قریش نے صرف اس بات پہ ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسلام اور اس کے آثار کو نیست و نابود کرنے کی خواہش کے پیش نظر انہوں نے مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ہر وہ طریق اختیار کیا جس کو وہ اختیار کرنے کی سکت رکھتے تھے ——— انہوں نے آپ کے قتل کے لیے کئی منصوبے بنائے مگر تمام منصوبے ناکام ہو گئے جیسا کہ اس کتاب میں کسی اور جگہ مفصل طور پہ بیان کیا گیا ہے اور ہماری ان چار سابقہ کتب میں بھی جو (اسلام کے فیصلہ کن معرکوں) کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں۔

ہمہ گیر جنگ

مشرکین مکہ کے دلوں میں حد سے بڑھے ہوئے کینے کی جو آگ بھڑک رہی تھی، اس نے انہیں ہمہ گیر اور منظم جنگیں برپا کرنے پہ آمادہ کیا تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دعوت توحید کی لہر کو ختم کر دیں اور مسلمانوں کا کانٹا نکال دیں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف متعدد سخت فوجی حملے کیے اور بعض حملے تو مدینہ کی فصیلوں تک پہنچ گئے قریب تھا کہ مدینہ عملی طور پہ مشرکوں کے قبضہ میں

آجائے اور شاید ان خطرناک اور ظالمانہ حملوں میں سے یہ تین حملے سب سے بڑے تھے۔

۱- حملہ بدر سنہ ۲ھ

۲- حملہ اُحد سنہ ۳ھ

۳- حملہ احزاب سنہ ۵ھ

مگر قریش (زبردست مادی قوت کے باوجود) ان تینوں فوجی حملوں میں ناکام ہوگئے۔

پہلے حملہ (یعنی جنگ بدر میں) اسلامی فوج نے (تاریخ میں پہلی بار) انہیں نہایت بڑی طرح شکست دی اور ان کی فوجی شہرت خاک میں مل گئی جب یہ (ظالمانہ طور پر) مسلمانوں کا کانٹا نکالنے کے لیے آئے تھے ـــ اس معرکہ میں ان کے ستر سردار اور لیڈر مارے گئے اور ستر کو مسلمانوں نے قیدی بنا لیا اور باقی شکست کھا کر بھاگ گئے جنہیں شکست نے تہامہ کی وادیوں اور گڑھوں میں یوں منتشر کر دیا جیسے آندھی خشک پتوں کو بکھیر دیتی ہے دوسرا حملہ (جنگ اُحد) قریش نے مدینہ کے مضافات میں آ کر کیا مگر باوجود مکمل تیاری اور منظم حاضری کے یہ تاریخی حملہ بھی ان کے مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا، اس معرکہ میں مسلمانوں کے ستر آدمیوں نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے مقابل قریش کا حاصل یہ تھا کہ ان کے چھبیس ۲۶ آدمی مارے گئے تھے۔

تیسرا حملہ (جنگ احزاب) عہد نبوی کی تاریخ میں مسلمانوں پر سب سے بڑا حملہ خیال کیا جاتا ہے یہ قریش کی اُمیدوں کے ترکش کا آخری تیر تھا جو اسلامی مفادات کی ٹھوس چٹان سے لگ کر ٹوٹ پھوٹ گیا یہ مسلمانوں کی تاریخ میں قریش کا سب سے بڑا اور آخری حملہ تھا، اس حملہ میں پورے ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کرنے کے بعد نجدیوں اور ان کے حلیفوں کو رسوا کن شکست سے دوچار ہونا پڑا اور قریش اپنے حلیفوں کے ساتھ بغیر کسی مقصد کو حاصل کیے جن کی خاطر

انھوں نے یہ خوف ناک فوجیں جمع کی تھیں، واپس لوٹ آئے، ہاں قائدین احزاب نے بنی قریظہ کو مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے اور باہمی معاہدہ کے توڑ دینے پر اُکسا کر انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہونے کے لیے سامنے کر دیا۔

اِسلام کی جڑوں کی مضبوطی

ان بڑے بڑے فوجی حملوں (خصوصًا حملۂ احزاب) کے پیچھے قریش کا یہ مقصد کارفرما تھا کہ مسلمانوں کی ہستی کو مٹا دیا جائے اور اسلام کی جڑوں کو آخری حد تک اکھاڑ دیا جائے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا (خصوصًا غزوہ احزاب میں قریش اور ان کے حلیفوں کی شکست کے بعد)

اس رسوا کن شکست کے بعد قریش کی لمبی چوڑی اُمیدوں کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسلامی حکومت کی بنیادیں زیادہ مضبوط ہو گئیں اور اسلام کی جڑیں اور اس کے سائے اس خوف ناک سرعت کے ساتھ جزیرہ میں پھیلنے لگے کہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور مسلمان (احزاب کی ناکامی اور بنی قریظہ کے یہودی غداروں پر عذاب کا کوڑا برسانے کے بعد) ایک زبردست قوت بن گئے جس سے اسلام کے تمام دشمن ڈرتے تھے لیکن اُسے کسی کا خوف نہ تھا، خصوصًا وہ عناصر جو مغربی بُت پرستی سے تعلق رکھتے تھے۔

صرف خیبر کے یہود

صرف خیبر کے علاقہ میں یہود کی ایک قوت موجود تھی، جو مدینہ کے شمال مشرق میں اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کا مسلمان جائزہ لیتے رہتے تھے، خیبر میں یہود کے دس ہزار لڑنے کے قریب جانباز موجود تھے جو مسلمانوں پر گردشِ روزگار کے منتظر تھے اور ان پر گردشیں لانے کے لیے تمام وسائل سے جدوجہد کرتے تھے (تاکہ انہیں ختم کیا جائے) مگر مسلمانوں نے (حدیبیہ سے قبل) انہیں ایسے سبق دیے

جنہوں نے انہیں احساس دلا دیا کہ اب مسلمانوں کی قوت کو زیر نہیں کیا جا سکتا خصوصاً اس وقت کے بعد جب خود خیبر کے اندر مسلمان جانبازوں نے اس کے دو بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا اور وہ دو بادشاہ یہ تھے ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اور اُسیر بن زارم، اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ان بادشاہوں کا مسلمان جانبازوں نے کیسے خاتمہ کیا جس کے باعث یہود کی پوزیشن اور عزت اور اپنے آپ کو ایک طاقت خیال کرنے کا گھمنڈ ٹوٹ گیا حالانکہ عملاً وہ عددی لحاظ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک زبردست قوت تھے کیونکہ مدینہ میں مسلمانوں کی قوت زیادہ سے زیادہ اندازے کے مطابق دو ہزار جانبازوں سے زیادہ نہ تھی اور کم از کم اندازے کے مطابق خیبر میں یہود کی قوت دس ہزار جانبازوں سے کم نہ تھی، اس کے باوجود وہ خوف زدہ تھے اور جانبازوں کے ہاتھوں دو بادشاہوں کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے دلوں پر رُعب چھا گیا تھا اور ان کے اذہان سے مدینہ سے جنگ کرنے کا خیال مٹ گیا تھا جس کے خواب انہیں آیا کرتے تھے ——— اور اب ان کو ان قلعوں کے اندر ہی اپنی جانوں کے دفاع کا فکر دامن گیر تھا جن کے متعلق انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب مسلمان حالات کے سازگار ہوتے ہی اور موقع ملتے ہی ان پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ کریں گے۔

عمرہ کے لیے جانا

معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کو بھی اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ یہود ان سے خوف کھاتے ہیں اور گرتی ہوئی پوزیشن کے پیش نظر ان کا خیبر سے چل کر مدینہ سے جنگ کرنا محال نظر آتا تھا خواہ مسلمانوں کے اکثر جانباز اُسے چھوڑ کر کسی طرف چلے گئے ہوں، اس کے بعد مسلمان ایک ممتاز عسکری مرکز بن گئے اور احزاب کی زبردست فوجوں پر فتح حاصل کرنے اور بنی قریظہ کے غدار یہودیوں

کا صفایا کرنے کے بعد یثرب کے تمام علاقے اور اس کے پڑوس کے علاقوں پر ان کا رعب چھا گیا، خیبر کے یہودیوں پر رعب ڈالنے کے بعد مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کریں ــــ جس کی زیارت سے وہ مشرکین مکہ کی سرکشی کی وجہ سے پانچ سالوں سے محروم تھے، جنہیں اس مدت میں وہاں یہ حکومت اور قوت حاصل تھی، ہزاروں سال سے عربوں کے درمیان یہ غیر مکتوب قانون چلا آرہا تھا کہ بیت اللہ کی زیارت وطواف کا حق تمام عربوں کو حاصل ہے خواہ ان کی آراء اور عبادت کے طریق مختلف ہوں ــــ قریش جو بیت اللہ کے خادم اور حرم میں امن کے ذمہ دار ہیں، ان کے لیے حرم میں داخل ہونے والے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے والے اور بقیہ مشاعر کے ادا کرنے والے کسی انسان کی راہ میں حائل ہونا جائز نہیں جن کی عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے زیارت کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن قریش (جو مکہ میں حکمران تھے) نے خاص طور پر مسلمانوں کو بیت اللہ اور مشاعر کی زیارت سے روک کر اور حرم کے اندر تلبیہ کہتے ہوئے ان کی خونریزی کو مباح قرار دے کر بڑی سرکشی اور زیادتی کی تھی، پانچ سال کے عرصہ تک مسلمانوں نے مکہ جانے سے رُک کر بڑا صبر کیا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ عسکری لحاظ سے اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ طواف بیت اللہ اور مکہ میں داخل ہونے کے اپنے قانونی حق کو حاصل کر سکیں جسے قریش نے قوت کے بل بوتے پر روک رکھا تھا، لیکن اب وہ مکہ میں زبردستی داخل ہو کر بھی اس حق کو حاصل کرنے کی قدرت رکھتے تھے اور ان کے لیے عمرہ کی ادائیگی کے لیے جس سے وہ پانچ سال سے محروم تھے مکہ کی طرف جانا ضروری ہو گیا تھا، اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہروں اور دیہات میں اعلان کر دیا کہ آپؐ نے مکہ جانے کا فیصلہ کیا ہے نیز آپؐ نے وضاحت سے اعلان کیا کہ آپؐ مکہ میں جنگ کرتے ہوئے داخل نہیں ہوں گے بلکہ مصالحانہ طور پر عمرہ کریں گے ــــ اور آپؐ نے قریش

کی طرف بھی یہ پیغام بھیج دیا تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ آپ لڑنے کے لیے آئے ہیں۔

ہنگامی تیاری

لیکن آپ نے صلح کی نیت اور اس سفر میں صرف قربانیوں کے جانور ساتھ لے جانے کے باوجود یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھی کہ قریش آپ سے جنگ بھی کریں گے اور آپ کو بیت اللہ سے بزور قوت روکیں گے، پس آپ نے اس احتمال سے، جس کا حدوث مستبعد امر نہ تھا، محتاط رہنے کا فیصلہ کیا نیز قریش نے عملاً ایسا کیا بھی، پس اس پُرخطر سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ مصاحبت اختیار کرنے کے لیے دیہات اور شہر کے مسلمان تیار ہو گئے — کیونکہ آپؐ کے اور قریش کے درمیان (جو آپ کے بڑے دشمن تھے) کوئی معاہدہ یا صلح نہ تھی بلکہ فریقین کے درمیان اعلانیہ جنگی حالت تھی۔

منافقین کا تخلف

اس دور میں اگرچہ دیہات اور شہروں میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والوں کی بڑی کثرت تھی مگر پھر بھی اس سفر میں صرف مخلص اور مومن صحابہ ہی نے آپ کا ساتھ دیا، مدینہ کے منافقین اور کمزور ایمان بدو جو اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا، انھوں نے اس تاریخی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عدم مرافقت کا فیصلہ کیا، کیونکہ ان کے بیمار دلوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ مشرکین مکہ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے، اس کا مفہوم یہ تھا کہ مسلمانوں اور ان کے نبی کو اپنے علاقے سے بہت دور مجبوراً ایک سخت جنگ سے پالا پڑے گا، اس لحاظ سے یہ سفر نہایت پُرخطر تھا، اور منافقوں کے پاس ایمان کا کوئی سرمایہ نہ تھا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی راہ میں ان خطرات کو ہیچ سمجھتے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایمانی قافلہ سے کئی قسم کے جھوٹے عذر کر کے پیچھے رہ گئے کہ انہیں اپنے اہل اور مال میں بہت مشغولیت

ہے اس لیے وہ اس سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار نہیں کر سکتے اس تخلف کا اصل باعث وہی بات تھی جو ان کے کمزور دلوں میں رچ بس گئی تھی کہ مسلمانوں کو قریش کے ساتھ ایک سخت جنگ لڑنی پڑے گی اور وہ صحیح وسلامت مدینہ کی جانب واپس نہیں آئیں گے بلکہ وہ آپس میں سرگوشیاں کر کے کہتے تھے (کیا ہم ان لوگوں کی طرف جائیں جنہوں نے مدینہ میں آپؐ سے آپؐ کے گھر کے صحن میں آکر جنگ کی ہے اور آپؐ کے صحابہ کو قتل کیا ہے) لیکن انہوں نے بظاہر یہ بہانہ بنا لیا کہ انہیں اہل اور مال کی بہت مشغولیت ہے۔

قرآن کریم منافقوں کی برائی بیان کرتا ہے

مگر قرآن کریم نے ان کمزور دل لوگوں کی فضیحت کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمام لوگوں پر ان کی حقیقت کو واضح کر دیا فرماتا ہے سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا واھلونا فاستغفر لنا یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم، قل فمن یملک لکم من اللہ شیئاً ان اراد بکم ضراً ، او اراد بکم نفعاً بل کان اللہ بما تعملون خبیراً ۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے اعتقاد کو کہ مسلمان تمام کے تمام اس سفر میں تباہ وبرباد ہو جائیں گے ، واضح کرتے ہوئے فرمایا بل ظننتم ان لم لن ینقلب الرسول والمومنون الی اھلیھم ابداً وزین ذلک فی قلوبکم وظننتم ظن السوء وکنتم قوماً بوراً

منتخب گروہ

یہ شکست خوردہ پارٹی جو منافقین کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھی اس نے کمزور دل لوگوں کے عزائم کو توڑنا شروع کر دیا تاکہ وہ اس پُر امن تاریخی سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت سے باز رہیں —— مگر اس شکست خوردہ پارٹی کا اصحاب پر

کے اس منتخب گروہ کے عزائم پر کوئی اثر نہ تھا، جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنتے ہی خوشی کے ساتھ آپ کے قافلہ میں شامل ہونے کے لیے لبیک کہنے میں ایک دوسرے سے سبقت کی تھی اور منافقین اس سفر میں قریش کے جن عظیم خطرات سے ڈرتے تھے کہ یہ سفر قریش اور ان کے بڑے بڑے بت پرستوں کے لیے ہر قسم کا چیلنج اپنے اندر رکھتا ہے اور قریش کے خطرات اس سفر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں انہیں ایک ہیچ بات خیال کیا، یہ منتخب گروہ اس امر پر پختہ یقین رکھتا تھا کہ اس کی دنیاوی سعادت اور اخروی فلاح صرف اور صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی اطاعت میں ہے جو ہمیشہ بھلائی کی دعوت دیتے ہیں، پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گردوپیش میں مکہ جانے کے لیے چودہ سو انصار و مہاجرین تیار ہو گئے، سفر کی تیاری کے بعد آپ مدینہ سے مکہ کی جانب دو سو سواروں کے درمیان روانہ ہو گئے اور جب آپ ذوالحلیفہ (مدینہ کے مضافات میں) پہنچے تو آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس کا اعلان بھی کر دیا تاکہ سب لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ اور عمرہ کے مناسک کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں ——— آپؐ کے ساتھ آپؐ کے عام صحابہ نے بھی احرام باندھے۔

امیر مدینہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستور کے مطابق (جب آپ جنگ وغیرہ کے لیے مدینہ سے غیر حاضر ہوتے) ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق آپؐ نے نمیلہ بن عبد اللہ اللیثی کو اپنی واپسی تک مدینہ کے امور کا نگران بنایا اور ابن اُم مکتوم کو، اپنی نیابت میں مسلمانوں کو نمازیں پڑھانے پر مقرر کیا۔

اسلحہ بندی

ذوالحلیفہ میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت سعد بن عبادہ نے رسولِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپؐ اپنے اصحاب کو ہنگامی حالات کے لیے مکمل طور پہ تیار کریں، کیونکہ قریش کا مسلمانوں سے جنگ کرنا کوئی مستبعد امر نہیں ـــــ اور انہیں اس بات سے کون مانع تھا ـــــ جب کہ وہ اس پہ قادر بھی تھے ـــــ کیا وہ ان کے ساتھ حالت جنگ میں نہ تھے؟

حضرت ابن خطابؓ نے کہا آپؐ ایسی قوم کے پاس بغیر گھوڑوں اور اسلحہ کے جا رہے ہیں جو آپ سے جنگ کے لیے تیار ہیں۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کے مطابق عمل کیا اور مدینہ کی طرف پیغام بھیجا کہ مدینہ میں کوئی گھوڑا اور ہتھیار باقی نہ رہے۔

قربانی کی علامات ـــــ نہ جنگ

آپؐ اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لیے لے گئے جنہیں آپؐ نے نشان لگائے اور قلادے پہنائے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور وہ جنگ کرنے سے رُک جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا جانور خریدنے والا

جب آپؐ نے عمرہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو آپ نے بسر بن سفیان الکعبی ثم الخزاعی کو ایک قربانی کا جانور خریدنے کے لیے بلایا تاکہ وہ کعبہ تک آپؐ کے عمرہ کی ہدی ہو آپؐ نے بسر سے فرمایا اے بسر ہمارے ساتھ چلنا ہم انشاءاللہ عمرہ کریں گے پس بسر مدینہ میں ٹھہرا رہا ـــــ پھر اُسے آپؐ نے ایک قربانی کا اُونٹ خریدنے کا حکم دیا وہ دیہات کی طرف اُونٹ خریدنے کے لیے گیا تاکہ وہاں سے اُسے چرنے کے لیے ذوالجدر مقام پر لے جائے، ذوالجدر مدینہ کی ایک چراگاہ تھی جہاں دودھیل اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، جب بسر نے قربانی کے ستر اونٹوں کی خریداری مکمل کر لی تو وہ انہیں مدینہ لے آیا، اس وقت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب، عمرہ کے لیے خروج کی تیاری کر چکے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے جانور پر ناجیہ بن جندب کی ڈیوٹی

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو آپؐ نے اپنی ہدی پر ناجیہ بن جندب کی ڈیوٹی لگائی اور اُسے حکم دیا کہ وہ اسے ذوالحلیفہ لے جائے، آپؐ اور آپؐ کے اصحاب بھی مدینہ سے اس حال میں روانہ ہوئے کہ انہیں رویائے نبوی کے مطابق فتح کے متعلق یقین حاصل تھا۔

مال دار صحابہ کی ہدی

اور مال دار صحابہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت سعد بن عبادہ اپنے ہدی اپنے ساتھ لائے۔

عمرہ کو روانگی کی تاریخ

ہجرت کے ساتویں سال ذوالقعدہ کے چاند میں سوموار کے روز آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے، اور آپؐ نے مدینہ میں اپنے گھر پر ہی غسل فرمایا اور صحار کے بنے ہوئے دو کپڑے پہنے اور اپنے دروازے کے پاس سے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ گئے وہاں کچھ دیر ٹھہر کر آپ نے صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی پھر قربانی کے جانور منگوائے اور ان پر جھولیں ڈالیں اور ان میں سے متعدد جانوروں کو آپؐ نے شعار لگائے جب کہ وہ قبلہ رُخ کھڑے تھے، ان اُونٹوں میں ابوجہل کا بھی ایک اُونٹ تھا جو اصیل اور مشہور مہری اونٹوں میں سے تھا جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت سے حاصل کیا تھا آپ مشرکین کو غصہ دلانے کے

لیے اُسے قربانی کے جانوروں کے ساتھ لے گئے۔

عمرہ کا احرام

ذوالحلیفہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، آپ مسجد کے دروازے سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے وہ جب قبلہ رُخ ہو کر چلی تو آپ نے احرام باندھا اور چند کلمات سے تلبیہ کہا، لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک، عام مسلمانوں نے بھی آپ کے محرم ہونے کے ساتھ ہی احرام باندھ لیے مگر ان میں سے بعض نے جحفہ سے احرام باندھے جو رابغ کے قریب ایک جگہ ہے۔

عمرہ کرنے والی مستورات

اس عمرہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں ایک تو آپ کی زوجہ حضرت اُم سلمہؓ تھیں اور تین انصاری عورتیں تھیں جن کے نام یہ ہیں، اُم عمارہ۔ اُم منیع اور اُم عامر،

منافقین بھی

اس تاریخی سفر میں آپ کے ساتھ دو کبار منافقین عبداللہ بن ابی سلول اور الجد بن قیس نے بھی مصاحبت اختیار کی، اگرچہ اکثر منافقین اس سفر پہ روانہ نہیں ہوئے تھے مگر اس کے باوجود ان دونوں نے آپ کی مصاحبت کی، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ابن ابی اور جد بن قیس کسی ایمانی جذبہ کے تحت نہیں نکلے تھے بلکہ کچھ اور اسباب کے تحت نکلے تھے جن میں سے ایک بات یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے درمیان اس سفر کے متعلق فتنہ اور تشکیک کی آگ بھڑکائی جائے، جیسا کہ انہوں نے غزوہ بنی مصطلق میں ساتھ روانہ ہو کر اس شعلہ زن فتنہ کی

آگ بھڑکائی، قریب تھا کہ جس سے خانہ جنگی کی تباہ کن آگ بھڑک اٹھتی۔

انٹیلی جنس کے دستے

باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی صراحت اور وضاحت سے اعلان کر دیا تھا کہ وہ جنگ کے خواہاں نہیں مگر پھر بھی آپ کے ذہن میں یہ احتمال تھا کہ قریش چونکہ حالت جنگ میں ہیں اس لیے وہ کسی بھی جگہ پر آپ سے اور آپ کے اصحاب سے زیادتی کا ارتکاب کر سکتے ہیں، نیز وہ ایک مشرک قوم ہیں جن سے مسلمانوں کا محفوظ رہنا ممکن نہیں خواہ وہ قربانی کی حالت ہی میں ہوں جو صلح کا عنوان ہے، تمام عربوں (خواہ وہ مسلمان ہو یا بت پرست) کے نزدیک جنگی حالت میں بھی اس قسم کے لوگوں سے تعرض جائز نہیں۔ آپؐ نے سب سے پہلے بشر بن سفیان الکعبی ثم الخزاعی کو حکم دیا کہ وہ قریش کے درمیان مسلمانوں کے لیے انٹیلی جنس کا کام سرانجام دے اور ان کے متعلق اور ان کی نیتوں کے متعلق معلومات اکٹھی کرے اور جب انہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے متعلق یہ خبر پہنچے گی کہ آپ عمرہ کے لیے مکہ کی جانب روانہ ہو چکے ہیں تو جو کچھ وہ کہہ یا کر سکیں اس کے متعلق بھی معلومات اکٹھی کی جائیں، آپؐ نے بشر بن سفیان سے فرمایا کہ قریش کو یہ اطلاع مل چکی ہے کہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، پس مجھے ان کے حالات سے مطلع کرو، بشر آپؐ کے آگے آگے گیا اور مکہ میں داخل ہو گیا اور وہاں ٹھہر کر قریش کی نگرانی کرنے لگا اور معلومات اکٹھی کرنے لگا اور جب آپؐ عسفان میں پہنچے تو وہاں پر آپؐ سے ملا۔

اور ذوالحلیفہ ہی میں آپؐ نے مکہ تک کی کارروائیوں سے آگاہ ہونے کے لیے سواروں کا ایک ہراول دستہ تیار کیا۔ یہ کام ہنگامی حالات کے پیش نظر کیا گیا۔ باوجودیکہ آپ کا گذر یا مسلم قبائل کے پاس سے ہوتا تھا

یا اُن مشرک قبائل کے پاس سے جن کے ساتھ آپ کا عدم جارحیت کا معاہدہ تھا، یہ دستہ چالیس سواروں کا تھا جن میں مہاجرین اور انصار کے جوان تھے جیسے مقداد بن اسود، ابو عیاش الزرقی، حباب بن منذر، عامر بن ربیعہ، محمد بن مسلمہ انصاری، سعد بن زید، عباد بن بشر، اس دستہ کا سالار عباد بن بشر انصاری تھا۔

مکہ کی جانب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کردہ راستہ

واقدی نے اس تاریخی سفر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاروائیوں اور راستے کے واقعات کا ذکر کیا ہے اور ان احادیث کو بھی بیان کیا ہے جو آپؐ نے اپنے اصحاب اور دیگر لوگوں کے لیے بیان کی ہیں جو کہ قانونی اصول اور اسلامی آداب کی حیثیت رکھتی ہیں نیز اس نے ان بڑے بڑے راستوں کو بھی بیان کیا ہے جن پہ چل کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تک پہنچے وہ کہتا ہے، آپ کے ساتھ سولہ سو مسلمان عمرہ کے لیے نکلے، بعض انہیں چودہ ہزار اور بعض ایک ہزار یا پانچ سو پچیس قرار دیتے ہیں، صرف اسلم قبیلہ کے ہی ایک سو جوان آپؐ کے ساتھ تھے، آپؐ کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں، آپؐ مکہ اور مدینہ کے درمیان اعراب کے پاس سے گزرتے وقت سواروں کو اپنے آگے رکھتے پھر ناجیہ بن جندب کو اپنی ہدی کے ساتھ آگے بھیجتے جس کے ساتھ اسلم قبیلہ کے جوان ہوتے، آپ منگل کے روز صبح کے وقت مُلل مقام سے روانہ ہوئے اور سیالہ مقام پہ شام کا کھانا کھایا پھر روحاء مقام پر صبح کی اور وہاں پہ بنی نہد کے اصرم سے ملاقات کی، جس کے ساتھ اُونٹ اور بکریاں بھی تھیں آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اسلام سے منقطع رہے پھر انہوں نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دُودھ بھیجا

بھیجے آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، نیز آپؐ نے حکم دیا کہ ان سے دُودھ خرید ا جائے تو صحابہ نے اعراب سے دُودھ خرید لیا تو وہ خوش ہو گئے پھر وہ تین زندہ سوسمار حضورؐ کی خدمت میں لائے جنہیں فوج کے حلال آدمیوں نے خرید لیا اور کھایا اور محرموں کی خدمت میں پیش کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا کھاؤ، احرام میں تمہارے لیے اسی شکار کا کھانا حلال ہے جو تم خود شکار کرو یا وہ تمہارے لیے شکار کیا گیا ہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہم نے اسے شکار نہیں کیا اسے تو ان اعراب نے شکار کیا ہے، اور ہمیں ہدیہ دیا ہے انہیں پتہ نہ تھا کہ ان کی ہم سے ملاقات ہو گی، یہ خانہ بدوش لوگ ہیں جو صبح کو کسی علاقے میں ہوتے ہیں اور شام کو کسی میں، یہ بارش کی تلاش میں رہتے ہیں اور اس بارش کے خواہاں ہیں جو خریف میں مُلک کے علاقے میں برستی ہے آپؐ نے ان میں سے ایک آدمی کو بُلا کر پوچھا تم کہاں جانا چاہتے ہو اس نے جواب دیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ماہ ہوا ہمیں پتہ چلا ہے کہ مُلک کے علاقے میں بارش ہوئی ہے ہم نے علاقوں کی چھان بین کے لیے ایک آدمی کو بھیجا تو اس نے واپس آکر ہمیں اطلاع دی کہ بکریاں سیر ہو چکی ہیں اور اُونٹ لوجھل ہو کر چلتے ہیں اور تالاب بہت پُر ہو گئے ہیں ہم نے چاہا کہ اس جگہ جائیں۔ ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرۃ الحدیبیہ کے لیے نکلے ہم میں محرم بھی تھے اور محلّ بھی، جب ہم ابواء مقام پر پہنچے تو میں حلال تھا، میں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا تو گھوڑے پہ زین ڈال کر سوار ہو گیا اور ایک آدمی سے کہا مجھے میرا کوڑا پکڑا دو، اس نے کوڑا پکڑانے سے انکار کر دیا، میں نے کہا مجھے میرا نیزہ پکڑا دو اس نے پھر بھی انکار کیا، میں نے گھوڑے سے اُتر کر اپنا کوڑا اور نیزہ پکڑ لیا اور پھر گھوڑے پہ سوار ہو گیا اور گدھے پہ حملہ کر دیا اور اُسے مار کر اپنے محرم اور حلال ساتھیوں کے پاس لے آیا، محرموں نے تو اس کے کھانے میں شک کا اظہار کیا یہاں تک کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے، اور آپؐ سے

اس کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا کیا اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے ؟ ابوقتادہ کہتے ہیں میں نے آپ کو دستی کا گوشت دیا جسے آپ نے محرم ہونے کی حالت میں آخر تک کھایا ، ابوقتادہ سے پوچھا گیا تم لوگ کس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے اس نے جواب دیا ہم نے گدھے کو پکایا جب وہ پک گیا تو ہم آپ سے آملے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابوقتادہ سے دوسرے الفاظ سے روایت کی ہے مگر مفہوم ایک ہی ہے۔

قریش کو کیسے خبر ملی ؟

عربوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب عمرہ کے لیے چل پڑے ہیں مگر بت پرست عربوں کے لیے اس روانگی میں حیرانگی کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ (اشہر حرام میں) ہر انسان خواہ وہ کسی بھی دین، رنگ اور قوم سے تعلق رکھتا ہو، زیارت بیت اللہ کا حق رکھتا ہے ——— یہ ایک ایسا غیر مکتوب قانون تھا جس پر تمام قبائل عرب کا متفقہ عمل تھا، مگر قریش نے اس قانون سے بیگانگی کا اظہار کیا جس کا التزام اور تنفیذ سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ اس سال تک کعبہ کے خادم تھے اور ان تمام مشاعر کے متعلق جن کی عرب اپنی عبادات میں تعظیم کرتے تھے، ذمہ دار تھے، ان سے صرف یہی بات مطلوب تھی کہ جو شخص زیارت بیت اللہ کے لیے آئے خواہ وہ مسلح نزاع کی حالت میں ہو جب تک وہ جنگ کرتا ہوا نہ آئے اسے تمام سہولتیں فراہم کریں، کیونکہ حرم کا علاقہ عربوں کے نزدیک مقدس ہے جس کی حدود کے اندر کسی قسم کی خونریزی کرنا اور جنگ کا بھڑکانا قطعی طور پر حرام ہے، یہ قانون ہزاروں سال سے جزیرہ عرب میں جاری و ساری ہے لیکن قریش نے غصے اور اور حماقت سے غرور میں آکر اس قانون کو دیوار پر دے مارا اور حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام [illegible] کہ آپ [illegible] جنگ کے لیے

نہیں آئے بلکہ احرام باندھ کر زیارت بیت اللہ کیلئے آئے ہیں، مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا اصرار کے ساتھ فیصلہ کیا، قریش نے صحابہ کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ مکہ کی طرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کو ایک بڑا خطرہ خیال کیا اور ان کے سرداروں نے اپنی بُت پرستانہ بڑائی اور عزت کے لیے اسے ایک دھبہ خیال کیا اور یہ بات تمام عربوں کے نزدیک قریش کی سیاسی کمزوری اور عسکری ہیبت کی کمی اور عربوں کے درمیان ان کے قائدانہ کردار کی کمزوری کی کھلی دلیل تھی، نیز قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس کارروائی کو، ان دہشت ناک کارروائیوں کا جواب خیال کیا جو وہ مکہ میں آپ کے اور آپ کے قلیل صحابہ کے خلاف عمل میں لایا کرتے تھے، جن سے مجبور ہو کر وہ بادلِ نخواستہ مکہ سے بھاگے لیکن اب وہ (قریش کی تلواروں سے پانچ سال تک بچنے کے بعد) مکہ کی طرف مارچ کر رہے تھے اور نہ انہیں کوئی خوف تھا نہ وہ اکیلے تھے نہ وہ چھپ کر آرہے تھے جیسے کہ مکہ چھوڑتے وقت ان کا حال تھا) اور چودہ ہزار جانباز صحابہ کے لیڈر تھے یہ قریش کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا، یہ بات قریش کے دلوں میں بیٹھ گئی اور اس خبر سے مکہ میں غم و غصے، قلق و اضطراب اور الجھن کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔

قریش اپنی پارلیمنٹ میں

جب قریش کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑے ہیں تو ان کے سرداروں نے دار الندوہ میں باہمی مشورہ کے لیے اور اس عظیم انقلاب کے مقابلہ کے لیے متفقہ منصوبہ تیار کرنے کے لیے ایک اہم اجلاس بُلایا۔

ذیلی تنفیذ کمیٹی

قریش نے اپنی پارلیمنٹ میں متفقہ فیصلہ کے بعد ایک ذیلی کمیٹی کا انتخاب کیا جس کا سب سے اہم کام اس زبردست فیصلے کی تنفیذ کے طریقوں پر عمل کرنا تھا

اس کمیٹی کے ممبر مکہ کے تین سردار تھے۔

(۱) عکرمہ بن ابوجہل

(۲) صفوان بن اُمیہ الجمحی

(۳) سہیل بن عمرو العامری

اس کمیٹی کو مطلق طور پر یہ اختیار دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے کے لیے وہ جن تدابیر اور تصرفات کو مناسب سمجھے بروئے کار لائے۔

واقدی بیان کرتا ہے کہ جب مشرکین کو مکہ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر ملی تو وہ ڈر گئے تو ان کے اصحاب الرائے نے جمع ہوکر مشورہ کیا اور کہا کہ ان کا (نبی کریمؐ) کا ارادہ یہ ہے کہ وہ عمرہ کے بہانہ سے ہم پر اپنی فوج کو چڑھا لائیں اور عربوں کو پتہ چل جائے کہ وہ بزورِ قوت ہم پر چڑھ آئے ہیں، ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کی حالت ہے خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہوگا، ہمارا جاسوس دیکھ بھال کر رہا ہے اپنی رائے دو اور ان کے معاملہ میں متفقہ موقف اختیار کرو اور ان کے روکنے کے لیے ایک جماعت کے سپرد کام کرو (یعنی صفوان بن اُمیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کے)

قریش کا مسلمانوں کو بزورِ قوت روکنے کے لیے تیاری کرنا

اس سہ رکنی ذیلی کمیٹی نے مکہ کے دیگر سادات سے مشورہ کرکے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں بیت اللہ سے بزور قوت روکنے کے لیے (اگر وہ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کریں) ایک مکمل منصوبہ تیار کیا، قریش کے منصوبہ کا خلاصہ یہ تھا :۔

۱۔ تمام قریش میں سے جو لوگ ہتھیار اُٹھانے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لیے عام لام بندی کا اعلان کرنا۔

۲۔ اپنے غیر قریشی قبائل اور ثقیف وغیرہ حلیفوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ مسلمانوں

کے مقابلہ میں قریش کی عسکری لحاظ سے مدد کریں۔

۳۔ جنگ کے لیے خاص بجٹ تیار کرنا تاکہ ان حلیفوں کا خرچ برداشت کیا جائے جو اس نزاع میں رجس کے متعلق قریش کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ مسلح نزاع ہو اقریش کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کریں۔

۴۔ جنگ کی مجلس اعلیٰ نے سادات مکہ کے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو بزور قوت روکنے کے نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جائے نیز قریش اور ان کے حلیفوں کے سب دستے مکہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکیں اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے حدودِ حرم میں پہنچنے سے پہلے پہلے ہو۔

۵۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کے لیے مشرکین اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ قریش کے خروج کے وقت ان کے ساتھ باہر نکلیں تاکہ مسلمانوں کو یہ عملی دلیل مل جائے کہ قریش ان کو روکنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہیں اور وہ اس اہم فیصلے سے رجوع کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے، نیز قریش اور ان کے حلیفوں کے پڑاؤ میں عورتوں اور بچوں کا وجود ان لوگوں کے لیے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ قریش حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے روکنے کے لیے تعرض نہیں کریں گے رجوع کے منصوبے کو ختم کرنے کے قائم مقام ہوگا۔

۶۔ سواروں کے بہت سے دستے بنائے جائیں جن کی قیادت قریش کے شہسوار خالد بن ولید کو دی جائے اور سواروں کے یہ دستے مکہ اور مدینہ کی درمیانی شاہراہ پر حرم کے قریب مسلمانوں کو روکنے کے لیے پڑاؤ کریں اور انہیں عملی طور پر سمجھا دیں کہ قریش نے (بغیر واپس جانے کے) انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۷۔ فوجی انٹیلی جنس کا ایک بیڑا تیار کیا جائے جس کے جوانوں کا اہم کام یہ ہو کہ جس راستے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا

گزر ہوتا ہو وہ اس پر ممکن حد تک بعید تر جگہ تک گشت کریں اور سب سے پہلے قریش کو ان کے ہیڈ کوارٹر میں مسلمانوں کی آمد، ان کی فوجی طاقت اور دیگر تمام حالات کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔

روکنے کے منصوبہ کی تنفیذ

قریش نے اس منصوبہ کی شرائط کو مکمل کر کے اسے پوری طرح نافذ کر دیا۔ خصوصاً مکہ میں عام لام بندی کی شرط کو، پس ہر وہ شخص جو ہتھیار اٹھانے کی صلاحیت رکھتا تھا مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے باہر نکل آیا۔

حلیفوں کی مدد کے سلسلہ میں بھی قریش، غیر قریشی قبائل کو، اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ انہوں نے ان کے سردار حلیس بن زبان کے سامنے مسلمانوں کے موقف کو بگاڑ کر پیش کیا اور اسے بتایا کہ وہ جنگ کے لیے آئے ہیں نیز انہوں نے اپنے ثقیفی حلیفوں کو اپنے ساتھ ملانے پر رضامند کر لیا، جو طائف سے اپنے سردار عروہ بن مسعود کی سرکردگی میں ان کے پاس آئے تھے اس طرح قریش نے اپنے جوانوں اور حلیفوں میں سے ایک زبردست لشکر تیار کر لیا جس کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار جانبازوں تک پہنچتی تھی جو سب کے سب قریشی لیڈرشپ کے تحت مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے۔

قریش کا فوجی ہیڈ کوارٹر

قریش نے ان مشترکہ افواج کے ساتھ "بلدح" کے علاقہ میں جو مکہ کی مغربی جانب ہے پڑاؤ ڈالا، نیز وہ بالفعل عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تاکہ وہ بلدح کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں موجود رہیں اور سواروں کے جس دستے کو قریش نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا راستہ روکنے کے لیے

مقرر کیا تھا اس کے دو سو سواروں کو لے کر خالد بن ولید نے مارچ کیا اور اس شاہراہ پہ جس کے متعلق خیال تھا کہ حضور علیہ السلام اس سے گزریں گے، کراع الغمیم کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا حالانکہ اس وقت آپ اس راستہ پر تھے جو مدینہ سے مکہ کی طرف آتا ہے —— سادات قریش کے فیصلہ کے مطابق خالد بن ولید کے پاس مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے بڑے سخت احکام موجود تھے، انٹیلی جنس کے بیڑے کو قریش نے بڑی دیدہ وری سے تیار کیا، اس کام کے لیے انہوں نے دس جوان منتخب کیے جن کی قیادت حکم بن مناف کو دی، اس نے انہیں تقسیم کر کے ان کی ڈیوٹی ان پہاڑیوں پر لگا دی جو اس راستے میں آتے ہیں جس پر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے گزرنا تھا۔ پہلے آدمی کو مسلمانوں کی جو بات بھی سنائی یا دکھائی دیتی تھی وہ اسے دوسرے آدمی تک پہنچا دیتا اور دوسرے سے تیسرے آدمی تک پہنچ جاتی اور وہ اسے وادی بلدح میں قریش کی قیادت علیہ تک پہنچا دیتا۔ انٹیلی جنس کے بیڑے کی اس تنظیم اور تقسیم کار کی بدولت قریشی قیادت کو بلدح میں مسلمانوں کی ہدایات کا علم ہو جاتا پس مسلمانوں کی فوج کے متعلق جو کچھ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے انہوں نے وہ سب کچھ معلوم کر لیا اور ان کے حدودِ حرم میں پہنچنے سے قبل جو کچھ وہ کہنا اور کرنا چاہتے تھے وہ انہوں نے کر لیا واقدی (مغازی جلد ۲ ص ۵۷۹) بیان کرتا ہے کہ قریش نے خالد بن ولید کو سواروں کے ساتھ آگے بھیجا اور جاسوسوں کو پہاڑوں پر بٹھا دیا یہاں تک کہ وہ جبل وذر، وذرع تک پہنچ گئے، ان کے دس جوان جاسوسی کر رہے تھے جن کا نگران حکم بن عبد مناف تھا وہ آہستہ آواز سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کیا اور وہ کیا یہاں تک کہ وہ بات قریش تک پہنچ جاتی۔

رسد پانے والے لوگوں کو کھانا کھلانا

قریش کے پڑاؤ میں رسد پانے والوں اور غیر قریشی حلیفوں کی خوراک کے

اخراجات چار قریشی لیڈروں سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل۔ صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے برداشت کیے، حویطب کے سوا باقی تینوں اس حربی کمیٹی کے ممبر تھے، اُجسے قریش نے دارالندوہ میں قریش کے ان فیصلوں کی تنفیذ کا مکلف کیا تھا جو مسلمانوں کو بیت اللہ اور مکہ میں داخل ہونے سے روکنے سے متعلق تھے خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔

نبوی انٹیلی جنس مکہ میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکلتے وقت (اور ذوالحلیفہ میں بالذات) بسر بن سفیان الکعبی ثم الخزاعی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ مکہ میں انٹیلی جنس کا کام سرانجام دے نیز آپؐ نے اُسے حکم دیا کہ وہ مکہ جاکر قریش کی تمام خبریں ان کے پاس لائے کہ وہ مسلمانوں کے عمرہ کی خبر سن کر اس کے ردعمل میں کیا کچھ کہہ اور کر رہے ہیں۔ بسر بن سفیان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مکہ کی طرف گیا اور چند ہی یوم میں وہاں پہنچ گیا اور اپنے خاص طریق کے مطابق قریش کی حرکات کو تاڑتا رہا اور قریش جو کچھ کہتے اور کرتے رہے اُسے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا، وہ مکہ میں کئی دن ٹھہرا رہا اور اس قسم کی اہم مہم پر کام کرنے والے آدمی کو جن باتوں کا معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے وہ سب باتیں اس نے معلوم کرلیں نبوی انٹیلی جنس کے آدمی نے اپنی مہم کو کامیاب بنانے میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا اور قریش اور ان کے حلیفوں کی مشترکہ فوج کے ساتھ رہنے لگا یہاں تک کہ وہ وادیٔ بلدح میں اپنے ہیڈ کوارٹر میں ٹک گئیں، جب اس نے انہیں دیکھا کہ وہ بزور مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہیں اور اس وادی میں خیمے لگا رہی ہیں تو وہ انہیں چھوڑ کر (ذات الاشطاط) میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کو گیا جو عسفان سے پیچھے حدودِ حرم سے زیادہ دور نہیں، وہاں پر اس نے آپؐ کو قریش کے متعلق سب باتیں

——— جب حضور علیہ السلام نے اُسے دیکھا تو فرمایا اسے بُسر تیرے پیچھے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آپ کے سفر کی خبر سُن کر گھبرا گئے ہیں اور اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ آپ بزورِ قوت ان کے پاس جائیں گے اور وہ غیر قریشی قبائل اور اپنے اطاعت کنندوں کو جنگ کے لیے نکال لائے ہیں اور ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں - وہ آپ کو مسجد الحرام سے روکنے کے لیے چیتے کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں اور بلدح میں خیمہ زن ہیں ہم نے ان کے سرداروں کو غیر قریشی قبائل اور اپنے ساتھ ملنے والوں کو بکریاں کھلاتے چھوڑا ہے اور انہوں نے خالد بن ولید کو، دو سو سواروں کے ساتھ آگے بھیجا ہے یہ سوار غمیم مقام پر ہیں اور انہوں نے اپنے جاسوسوں کو پہاڑوں پہ بٹھایا ہوا ہے اور گھات میں لوگ بٹھائے ہوئے ہیں -

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب سے مشورہ کرنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستور کے مطابق اور اسلام کی رُوح شوریٰ پہ عمل پیرا ہوتے ہوئے جو اس قولِ الٰہی میں بیان ہے کہ وشاورھم فی الامر ——— وادی عسفان میں اپنے صحابہ کو جمع کیا اور جنگ کی حقیقت کے متعلق انہیں اطلاع دی اور مسلمانوں کو بزورِ قوت مسجد الحرام سے روکنے پر قریش کے اصرار اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں جو اہم انقلابات رونما ہوئے ان کی طرف بھی آپؐ نے اشارہ کیا، اس کا سب سے واضح مظاہرہ یہ تھا کہ تقریباً آٹھ ہزار جانباز اپنی عورتوں اور بچوں سمیت وادی بلدح میں نکل آئے تھے اور کراع الغمیم میں مسلمانوں کے قریب ہی دو سو سوار چھاؤنی ڈالے ہوئے تھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خالد بن ولید الغمیم میں مشرکین کے سواروں کا سالار ہے، پھر آپ مسلمانوں میں تقریر کرتے

کے لیے کھڑے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد صحابہ سے مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا اے گروہِ مسلمین تمہاری ان لوگوں کے متعلق کیا رائے ہے جو ہمیں مسجد الحرام سے روکنے کے لیے نکل آئے ہیں، کیا آپ لوگوں کے خیال میں ہمیں بیت اللہ کی طرف جانا چاہیے اور جو ہمیں روکے اس سے لڑنا چاہیے یا جو لوگ ہمارے مقابلہ کے لیے نکل آئے ہیں انہیں ہم اپنے اہل کی طرف پیچھے چھوڑ دیں، پس اگر انہوں نے ہمارا پیچھا کیا تو ہم ان میں سے اس رئیس کا پیچھا کریں گے جس کا اللہ تعالیٰ خاتمہ کر دے گا اور اگر وہ بیٹھے رہیں گے تو غمگین ہو کر بیٹھے رہیں گے اور بدلہ نہیں لے سکیں گے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں یا رسول اللہ ہماری رائے یہ ہے کہ ہم سیدھے چلے چلیں اور جو ہمیں بیت اللہ سے روکے ہم اس سے جنگ کریں گے، آپؐ نے فرمایا الغمیم میں قریش کے جو سوار موجود ہیں، ان میں خالد بن ولید بھی ہے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ صرف جنگ میں اپنے صحابہ سے مشاورت کرتے تھے۔

مقداد بن عمرو کی گفتگو

مقداد بن عمرو الکندی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ہم آپؐ اور آپؐ کے رب دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے، خدا کی قسم یا رسول اللہ اگر آپ برک الغماد کی طرف جائیں تو ہم سب آپ کے ساتھ چلیں گے اور ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا، اوس کے سردار اسید بن الحضیر نے بھی حضرت ابوبکر صدیق جیسی بات کہی اس باہمی مشورہ کے بعد یہ امر واضح ہوگیا کہ تمام مسلمان زیارت بیت اللہ کے لیے آگے جانے پر متفق ہیں اور

قریش انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکنے پہ اصرار کریں گے تو وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔

حضرت صدیق رضؓ اور ابن ورقاء کے درمیان تیز کلامی

وادی عسفان میں مسلمانوں کا حلیف خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء حاضر ہوا، اور لوگوں کے روبرو کہنے لگا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کی قوم نے عرب کے سرداروں سے جو جنگ کی ہے اس سے آپ فریب کھا گئے ہیں خدا کی قسم میں تو آپ کے ساتھ کسی وجاہت والے آدمی کو نہیں دیکھتا، ہاں آپ کے ساتھ کچھ بے ہتھیار لوگ ہیں، اس بات سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور اس کے درمیان تیز کلامی شروع ہو گئی، جس میں حضرت صدیق رضؓ نے اُسے خوب دبایا اور اُسے وہ بات سنا دی جس کے گمان کو بھی وہ ناپسند کرتا تھا کہ وہ قریش کو اکٹھا کرنے والا ہے مگر بدیل نے اعلان کیا کہ یہ بات صرف اخلاص کے باعث اپنے حلیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کو کہی گئی ہے اس نے حضرت ابوبکر رضؓ کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا، خدا کی قسم اگر آپ کا مجھ پہ احسان نہ ہوتا تو میں آپ کو جواب دیتا، خدا کی قسم، میں اور میری قوم ان کے پاس نہیں آئے، کیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبے کو پسند نہیں کرتا، میں نے دیکھا ہے کہ قریش اپنے اموال اور اولاد کے ساتھ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور وہ بلدرح کی طرف نکل آئے ہیں اور وہاں انہوں نے خیمے لگا لیے ہیں اور وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ آپؐ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اور وہ اپنے پاس آنے والوں کو بکریوں کا گوشت کھلاتے ہیں اور آپؐ کے ساتھ جنگ کرنے میں ان سے قوت حاصل کرتے ہیں اب آپ اپنی رائے سے مطلع فرما دیں اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی سرکشی، زیادتی لاف و گزاف اور زیارت بیت اللہ سے ازراہِ ظلم روکنے کی خبر ملی تو آپ نے اس

جاہلانہ اور احمقانہ کاروائی پر بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، قریش کا بُرا ہو انہیں جنگ کھا گئی ہے اگر وہ میرے اور دیگر عربوں کے درمیان راستہ کھول دیتے تو ان کا کیا حرج تھا اگر وہ مجھے تکلیف پہنچاتے تو وہی ہوتا جو ان کا ارادہ تھا پھر آپؐ نے اپنی رسالت کی نشر و اشاعت کے بارے میں پختہ عزم کا اعلان کیا خواہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی مؤثر قوت رُکاوٹ بننے کی کوشش کرے آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم جس کام کے لیے اللہ تعالےٰ نے مجھے بھیجا ہے میں اس کے متعلق ہمیشہ کوشش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ غالب کر دے یا یہ گردن اکیلی رہ جائے پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ خبر ملی کہ مکہ کے اساطینِ کفر اپنے متہورانہ فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے باہر نکل آئے ہیں اور تمام فوج کو جمع کر کے وادی بلدح میں پڑاؤ ڈال چکے ہیں —— نیز انہوں نے اپنے ثقیفی حلیفوں کو عروہ بن مسعود اور غیر قریشی حلیفوں کو حلیس بن زبان کی قیادت میں اکٹھا کر لیا ہے، اور یہ سب ان کی بات کو مان کر ان کے پڑاؤ میں شامل ہو گئے ہیں۔

جنگ کے آثار

اس طرح اُفق پر جنگ کے آثار نظر آنے لگے، جس کے لیے مسلمان نہ آئے تھے اور نہ ہی انہوں نے اس کے متعلق مدینہ سے تکبیر و تلبیہ کہتے اور عمرہ کے لیے نکلتے وقت سوچا تھا، باوجودیکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کو ناپسند کرتے تھے اور قریش کے ساتھ جنگ کرنے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے پھر بھی آپؐ نے اپنے ذہن میں یہ بات رکھی کہ قریش اس قسم کا خلافِ قانون اقدام کر سکتے ہیں —— اس لیے آپؐ نے ہنگامی حالات کے پیشِ نظر تمام ضروری احتیاطیں کر لیں اور آپ کے اصحاب حالتِ احرام میں عمرہ کے لیے تلبیہ کہتے ہوئے ہتھیار اُٹھائے ہوئے تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلح تصادم سے بچنا چاہتے تھے۔

قریش کی ان تحدیانہ کارروائیوں کے باوجود، جو انہوں نے مسلمانوں کو مضطرب کرنے اور انہیں تکلیف دینے کے لیے اختیار کی تھیں یعنی سوار دستے کے سالار خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ، عسفان اور مکہ کے درمیان مسلمانوں کو بزور قوت روکنے کے لیے مقرر کیا تھا — آپؐ نے ممکن حد تک اپنی قوم کے ساتھ مسلح تصادم سے بچنے کا فیصلہ کیا کیونکہ کسی جواز کے بغیر خونریزی کرنا اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے خصوصاً ان حالات میں جب کوئی شخص جنگ و قتال کے لیے نہ آیا ہو بلکہ صرف زیارت بیت اللہ کے لیے آیا ہو اس لیے آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ آپ اس شاہراہ کے ذریعہ مکہ نہیں جائیں گے جہاں خالد بن ولید مسلمانوں سے مقاتلہ کے لیے اپنے سواروں کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہیں اور وہ راستہ شمال کی جانب سے آتا ہے اور جنوب میں تنعیم کے نزدیک حدودِ حرم اور پھر مکہ کے پاس ختم ہو جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مشرک سواروں کے سالار خالد بن ولید خوفناک سُرعت کے ساتھ مقابلہ میں گئے جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب ایک سخت امتحان میں پڑ گئے، خالد نے کراع الغمیم سے اپنے سواروں کے ساتھ وادی عسفان کی طرف مارچ کیا جہاں حضور علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے، بلاشبہ خالد نے یہ حرکت مسلمانوں کو چیلنج دینے اور بھڑکانے اور ایسا موقع حاصل کرنے کے لیے کی تھی جس میں وہ مسلمانوں کو ایک تباہ کن ضرب لگا سکیں، خالد کی یہ متحدیانہ کارروائی مسلمانوں کو جلد تصادم پر تیار کرنے نیز اس کے برانگیختہ کرنے والے اقدامات کے نتیجہ میں اس پر حملہ کرنے کے لیے کافی تھی بخصوصاً اس لحاظ سے وہ ایک راستہ روکنے والے حملہ آور کی صورت میں آیا تھا اگر انہیں یہ پتہ نہ ہوتا کہ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ساتھ مقاتلہ کرنے میں رغبت نہیں رکھتا تو وہ اس قتال سے بچنے

کی کوئی راہ نہ پاتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے باوجود خالد کی گوشمالی کی طاقت رکھنے اور بنوک شمشیر اس کے چیلنج کا جواب دینے کی قدرت رکھنے کے، مشرکین کے سواروں کے سالار کی برانگیختہ کرنے والی باتوں کے سامنے اپنے غصے کو دبائے رکھا، اس تاریخی سفر میں مسلمانوں کو مشرکین کی جس پہلی فوج کا سامنا کرنا پڑا اس کے سالار خالد بن ولید نے مسلمانوں کو بھڑکانے اور چیلنج دینے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا، یہاں تک کہ اس نے عسفان میں مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے نماز کی ادائیگی کے وقت ان کے اور قبلہ کے درمیان اپنے دو سو سواروں کو کھڑا کر دیا تاکہ مسلمانوں کے دل میں رعب پڑ جائے، اس کی یہ کاروائی قریش کی زبردست عسکری قوت کا ایک مظاہرہ تھا جو کسی بھی صورت میں مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی قوت رکھتے تھے۔

مقابلہ کی حالت میں فریقین کے سواروں کے ہتھیار

خالد بن ولید کی اس کاروائی کے بالمقابل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمان سواروں کے سالار عباد بن بشر کو حکم دیا کہ وہ اپنے سواروں کے ساتھ خالد کے سواروں کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے تاکہ خالد کی مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کی کسی بھی کاروائی کو روک سکے، عباد بن بشر نے اپنے سواروں کو صف بہ صف کھڑا کر دیا اور فریقین کے سوار بالکل ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے، اس کے باوجود مسلمان سواروں کے سالار کو جیسا کہ معلوم ہوتا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ حکم ملا کہ وہ دفاعِ نفس اور آپ پر اور آپ کے اصحاب پر خالد کے حملہ کو روکنے کے سوا، اور کسی قسم کی جنگ خالد کے سواروں کے خلاف نہ کرے۔

عسفان میں نماز خوف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مشرکین کے سواروں کے حملہ کے خوف سے

مسلمانوں کو نمازِ خوف پڑھائی، یہ خاص نماز ان لوگوں کے لیے ہے جو جنگ کی حالت میں ہوں اس میں نماز کی وہ صورتیں جائز ہیں جو عام نمازوں میں جائز نہیں۔

خالد نماز کے وقت مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے

مکہ کے سواروں کے سالار نے حالتِ نماز میں مسلمانوں پر ایک بھرپور حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے مطلع ہوگئے اور آپؐ نے اپنے اصحاب کو نمازِ خوف پڑھائی اس طرح آپ نے خالد کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا جس میں اس نے مسلمانوں کو اچانک گرفت میں لے آنے اور نماز میں مار دینے کا ارادہ کیا تھا، واقدی (المغازی جلد ۲ صفحہ ۵۸۲) بیان کرتا ہے کہ خالد نے اپنے سواروں کے سامنے قریب ہو کر اصحابِ رسول کو دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان اپنے دو سو سواروں کی صف بنا دی، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد بن بشر کو حکم دیا، اس نے بھی آگے بڑھ کر اس کے بالمقابل اپنے ساتھیوں کو صف بند کر دیا، نماز ظہر کے وقت حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور لوگوں نے آپؐ کے پیچھے صف باندھ لی آپ انہیں رکوع و سجود کرواتے، پھر آپؐ نے سلام پھیرا، تو وہ لوگ کھڑے ہو گئے جو تیاری میں تھے خالد بن ولید نے کہا اگر ہم ان پہ حملہ کر دیتے تو ان میں سے کئی آدمیوں کو مار دیتے کیونکہ وہ غفلت میں تھے لیکن اس نماز کا وقت آ رہا ہے جو انہیں اپنی جانوں اور اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے (یعنی نماز عصر) خالد کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نماز عصر کے وقت ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ عام طریق سے نماز ادا کرتے تو انہیں بہت نقصان ہوتا لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نمازِ خوف پڑھا کر خالد

کی اسکیم کو ناکام بنا دیا، واقدی بیان کرتا ہے کہ عصر کا وقت آیا تو بلال نے اذان دی اور اقامت کہی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہو کر کھڑے ہو گئے، دُشمن آپؐ کے سامنے تھا، آپؐ نے تکبیر کہی تو دونوں صفوں نے بھی اکٹھے تکبیر کہی، پھر آپؐ نے رکوع کیا تو دونوں صفوں نے اکٹھے رکوع کیا، پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو آپؐ کے ساتھ والی صف نے سجدہ کیا اور دوسرے اس کی حفاظت کرتے رہے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف کے ساتھ سجدہ کر چکے تو اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو پچھلی صف نے دو سجدے کیے پھر آپ کے ساتھ والی پیچھے ہو گئی اور پچھلی صف آگے ہو گئی اور وہ آپؐ کے قریب ہو کر سب کے سب کھڑے ہو گئے پھر آپؐ نے رکوع کیا تو دونوں صفوں نے اکٹھے رکوع کیا پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو پہلی صف نے سجدہ کیا تو دوسری صف دشمن کی طرف منہ کر کے اس کی حفاظت کرتی رہی، جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سجدوں سے سر اُٹھایا تو پچھلی صف نے دو سجدے کیے جو ان کے باقی رہ گئے تھے پھر آپؐ نے بیٹھ کر تشہد پڑھا اور سلام پھیر دیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ پہلی نمازِ خوف تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، وہب بن کیسان جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں نمازِ خوف پڑھی پھر اس کے بعد عسفان میں پڑھی، ان دونوں کے درمیان چار سال کا عرصہ تھا، واقدی کہتا ہے ہمارے نزدیک یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

تنعیم کی بجائے حدیبیہ

قریش نے اپنی فوجوں کو جمع کر کے مسلمانوں کو مسجد الحرام سے روکنے کا جو اعلان کیا اور خالد بن ولید نے مسلمانوں کو راستے میں روکنے اور عسفان میں ان پر حملہ کرنے (اگر اس کے لیے ممکن ہوتا) کا جو اقدام کیا جیسے کہ پہلے بیان

کیا جا چکا ہے کہ خالد نے اس کے لیے بالفعل تیاری بھی کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ قریش صراحتاً مسلمانوں کے خلاف حربی کارروائی کر رہے تھے اس کے باوجود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید سے جس نے اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکا ہوا تھا تاکہ وہ ان کے ساتھ اس جنگ میں گتھ جائیں جس کے لیے نہ وہ آئے تھے اور نہ اس میں دلچسپی رکھتے تھے، تصادم کرنے سے کنارہ کشی کا فیصلہ کیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ آپ کی اس خواہش کے تحت تھا کہ آپ خونریزی کا کوئی جواز نہ سمجھتے تھے، خصوصاً ان حالات میں کہ آپ جنگ کے لیے آئے ہی نہ تھے آپ تو فقط زیارت بیت اللہ کے لیے آئے تھے اس لیے آپؐ نے فیصلہ کیا کہ آپؐ اس شاہراہ پر نہ چلیں جسے خالد بن ولید نے دو سو سواروں سے روکا ہوا تھا اور جس پر سے آپؐ اور آپؐ کے اصحاب، خالد اور اس کے شہسواروں سے مسلح تصادم کے بغیر نہ گزر سکتے تھے، حالانکہ آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو عسفان سے جنوب کی طرف مکہ کی جانب مسلسل چلنا چاہیے تھا اور وہی عام شاہراہ تھی جس پر مدینہ سے مکہ کی طرف جانے والا ہر شخص چلتا تھا، لیکن آپؐ نے خالد بن ولید کے سواروں سے اور اپنی قوم سے جنگ نہ کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کی رُو سے آپؐ کے لیے اور کوئی راستہ باقی نہ رہا تھا ——— اس لیے آپؐ نے راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا جو آپ کو اور آپؐ کے اصحاب کو مکہ پہنچا دے اور جس راستہ پر خالد اپنے سواروں کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہے اس سے آپؐ کو نہ گزرنا پڑے، آپؐ نے فرمایا کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمیں اس راستے کے سوا، جس پر وہ پڑاؤ کیے ہوئے ہیں، کسی اور راستے سے لے چلے؟ پھر آپؐ نے راستہ تبدیل کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا، دائیں ہاتھ کو اختیار کرو، کیونکہ قریش کے جاسوس مرالظہران یا ضجنان میں ہوں گے، تم میں سے ثنیہ ذات الحنظل کو کون جانتا ہے؟ آپؐ کے اصحاب میں ایک آدمی اس راستے کو جانتا تھا

جو خالد کے سواروں کے پاس سے نہ گزرتا تھا اور ثنیہ ذات الحنظل کو بھی جانتا تھا ، بریدہ بن الخصیب اسلمی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اُسے جانتا ہوں آپؐ نے فرمایا ہمارے آگے آگے چلو) اور وہ راہنما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ راستے سے ہٹ کر دائیں جانب چل پڑا اور انہیں ایسے راستے سے لے گیا جو وحشت ناک راستوں پر چلتے چلتے مضیق کو عبور کر کے حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گئے ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کئی مرتبہ راستہ بھول گئے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب جن غیر معروف راستوں پر چلے ان کو صرف چند دیہاتی علاقے کے آدمی جانتے تھے آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو ان راستوں پر چلتے ہوئے شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا بنو سلیم کے تین آدمی جو ان راستوں کے واقف تھے وہ بھی اس راستے کو پہچاننے میں ناکام ہو گئے اور متحیر رہ جانے کے بعد یہ لوگ تین مرتبہ راستہ بھول گئے ، حالانکہ وہ تین آدمی پہلے کئی بار ان راستوں سے گزر چکے تھے ، واقدی (مغازی جلد ۲ صفحہ ۵۸۳) بیان کرتا ہے کہ پہلا رہبر (بریدہ بن الخصیب اسلمی) آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو ایک پُرپیچ راستے میں لے گیا —— اور وہ اس راستے پر متعدد بار آچکا تھا —— قبال جبال سراوع قبال العزب ۔ وہ تھوڑا چلا ہی تھا کہ پتھروں اور درختوں میں اُلجھ گیا اور حیران و ششدر رہ گیا گویا وہ کبھی اس راہ کو جانتا ہی نہ تھا ، بریدہ نے (راستے کی شناخت میں ناکام ہوتے ہوئے) کہا خدا کی قسم ، میں جمعہ کو کئی بار اس راستہ پر چلا کرتا تھا ، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حیران و ششدر دیکھا کہ وہ کسی طرف نہیں جاتا ، تو آپؐ نے اُسے فرمایا سوار ہو جا ، پھر آپؐ نے پکار کر کہا ، ذات الحنظل کا راستہ ہمیں کون

کون شخص بتائے گا تو حمزہ بن عمرو اسلمی نے سواری سے اتر کر کہا یا رسول اللہ میں آپ کو بتاؤں گا وہ بھی تھوڑا ہی چلا تھا کہ انہیں گھنے درختوں میں لے گیا پھر اُسے پتہ نہ چلا کہ وہ کس طرف جائے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار ہو جا پھر دوبارہ پکار کر کہا ہمیں کون شخص ذات الحنظل کا راستہ بتائے گا تو عمرو ابن عبد نہم اسلمی نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کو راستہ بتاؤں گا آپ نے فرمایا ہمارے آگے آگے چلو، عمرو ان کے آگے آگے چل پڑا یہاں تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کیا یہ ثنیہ ذات الحنظل ہے؟ عمرو نے کہا ہاں یا رسول اللہ جب آپ اس کی چوٹی پر کھڑے ہوئے تو اس سے نیچے اترے عمرو کہنے لگا خدا کی قسم میرا دل کہتا ہے کہ یہ تسمے کی طرح تھی پھر میرے لیے وسیع ہو گئی یہاں تک کہ نمایاں ہو گئی اور یہ آراستہ تھی نہ کہ دانہ، اس رات تمام لوگ اس کے کناروں پر چلتے ہوئے اس کی وسعت کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

بنی اسرائیل پر جو بات پیش کی گئی

راستے کی پریشانیوں سے نکلنے کے بعد اور ثنیہ ذات الحنظل میں وادی کے ختم ہونے کی جگہ پر پہنچنے کے بعد آپ نے حدیبیہ کے میدان کو دیکھا کہ اس شب آسمان نے زمین کو روشن کیا ہوا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ لوگ چاندنی رات میں ہیں (حالانکہ رات چاندنی نہ تھی) پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس شب اس ثنیہ کی مثال اس دروازے کی مانند ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا تھا " وادخلوا الباب سجداً وقولوا حطة " آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کو جو بات پیش کی گئی وہ یہ تھی " لا الہ الا اللہ وادخلوا الباب سُجداً " پھر فرمایا وہ بیت المقدس کا دروازہ تھا وہ اس میں اپنی سرینوں کے بل داخل ہوئے اور کہنے لگے (جو میں دانہ ہو) پھر آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کو جو بات کہنے کے لیے پیش کی گئی وہ

یہ تھی نستغفر اللہ و نتوب الیہ " ابن اسحٰق بیان کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ جب اس وحشت ناک اور متروک راستے سے گزرے تو آپ کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور آپ وادی کے ختم ہونے کی جگہ کے نزدیک ایک ہموار زمین میں پہنچے آپ نے فرمایا کہو، نستغفر اللہ و نتوب الیہ انہوں نے یہ بات کہی تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم، یہ وہ کلمہ حِطّہ ہے جسے بنی اسرائیل پر پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے اسے نہ کہا۔

اصحاب ثنیہ بخشے ہوئے ہیں

مؤرخین بیان کرتے ہیں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب کہ وہ ثنیہ ذات الحنظل سے گزر رہے تھے) جو کوئی اس ثنیہ سے گزرے گا اللہ تعالےٰ اُسے بخش دے گا، ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک ماں جایا بھائی قتادہ بن نعمان لوگوں کے آخر میں تھا وہ کہتا ہے کہ میں ثنیہ پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس ثنیہ سے گزرے گا اللہ تعالےٰ اُسے بخش دے گا تو لوگ جلدی سے گزرنے لگے (اور وہ چودہ سو تھے) اور میرا بھائی آخر میں گزرا اور میں ڈرا کہ اس کے گزرنے سے قبل صبح ہو جائے گی۔

اُسے استغفار رسول سے اُونٹ کا زیادہ غم تھا

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو فروکش ہوتے وقت فرمایا کہ جس کے پاس آٹا ہو وہ اُسے پکا لے، ابو سعید کہتے ہیں ہمارا عام زادِ سفر کھجور ہوتی تھی، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں قریش ہمیں دیکھ نہ لیں آپؐ نے فرمایا وہ ہرگز تم کو دیکھ نہیں سکیں گے اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا جن لوگوں نے کھانا پکانا چاہا

انہوں نے آگ جلا کر کھانا پکایا، پانچ سو زیادہ آگیں جلائی گیئں، جب صبح ہوئی
تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پھر فرمایا اس ذات کی قسم
جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قافلے کے سب
آدمیوں کو بخش دیا سوائے ایک چھوٹے سے قافلے کے جو سرخ اونٹ پر ہے
لوگ اس پر ٹوٹ پڑے وہ ان میں سے نہیں تھا پھر اس نے لشکر میں اس کی
تلاش کی اس کا خیال تھا کہ وہ اصحاب رسولؐ میں سے ہے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ
سعید بن عمرو بن نفیل جو بنی ضمرہ میں سے سیف البحر کے رہنے والے ہیں ان
کی چوٹی پر ہے، سعید سے کہا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اس
طرح فرمایا ہے، سعید نے ضمری سے کہا، تیرا برا ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس جاؤ تیرے لیے استغفار کریں گے۔ اس نے کہا مجھے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے اپنے اونٹ کا زیادہ غم ہے، پھر اچانک
اس کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ لشکر میں اسے تلاش کرتا ہوا ان کے پاس
پہنچ کر ان سے اپنا اونٹ طلب کرنے لگا —— کہ اونٹ تمہارے لشکر میں
ہے اور میرا اونٹ مجھے واپس کرو، سعید نے کہا میرے پاس سے چلا جا،
خدا تجھے زندہ نہ رکھے میں تیرے قریب ہونے میں مصیبت دیکھ رہا ہوں
اور مجھے سمجھ نہیں آرہا، لشکر کو بری قرار دینے کے بعد اعرابی اپنے اونٹ
کی تلاش میں چل پڑا، جب وہ سراوع کے پہاڑوں میں تھا کہ پھسل کر
مرگیا اور اسے درندے کھا گئے اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

خالد کی مکہ کی طرف واپسی

خالد کو جب یہ یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف چل کر
اپنے اصحاب کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گئے ہیں اور وہ حدیبیہ
کو عبور کر کے مغرب کی جانب سے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کیے ہوئے

ہیں اس بات نے اُسے غصّہ دلا دیا کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب مڑ کر خالد کے اس زبردست منصوبے کو جو اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بنایا تھا، تباہ و برباد کر دیا تھا، اور وہ اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کے پہنچتے ہی ان پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بیڑا اٹھائے ہوئے تھا خالد نے اپنے سواروں کے ساتھ مکہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے حملہ کر دیا، تاکہ قریش کے لیڈروں کو واقعات کی اطلاع دے اور ان سے نئی ہدایات لے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم کی قدرتی شاہراہ کو چھوڑ کر اپنے صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کی طرف جا کر اس کے بنیادی منصوبے کو تباہ کر دیا تھا اور جو آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف آئے اس کے لیے یہ قریب ترین راستہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کراع الغمیم میں شاہراہ پر خالد کے سواروں کے ساتھ تصادم کرنے سے بچنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے —— اور نہ ہی مکہ سے مناسک عمرہ کی ادائیگی کے بغیر واپس آنا چاہتے تھے —— آپؐ کا مقصد صرف خونریزی سے بچنا اور قریش کو زیادہ سے زیادہ موقع دینا تھا کہ شاید وہ راہ راست کی طرف واپس آجائیں اور آپؐ کو اور آپ کے اصحاب کو امن کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور سعی کرنے دیں پھر وہ پُرامن طور پر جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں جیسا کہ مدینہ سے چلتے وقت ان کی اسکیم تھی، باوجودیکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے بچنا چاہتے تھے —— اور ان باتوں سے بھی دور رہنا چاہتے تھے جو مسلح تصادم تک لے جاتی ہیں جیسا کہ آپؐ نے کراع الغمیم میں خالد کے سواروں سے بچنے کے لیے کیا —— اس کے باوجود فضا آتشیں رہی اور موقف بڑی نزاکت کا حامل رہا، مسلمان عمرہ کا احرام باندھے سو پچیس میل کا سفر طے کر چکے تھے اور اس پُرمشقت سفر کے بعد حدود حرم تک پہنچ چکے تھے اور ان کے اور بیت اللہ کے درمیان جس کی زیارت

کے لیے وہ آئے تھے، دس میل سے زیادہ کا فاصلہ نہ تھا، ان کے لیے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے بغیر جن کی خاطر اُنہوں نے یہ طویل اور پُر مشقت فاصلے طے کیے تھے (یعنی بیت اللہ کی زیارت) واپس ہونا بہت مشکل امر تھا، دوسری جانب قریش نے قسم کھائی تھی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو بزور قوت مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے —— اور انہوں نے اس گنہگارانہ قسم کو پورا کرنے کے لیے، اپنی تمام فوجی طاقت کو جمع کر لیا اور اپنے تمام ثقیفی اور غیر قریشی حلیفوں کو مسلمانوں کے خلاف لا کھڑا کیا، اب انہیں صبح و شام غضب، کفر اور شرک برانگیختہ کر رہا تھا —— وہ سرکشی اور عناد پر اصرار کرنے لگے، شیطان نے ان کی مہار پکڑ لی اور انہیں عناد اور بُرائی کے راستوں پر لے چلا، وہ اپنی فوج کو جو مکہ کے شمال میں تنعیم کے قریب اس انتظار میں پڑاؤ کیے ہوئے تھی کہ یہاں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ کی طرف جانے کے لیے گزریں گے، حدیبیہ کے علاقہ کی طرف لے کر نکلے اور حرم کے اندر حدیبیہ کے قریب اس پختہ ارادے کے ساتھ پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے کہ وہ بزورِ قوت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو حدودِ حرم میں گزرنے سے روکیں گے، اس سلسلہ میں ان کے ثقیفی اور غیر قریشی حلیفوں کی بہت بڑی فوج بھی ان کی مدد کر رہی تھی۔

ہاتھیوں کو روکنے والا

اس طرح ایک دُوسرے کے قریب آجانے سے، جنگ بھی فریقین کے قریب ہوگئی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کو، جب ان کے رہبر نے ایک ذیلی راستے کے ذریعے حدیبیہ کے میدان میں حرم کی مغربی جانب پہنچا دیا۔ تو آپؐ نے مکہ کی جانب اس میں داخل ہونے، عمرہ کرنے اور اگر قریش جنگ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے ارادے سے مارچ کا آغاز کر دیا، مگر جب آپؐ اور آپؐ کے اصحاب (حدیبیہ کے علاقہ میں) حدودِ حرم کے قریب ہوئے

تو ایک عجیب واقعہ رُونما ہوا جس نے آپ کو حدودِ حرم سے گزرنے سے روک دیا،
اللہ تعالیٰ کا اس عجیب واقعہ کے ظاہر کرنے سے ارادہ یہ تھا کہ وہ فریقین کو خوفناک
جنگ کے المیہ سے بچائے اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے
ساتھ مکہ کی طرف حدودِ حرم سے گزر جاتے تو وہ المیہ قریب الوقوع تھا، آپؐ کی
ناقہ قصواء بیٹھ گئی، وہ بڑی فرمانبردار اُونٹنیوں میں سے تھی ـــــ قصواء حدودِ
حرم کے قریب ایک جگہ پر بیٹھ گئی اور باوجود اُٹھانے کی کوششوں کے نہ اُٹھی، لوگوں
نے خیال کیا کہ وہ تھک گئی ہے، صحابہ نے کہا کہ قصواء نافرمان ہو گئی ہے تو رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نافرمان ہوئی نہیں اور نہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اسے
مکہ سے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روکا ہے، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس
کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج کے دن قریش صلہ رحمی کی جس بات کا
مجھ سے مطالبہ کریں گے میں انہیں وہ دوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ قریش
آج حرمات الٰہیہ کی تعظیم کی جس بات کے متعلق مجھ سے سوال کریں گے میں انہیں
عطا کروں گا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ صریح اعلان تھا
کہ آپ (حرم میں خون کی حفاظت کی خاطر) قریش سے آخری حدوں تک مذاکرات
کے لیے تیار ہیں اور آپ خونریزی سے بچنے کے لیے ہر حربہ کو استعمال کریں
گے، پھر آپؐ نے اپنی اونٹنی کو ہنکایا تو وہ کھڑی ہو گئی تو آپؐ جہاں سے
چلے تھے وہیں لوٹ آئے اور صحابہ کو حدیبیہ میں اُترنے کا حکم دیا اور حدودِ حرم
سے نہ گزرنے کا فیصلہ کیا اور اس بارے میں ایک حکم بھی صادر فرمایا آپ
کے چودہ سو صحابہؓ نے آپؐ کے احکام کی فرماں برداری کرتے ہوئے حدیبیہ
کے ایک کنویں پر ڈیرہ لگا دیا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنواں وہ ہے جسے آج
مکہ کی طرف جانے والا اپنے دائیں ہاتھ شمیسی میں حرم کے نشانات کے قریب دیکھتا ہے
اس طرح آپ نے ـــ خون کی حفاظت کی رغبت کے باعث ـــ پیچھے رہنے کو
ترجیح دی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ حدودِ حرم سے باہر اس انتظار میں ڈیرے

ڈال دیے کہ قضنا و قدر کیا بات بر وسئے کار لاتی ہے ممکن ہے اسی میں فریقین کی مصلحت ہو ———

اگر قریش کے دانشور اپنی قوم کے بے وقوفوں اور غالیوں کو ہٹ دھرمی سے روکتے اور مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ سے روکنے کے لیے طاقت کے استعمال کے نظریہ سے الگ ہو جاتے تو مسلمان ایک قطرہ خون بہائے بغیر عمرہ ادا کر لیتے اور پھر اپنے دار الخلافہ مدینہ میں واپس آ جاتے جس سے وہ صرف زیارت بیت اللہ سے لیے نکلے تھے، باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں خونریزی سے بچنے کے لیے رواداری اور عالی ظرفی کا التزام رکھا مگر قریش اپنے عناد پر قائم رہے اور انہوں نے عام لام بندی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں فوجیں اکٹھی کر لیں ——— بلکہ غرور اور زیادتی میں بہت دُور تک چلے گئے بلکہ بعض مشرک کم عقلوں نے مسلمانوں پر حملہ کر نے اور اندھیرے میں غفلت کی حالت میں ان پہ گرفت کرنے کی کوشش کی۔ مگر صحابہ محمد بن مسلمہ انصاری کی قیادت میں گشت کر رہے تھے انہوں نے ان کم عقلوں کی سازش کو ناکام بنا دیا، اور چوری چھپے مسلمانوں کے پڑاؤ میں رات کے وقت گھس آنے اور قتل کرنے کے پروگرام کو فیل کر دیا جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

مسلمانوں کے حفاظتی دستے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حدیبیہ کے میدان میں پہنچے اور وہاں آپ نے ٹھہرنے اور انتظار کرنے اور شدید کشیدگی پہ غور کرنے کا فیصلہ کیا جو قریش کی سرکشی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکتے تھے۔ آپؐ نے حدیبیہ میں قریش کے کم عقلوں کی کسی بھی زیادتی کو روکنے کے لیے اپنے صحابہ کے تین حفاظتی دستے بنائے ان تینوں دستوں کے سب سالار، انصار میں سے تھے (۱) عباد بن بشر (۲) اوس بن خولی۔

(۳) محمد بن مسلمہ - یہ تینوں سالار باری باری ہر رات اپنے جوانوں کے ساتھ مسلمانوں کے پڑاؤ کی حفاظت کرتے اور صبح تک پڑاؤ کے ارد گرد گشت کرتے رہتے۔

حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

مکہ میں جلد بازی سے نہ داخل ہونے کے فیصلہ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ حدیبیہ کی طرف واپس آئے اور ممکن حد تک اس مشکل کا مذاکرات کے ذریعے مصالحانہ حل تلاش کرنے کا اعلان کر دیا، جو آپ کے اور آپ کی قوم کے درمیان دھماکے کی حد تک پہنچ چکی تھی، آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ قریش صلہ رحمی کی جس بات کے متعلق بھی آج مجھ سے سوال کریں گے میں انہیں دے دوں گا، آپ اپنے صحابہ کے ساتھ حدیبیہ میں واپس آکر اس کنوئیں پہ اترپڑے جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا، صحابہ اسے خود پینے یا اپنے گھوڑے اور اونٹ کو پلانے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے تو انہیں معلوم ہوا کہ کنوئیں کا پانی تھوڑے سے لوگوں کی سیرابی کے لیے بھی کافی نہیں اور صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی جن میں اکثر سوار تھے، حالات دگرگوں ہو گئے اور پانی کی تنگی اس خطرناک حد تک پہنچ گئی کہ صحابہ اور ان کے مویشیوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی، خصوصاً جب ہم اس لحاظ سے دیکھیں کہ انہیں حدیبیہ میں بہت مدت تک قیام کرنا پڑے گا، نیز اس علاقے میں پانی کا کوئی منبع نہ تھا اور حدیبیہ کے قریب جو پانی تھے ان پہ قریش کا قبضہ تھا اس کشیدگی کی حالت میں یہ ایک محال امر تھا کہ وہ مسلمانوں کو ان سے سیراب ہونے کی اجازت دیں، جب تکلیف انتہا کو پہنچ گئی تو صحابہ حیران و سرگشتہ ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی کمی کے باعث جو وہ تکالیف برداشت کر رہے تھے اس کی شکایت کی آپؐ نے اپنے رب کے حضور التجا کی پھر اپنے ایک صحابی کو اس کم پانی والے کنوئیں میں اترنے کا حکم دیا کہ وہ اس کنوئیں کے چشمے میں

ایک تیر گاڑ آئے جو آپ نے اُسے اپنے دست مبارک سے دیا جونہی آپ کے صحابی نے کنوئیں کے چشمے میں تیر گاڑا، بے شمار پانی اچھل کر اس حد تک باہر آگیا کہ کنواں پانی سے بھر گیا، صحابہ خود بھی سیر ہوئے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی سیراب کیا، اس طرح اللہ تعالےٰ نے پانی کی بڑی مشکل کو حل کر دیا نیز صحابہ پوری طرح مطمئن ہوگئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا ایمان بہت بڑھ گیا، تاریخ و حدیث کی کتب میں بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب کے ساتھ حدیبیہ کی طرف واپس آئے ــــ آپؐ مکہ کی طرف گئے تھے ــــ تو آپؐ حدیبیہ کے ایک کنوئیں پر اُترے جس میں پانی کے موجود ہونے یا نہ موجود ہونے کا پتہ نہ چلتا تھا اور اس کا پانی تھوڑا تھوڑا نکلتا تھا، لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پانی کی کمی کی شکایت کی تو آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر کھینچ کر حکم دیا کہ اسے تھوڑے پانی میں گاڑ دیا جائے تو اس نے جوش مار کر انہیں سیراب کر دیا یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ کر اونٹوں کے باڑے میں آگئے، راوی بیان کرتا ہے کہ وہ کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر اپنے برتنوں کو بھر لیتے تھے، کنوئیں میں تیر لے کر اُترنے والا شخص ناجیہ بن اعجم تھا جو اسلم قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ ناجیہ بن جندب اسلمی تھا، ناجیہ بن اعجم بیان کرتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کی قلت کی شکایت کی گئی تو آپؐ نے مجھے بلایا اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر مجھے دیا اور مجھے کنوئیں سے پانی کا ایک ڈول لانے کے لیے فرمایا، میں ڈول لے کر آیا تو آپؐ نے وضو فرمایا اور منہ میں پانی بھر کر ڈول میں کلی کر دی، لوگ شدید گرمی میں تھے اور کنواں صرف ایک ہی تھا اور مشرکین پہلے ہی بلدح کی طرف جا کر اس کے پانیوں پر قابض ہو چکے تھے آپؐ نے فرمایا پانی میں اُتر جاؤ اور اسے پانی میں ڈال دو اور اس کے پانی کو تیر پر نشان چھوڑنے دو، پس میں نے اسی طرح کیا، اس خدا کی قسم

جس نے حضور علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ابھی نکلا بھی نہیں تھا کہ پانی نے مجھے ڈھانپ لیا اور اس نے ہانڈی کی طرح جوش مارا یہاں تک کہ وہ زمین کے برابر آگیا اور لوگ اس کے کناروں پر بیٹھ کر پانی لینے لگے یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔

اس معجزہ کے متعلق منافقین کا موقف

جب کنویں کے پانی نے جوش مارا تو اس وقت منافقین (عبداللہ بن ابی الجد بن قیس) کا ایک گروہ بھی وہاں موجود تھا، ان کے درمیان معجزہ نبوی کے متعلق مباحثہ شروع ہو گیا، بعض نے عبداللہ بن ابی کو اپنی آنکھوں سے معجزہ دیکھنے کے بعد منافقانہ سیرت کو اپنائے رکھنے پر ملامت کی، لیکن اس نے اپنے ساتھیوں سمیت نفاق کے اندھیرے میں قائم رہنے پر اصرار کیا، ناجیہ بن اعجم بیان کرتا ہے ان دنوں منافقین کا ایک گروہ (الجد بن قیس اور عبداللہ بن ابی) پانی پر بیٹھ کر اسے دیکھ رہا تھا اور کنواں پانی سے جوش مار رہا تھا اور وہ اس کے کناروں پر بیٹھے ہوئے تھے، اوس بن خولی نے عبداللہ بن ابی سے کہا اے ابو الحباب تیرا برا ہو، کیا وقت نہیں آیا کہ تو اپنے رویہ پر غور کرے، کیا اس کے بعد بھی کسی چیز کی ضرورت ہے؟ ہم کنویں پر آئے اس کا پانی تھوڑا تھوڑا ٹپک رہا تھا، پیالے میں پانی کا ایک گھونٹ پڑتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول میں وضو کیا اور اپنے منہ سے ڈول میں کلی کر دی، پھر ڈول کو اس میں انڈیل دیا اور تیر کے ساتھ اس میں اتر کر اسے ملایا تو پانی نے جوش مارا، ابن ابی کہنے لگا، میں نے اس قسم کے معجزے دیکھے ہیں، اوس نے کہا خدا تیرا اور تیری رائے کا ستیاناس کرے۔

ابن ابی کے نفاق کا نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عبداللہ بن ابی نے آپ کے اس معجزے کو

تسلیم نہیں کیا جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اور اوس بن خولی سے مباحثہ کے دوران اس معجزے کے متعلق استہزاء کرتا رہا ۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی ارسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا (ابن ابی خزرج کے سرداروں میں سے تھا) تو آپؐ نے اُسے فرمایا، اے ابوالحباب جیسا معجزہ تو نے آج دیکھا ہے اس جیسا معجزہ کہاں دیکھا ہے؟ تو اس نے جواب دیا میں نے اس جیسا معجزہ کبھی نہیں دیکھا، اُس نے اوس بن خولی سے جو بات کہی تھی اُسے یاد دلاتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا تو نے جو بات کہی ہے کیوں کہی ہے ابن اُبی نے اپنی ناروا بات سے انکار نہ کیا بلکہ شرمندہ ہو کر مسلمانوں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے کہنے لگا میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی معافی چاہتا ہوں، اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے کہا جو بڑے نیک اور نوجوان صحابہ میں سے تھا یا رسول اللہ اس کے لیے استغفار کیجیے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے استغفار کیا۔

الجد بن قیس منافق کی گفتگو

الجد بن قیس اپنی قوم انصار کا سردار تھا، وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض و منافقت میں ابن ابی سے کم نہ تھا لیکن وہ عمرہ کے لیے آپ کے ساتھ نہ نکلا تھا وہ صرف لوگوں کو آپؐ کی مدد سے روکنے اور ان کے دلوں میں (اگر ہو سکے) فتنہ پیدا کرنے کے لیے آیا تھا، واقدی نے ابی قتادہ سے بیان کیا ہے کہ جب ہم حدیبیہ میں اُتر پڑے تو پانی بہت کم تھا، میں نے الجد بن قیس کو کہتے سُنا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا نکلنا کچھ فائدہ مند نہیں ہم سب آدمی پیاس سے مر جائیں گے، ابو قتادہ کہتے ہیں، میں نے کہا ابو عبداللہ یہ بات نہ کہو، تم نکلے ہی کیوں تھے؟ اس نے جواب دیا میں اپنی قوم کے ساتھ نکلا تھا، میں نے کہا پھر تو عمرہ کے لئے کہاں نہیں نکلا

اس نے کہا ، خدا کی قسم ! میں نے احرام نہیں باندھا اور نہ عمرہ کے لیے نکلا ہوں ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اور تو نے عمرہ کی نیت بھی نہیں کی ، اس نے جواب دیا نہیں ۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بلایا اور وہ تیر کے ساتھ کنوئیں میں اُترا ، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول سے وضو کیا اور اس میں کلّی کی ، پھر اُسے کنوئیں میں ڈال دیا تو کنواں پانی سے بھر گیا ، ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ الجد بن قیس کنوئیں کی منڈیر پہ اپنی ٹانگوں کو لٹکا کے پانی میں ڈالے ہوئے ہے ، میں نے کہا ابو عبداللہ تیری وہ بات کیا ہوئی ، اس نے جواب دیا ، میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا ، جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا تذکرہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بالکل نہ کرنا ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ، میں نے یہ باتیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی بتا دی ہوئی ہیں ، تو الجد بن قیس نے غصے ہو کر کہا ہمیں اپنی قوم کے بچوں کے ساتھ رہنا پڑ گیا ہے جو نہ ہمارے شرف سے واقف نہ عمر سے ، آج کے دن زمین کا بطن اس کی پشت سے بہتر ہے ۔

ابو قتادہ کہتے ہیں میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اس بات کا بھی تذکرہ کر دیا تو آپ نے فرمایا اس کا بیٹا اس سے اچھا ہے ۔ ابو قتادہ کہتے ہیں مجھے اپنی قوم کے کچھ لوگ ملے جو مجھے اس کی بات کو رسولِ کریم تک پہنچانے پر نکوہش کرنے لگے ، میں نے انہیں کہا تم بہت برے لوگ ہو تو الجد بن قیس کا دفاع کرتے ہو ؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اس کا دفاع کرتے ہیں وہ ہمارا بڑا اور سردار ہے ، میں نے کہا خدا کی قسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرداری کو بنی سلمہ سے دور کر دیا ہے اور ہم پر بشر بن البراء بن معرور کو سردار بنایا ہے اور الجد کے دروازے پر ہم نے جو نئی جگہیں بنائی ہوئی تھیں انہیں گرا دیا ہے اور وہ جگہیں بشر بن البراء کے دروازے پہ بنائی ہیں پس وہ قیامت تک ہمارا سردار ہے ۔

درخت تلے بیعت کرنے سے رُکنا

ابوقتادہ کہتے ہیں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں لوگوں کو بیعت کی دعوت دی تو الجد بن قیس بھاگ کر اُونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا، میں بھی دوڑتا ہوا نکلا، میں ایک آدمی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جو مجھ سے گفتگو کر رہا تھا ہم نے اُسے اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے نکالا میں نے اُسے کہا تیرا بُرا ہو، تجھے یہاں کون لایا ہے کیا تو اس بات سے بھاگ کر یہاں آیا ہے جسے روح القدس لے کر آیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں مرعوب ہوگیا ہوں اور میں نے خوف ناک آواز سُنی ہے، اس آدمی نے کہا میں کبھی تیری مدافعت نہ کروں گا، تجھ میں کوئی بھلائی نہیں جب الجد بن قیس بیمار ہوا اور اُسے موت آئی، ابوقتادہ اس کے مرنے اور دفن ہونے تک اس کے گھر میں رہا، اس بارے میں اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا خدا کی قسم میں اس کے لیے دُعائے رحمت نہیں مانگتا تھا میں نے اُسے حدیبیہ میں یہ یہ باتیں کہتا سُنا تھا اور غزوہ تبوک میں اس نے اس اس طرح باتیں کی تھیں، میں نے اپنی قوم سے شرم محسوس کی کہ وہ مجھے باہر دیکھیں اور میں اس کے پاس موجود نہ ہوں۔

ایک نوجوان کی فصاحت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت میں ڈال دیا

یمن کے خزاعہ قبیلے کے (مسلمان اور کافر) مسلمانوں کے دوست تھے اس لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیبیہ میں (خزاعہ کی منازل کے قریب) فروکش ہوئے تو خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ محبت و دوستی کے جذبات کا اظہار کیا، اور عمرو بن سالم اور بسر بن سفیان خزاعی نے مسلمانوں کو اُونٹ اور بکریاں ہدیۃً پیش کیں، عمرو اور بُسر نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکریاں ہدیۃً دیں اور عمرو بن سالم نے سعد بن عبادہ کو، جو ان کے دوست تھے اُونٹ ہدیۃً دیے، سعد بکریاں لے کر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو نے ہمیں بھی ہدیہ دیا ہے جو تو دیکھ رہا ہے اللہ تعالے عمرو کے مال میں برکت دے۔

واقدی (المغازی ج ۲ صفحہ ۵۹۲) بیان کرتا ہے کہ ہدیہ ایک نوجوان لے کر آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے سامنے بٹھا لیا وہ ایک بوسیدہ سی چادر میں تھا آپ نے فرمایا اے نوجوان تیرے اہل کہاں ہیں، اس نے جواب دیا میں نے انہیں ضجنان کے گرد و نواح میں چھوڑا ہے، آپ نے فرمایا تو نے اس علاقے کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا اس کے درختوں نے پتے نکالے ہوئے ہیں اور اس کا سبز گھاس بہت ہے اور اس کا ثمامہ گھاس اُگا ہوا ہے اور اس کا تلخ پودا نمایاں ہو گیا ہے اور رات کو اس کی بکریاں اور اونٹ زمین کی سبزی اور ترکاری سے سیر ہو کر آتے ہیں میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے۔ کہ وہاں بہت پانی تھے جہاں مویشی لائے جاتے تھے اور زمین کی رطوبت کی وجہ سے مویشیوں کو پانی کی حاجت کم ہوتی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی زبان نے حیرت میں ڈال دیا، آپؐ نے حکم دیا کہ نوجوان کو پوشاک دی جائے نوجوان کہنے لگا میں آپ کے ہاتھ کو چھو کر برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے قریب ہو جاؤ، قریب ہو کر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور آپؐ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے وہ نوجوانی کی عمر کو پہنچا ہوا تھا اور اُسے اپنی قوم میں فضیلت حاصل تھی یہاں تک کہ وہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں فوت ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو رواج کے مطابق اپنے صلح کے ارادے سے مطلع کیا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں قیام پذیر ہو گئے تو آپؐ نے

قریش کو رواج کے مطابق اطلاع دی کہ آپ جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ مصالحت کے لیے آئے ہیں اور مناسک عمرہ کے ادا کرنے کے سوا آپ کا کوئی اور مقصد نہیں اس کے بعد آپ واپس مدینہ چلے جائیں گے آپؐ نے اپنے خاص نمائندے خراش بن امیہ الکعبی کو زبانی پیغام دے کر قریش کی طرف یہ پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ قریش کو سختی ترک کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش کرو کہ وہ ایسی تباہ کن جنگ کا باعث نہ بنیں جس کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ آپ کے اور مکہ کے درمیان راستہ چھوڑ دیں تاکہ آپ مناسک عمرہ ادا کر لیں اور پھر مدینہ کو واپس چلے جائیں، قریش کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ خزاعہ کا ایک آدمی تھا خراش بن امیہ جس کو صلح کا نمائندہ بھی کہہ سکتے ہیں ــــ قریش کی طرف گیا جہاں وہ تمام اپنے حلیفوں، عورتوں اور بچوں سمیت وادی بلدح میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے ـــــــ اس نے انہیں جا کر بتایا کہ آپؐ جنگ کا نظریہ نہیں رکھتے اور صلح کی طرف مائل ہیں لیکن صلح کا نمائندہ ابھی قریش کے پڑاؤ میں ان کے سرداروں تک پیغام نبوتؐ کو پہنچانے کے لیے پہنچا بھی نہ تھا کہ ان تنور پسندوں میں سے کچھ آدمیوں نے اس کی راہ میں حائل ہو کر اس پر حملہ کر دیا اور جس اونٹ پر وہ سوار تھا اس کی کونچیں کاٹ دیں اور اس کے قتل کا ارادہ کیا، اگر ان کے دانشور اسے نہ بچاتے تو وہ قتل ہو چکا تھا، اس کے قتل کی کوشش کرنے والا عکرمہ بن ابوجہل تھا۔

واقدی بیان کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے قریش کی طرف جس آدمی کو اپنے اونٹ پر بھیجا وہ خراش بن امیہ تھا اس اونٹ کو "ثعلب" کہتے تھے تاکہ وہ قریش کے اشراف تک یہ بات پہنچا دے کہ آپ کس غرض کے لیے آئے ہیں اس نے جا کر کہا وہ فرماتے ہیں کہ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں ہمارے پاس قربانی کے جانور ہیں ہم طواف بیت اللہ کے بعد حلال ہو جائیں گے اور واپس چلے جائیں گے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی

کونچیں کاٹ دیں، یہ کام عکرمہ بن ابوجہل نے کیا اور ایلچی کو بھی قتل کرنا چاہا تو اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اُسے منع کیا تو اس نے ایلچی کا راستہ چھوڑ دیا اس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آتے ہی سب حالات بتا کر عرض کیا یارسول اللہ مجھ سے مضبوط آدمی کو ان کے پاس بھیجیئے۔

صلح کا پہلا ثالث

مؤرخین کا بیان ہے کہ حرم کے پڑوسی علاقے کا پہلا عربی وفد جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، وہ خزاعہ کا وفد تھا اور خزاعہ حضور علیہ السلام کا رازدار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہامہ میں ان کے مسلمانوں اور عدم جارحیت کے معاہدین کو نصیحت کی کہ تہامہ کی کوئی چیز ان پر مخفی نہیں رہے گی، اُن کے وفد نے بدیل بن ورقاء کی سرکردگی میں آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا پھر بدیل بن ورقاء کہنے لگا—— گویا وہ فریقین کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے کے لیے ثالث بننا چاہتا ہے—— ہم آپ کی قوم کے پاس سے آپ کے پاس آئے ہیں وہ غیر قریشی قبائل اور ان کے اطاعت کنندوں کے ساتھ آپ کے مقابلہ میں نکلے ہوئے ہیں ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خواہ ان کے سردار تباہ ہو جائیں وہ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ خالی نہیں کریں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خزاعہ کے سردار کو جو ثالث بن کر آیا تھا جواب دیا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے ہم تو صرف بیت اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں، جس نے ہمیں روکا ہم اس سے لڑیں گے، قریش ایسی قوم ہے جسے جنگ نے نقصان پہنچایا اور کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو میں مدتِ امن کو بڑھا دیتا ہوں جس میں وہ امن سے رہیں گے اور ہمارے لوگوں کے درمیان راستہ کھول دیں گے لوگوں کی اکثریت انہی سے تعلق رکھتی ہے اگر لوگوں پر میرا معاملہ واضح ہو گیا تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائیں

یا جنگ کریں جس کے لیے انہوں نے لوگوں کو جمع کیا ہوا ہے خدا کی قسم میں اپنے معاملے کے متعلق پوری کوشش کروں گا یہاں تک کہ میری گردن اکیلی رہ جائے یا اللہ اپنا امر نافذ کر دے۔

بدیل بن ورقاء کا حضور علیہ السلام کی بات سے متاثر ہونا اور قریش کو آپ کی صلح کی پیشکش قبول کرنے کی نصیحت کرنا

معلوم ہوتا ہے کہ خزاعہ کا سردار قریش کی طرف سے ثالث بن کر نہیں آیا تھا وہ اپنی طرف سے مساعی حمیدہ کو بروئے کار لانے کے لیے آیا تھا تاکہ وہ فریقین کے درمیان صلح کا نمائندہ بن جائے اور ایک لیڈر کی طرح اس کا وزن اور تاثیر ہو وہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ کے دائرہ سے باہر رہ کر ہمیشہ غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا، اس کے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف عدم جارحیت کا معاہدہ تھا نیز وہ اور اس کی قوم قریش کے ساتھ حالتِ جنگ میں نہ تھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے ثالث بدیل بن ورقاء سے جو کچھ کہا اس میں غور کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ اس قول میں عقل مندی تدبیر کی اور عسکری طاقت اور اعتماد کے سب معانی پائے جاتے ہیں، آپ کے اس جواب میں صلح اور خون کی حفاظت کی سچی رغبت پائی جاتی ہے مگر یہ صراحت بھی موجود ہے کہ انہیں جنگ کا کوئی خوف نہیں ہے بلکہ جب قریش سرکشی اور تکبر کے باعث مسلمانوں پر جنگ ٹھونس دیں گے تو وہ اُسے خوش آمدید کہیں گے نیز آپ کے جواب میں یہ مفہوم بھی موجود ہے کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں قریش ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے یہ خیال نکال دیں کہ آپ اپنی دعوت کے جوہر کو پامال کر کے کسی قسم کی دست برداری اختیار کریں گے، بدیل بن ورقاء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنا، اُسے یاد رکھا بلکہ بہت متاثر بھی ہوا، خزاعی وفد میں سے عمرو بن سالم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلصانہ دعوت صلح

سے بہت متاثر ہوا، اس نے بدیل کے ساتھ واپس جا کر قریش سے کہا خدا کی قسم جو شخص اس قسم کی پیشکش کرتا ہے تم کبھی بھی اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے

خزاعی وفد کے مقاطعہ کا مطالبہ

بدیل بن ورقاء اور اس کے وفد کے وادی بلدح میں قریش کے پڑاؤ میں پہنچنے سے قبل ہی سادات قریش کے بعض بے اعتدال نوجوانوں نے قریش کو صلح کے وفد کے مقاطعہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، کیونکہ انہیں پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ یہ صلح کی کوشش کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی قوم کے درمیان جنگ کو روکنے کے لیے آیا ہے، ان بے اعتدالوں نے کہا، کہ یہ بدیل بن ورقاء اور اس کے ساتھی صرف تمہارے حالات دریافت کرنے آئے ہیں پس ان سے ایک حرف بھی نہ پوچھو، جب بدیل اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ ان سے کوئی بات دریافت نہیں کرتے تو بدیل نے کہا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آئے ہیں کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تمہیں کوئی بات بتائیں، عکرمہ بن ابو جہل اور الحکم بن العاص نے کہا، خدا کی قسم ہمیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کے حالات کے متعلق اطلاع دو، بلکہ انہیں ہمارے بارے میں اطلاع دے دو کہ ہم سب فنا ہو جائیں گے مگر انہیں اس سال کبھی بھی یہاں نہیں آنے دیں گے، قریش کے بے اعتدالوں اور خزاعی وفد کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی اسے ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود بھی سن رہا تھا کیونکہ وہ بھی قریش کا حلیف تھا اور جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف قریش کی عسکری مدد کے لیے طائف سے آیا تھا۔

ایسا فعل کرنے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

چونکہ وہ بڑا عقلمند، حاذق اور تجربہ کار آدمی تھا اس نے قریش کے بے اعتدا

اور کم عقل نوجوانوں اور عکرمہ بن ابوجہل کے فعل پر بڑا مناتے ہوئے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کبھی کوئی حیران کن بات نہیں دیکھی تم بدیل اور اس کے ساتھیوں سے بات سننا کیوں پسند نہیں کرتے؟ اگر تمہیں کوئی بات اچھی لگے تو اُسے قبول کر لو، اگر بُری لگے تو اُسے چھوڑ دو، ایسا فعل کرنے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی مکہ کے دانشور اور اشراف (جن میں حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ بھی تھے) عروہ بن مسعود کے مشورہ کو قبول کرنے کی طرف مائل ہو گئے انہوں نے بے اعتدالوں کو خاموش کروا دیا اور بدیل بن ورقاء اور اس کے وفد کے آدمیوں سے کہا جو کچھ تم نے دیکھا یا سُنا ہے اس کے متعلق ہمیں بتاؤ، خزاعی وفد نے انہیں وہ سب باتیں بتا دیں جو ان کے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوئی تھیں پھر انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشکش بھی انہیں بتائی جس میں آپ نے انہیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کے قائم کرنے کے لیے دعوت دی تھی تاکہ دونوں دھڑے مدت معینہ تک ایک دوسرے سے محفوظ رہیں، اس مدت کا آغاز مسلمانوں کو مناسک عمرہ کی ادائیگی کی اجازت دینے سے ہوگا اس دوران میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دیگر بُت پرست عناصر سے جنگ کریں تو قریش غیر جانب دار رہیں گے اگر آپ دیگر عربوں پر غالب آ گئے تو قریش بھی عربوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اگر غالب نہ آئے تو قریش مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت رکھیں گے اور بہت بڑی قوت ہوں گے۔

قریش کا نبویؐ پیشکشوں سے انکار

یہ صلح کی نبوی پیشکش کا خلاصہ ہے جسے بدیل بن ورقاء رضا کارانہ طور پر لے گیا اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو (جیسے کہ وہ کہتے تھے) فریقین کے درمیان صلح کا کبوتر بنا لیا، بدیل اور اس کے اصحاب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح کا پیغام پہنچانے کے بعد آلِ واحد میں قریش کو

کے موقف کی صحیح صورت سمجھ آگئی اور یہ اس صورت کے برعکس تھی جو قریش اور ان کے ثقفی اور غیر قریشی حلیفوں کے سامنے پیش کی گئی تھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب، قریش کی اہانت کرنے اور ان کے وجود کو ختم کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، انہیں حقیقت کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا اور وہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ صرف عمرہ اور مصالحت کے لیے آئے تھے اور جب سے وہ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کی طرف چلے تھے جنگ کا خیال ان کے اذہان میں موجود ہی نہ تھا، اس صحیح ادراک اور موقف کی صحت کی اساس پر عروہ بن مسعود اور الحلیس بن زبان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب غلطی پر نہیں اور وہ محرم ہونے کی حالت میں آئے ہیں زیادتی کرنے والے نہیں وہ صرف بیت اللہ کی تعظیم کا قصد رکھتے ہیں اور دیگر عربوں کی طرح انہیں یہ حق حاصل ہے، اس معاملہ میں کسی کو ان کے درمیان حائل ہونے کا حق حاصل نہیں، عروہ بن مسعود کو اس وقت سمجھ آگئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشکش جس میں آپ نے قریش کو مصالحت، عدم جارحیت اور جنگ کو ختم کرنے کی بات کہی ہے، ایک عادلانہ پیش کش ہے اور ایک صحیح اسکیم ہے جس سے قریش کا انکار کرنا درست نہیں کیونکہ یہ انکار قریش کو عربوں کے سامنے اس قابل نفرت مقام میں کھڑا کر دے گا جس میں سادات مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عروہ بن مسعود نے اپنے قریشی حلیفوں کو برملا ملامت کی، اور انھیں اس نبوی پیش کش کے قبول کرنے کا مشورہ دیا جو مسلمانوں اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح کی اساس پر قائم ہے، عروہ نے انہیں کہا اے گروہ قریش تم مجھ پر تہمت تراشتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا تم ہمارے نزدیک قابل اتہام نہیں ہو پھر اس نے انہیں کہا کیا تم باپ اور میں بیٹا نہیں ہوں؟ میں نے اہل عکاظ کو تمہاری مدد کے لیے اکٹھا کیا ہے جب انہوں نے مجھے جواب دینے سے انکار کیا تو میں خود اور میرے بیٹے اور میرے اطاعت گزار لوگ تمہاری طرف

آ گئے، انہوں نے جواب دیا واقعی تم نے ایسا ہی کیا ہے، عروہ نے کہا میں تمہارا خیر خواہ اور مشفق ہوں میں تمہاری خیر خواہی سے باز نہیں رہوں گا، بدیل تمہارے پاس صحیح اسکیم (نبوی پیشکش) لے کر آیا ہے اسے قبول کرلو، اس کے رد کرنے میں شر پیدا ہوگا، پھر اس نے ان کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاکرات کرنے اور اس نزاع کے بارے میں بحث وتمحیص کرنے میں ان کا نمائندہ اور ثالث ہوگا شاید وہ اس عظیم مشکل کو حل کرے جو تباہ کن جنگ میں تبدیل ہوسکتی ہے جس کے متعلق دونوں فریق اقدام کرنے سے ڈرتے ہیں، عروہ نے قریش سے کہا، مجھے بھیجو میں ان کے پاس سے اس اسکیم کے مصداق ایک پیشکش لے کر آؤں گا اور میں ان پر تمہارا جاسوس بھی ہوں گا اور ان کی خبریں بھی تمہارے پاس لاؤں گا۔

عروہ بن مسعود، مسلمانوں کے پڑاؤ میں

قریش نے عروہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنا نمائندہ بنانے پر اتفاق کیا اور وہ حدیبیہ کی طرف گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ثالث کی طرح اس کا استقبال کیا کہ شاید اس کی وساطت جنگ کے سایوں کو دور کرنے کا باعث بن جائے جو قریش کی سرکشی کے نتیجے میں بڑی واضح طور پر نظر آرہی ہے ثقیف کا سردار یقینی طور پر جانتا تھا کہ حق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف ہے، قریش انہیں مکہ میں زیارت بیت اللہ کرنے اور مناسک عمرہ کے ادا کرنے سے روکنے میں غلطی پر ہیں اس کے باوجود اس نے اپنی قوم کے ایک سیاسی ثالث کی طرح جو اس کے حلیف اور داماد بھی تھے، حدیبیہ میں حضور علیہ السلام سے مذاکرات کے درمیان اس حقیقت سے بیگانگی کا اظہار کیا بلکہ اس نے مذاکرات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملامت کرنے اور اس بحران کے بڑھ جانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالنے کی کوشش کی، کہ

مشورہ دیتے ہوئے اور ان پر تنقید کرتے ہوئے کہا، اے گروہ قریش تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برانگیختہ کرتے ہو، مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنگ کو بھڑکانے والے نہیں اور نہ ہی وہ جنگ کے لیے آئے ہیں وہ تو صرف زیارت بیت اللہ کے لیے آئے ہیں—— تو انہوں نے اُسے گالیاں دیں اور اس پہ مسلمانوں کی جانب داری کی تہمت تراشی پھر انہوں نے اپنے ظالمانہ موقف پہ اصرار کرتے ہوئے کہا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے نہیں بھی آئے خدا کی قسم پھر بھی وہ بزورِ قوت ہمارے ہاں کبھی نہیں آسکتے، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے ساتھ عمرہ کے بہانے ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں—عرب سُنیں گے کہ وہ بزور قوت ہمارے پاس آئے ہیں، ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ہے، خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوگا، ہمارا جاسوس دیکھ رہا ہے۔

دُوسرا ثالث

عروہ بن مسعود نے اپنے حلیفوں کو مشورہ دیا کہ وہ اعتدال کی راہ اختیار کریں اور بدیل بن ورقاء جو نبوی پیشکش لے کر آیا تھا اس کے ٹھکرانے پہ بڑا منایا، عروہ بن مسعود اپنی قوم میں مطاع سردار تھا اور وہ قریش کا حلیف تھا اور حدیبیہ کے بحران کے وقت وہ اپنی قوم کے ساتھ قریش کے پڑاؤ میں موجود تھا اس پر مستنزاد یہ کہ قریش کے ساتھ اس کا رشتہ داری اور دامادی کا تعلق بھی تھا، اس کی ماں سبعہ بنت عبد شمس بن عبد مناف تھی یہ ثقفی سردار اپنے اور اپنے نیا دتی مرکز کے حکم سے قریش کے پڑاؤ میں موجود تھا (ثقفی حلیفوں کی فوجوں کے سالار کے طور پر) اور حدیبیہ کے بحران کے واقعات اور انقلابات کو دیکھ رہا تھا اور اس زبردست بحران میں قریش اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو کچھ ہو رہا ہے اُسے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر رہا تھا جس سے اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب

یہ بحران ایسی جنگ میں تبدیل ہو جائے گا جس میں دونوں فریق تباہ ہو جائیں گے
اس سے اس کا مقصد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منوانا بلکہ ڈرانا تھا
تاکہ عروہ اور اس کے ساتھی اپنے بھنور سے نکل سکیں اور یہ اسی صورت میں
ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بغیر کسی
قید اور شرط کے مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس لوٹ جائیں عروہ نے اپنے
مذاکرات میں اپنی اس غرض کو پورا کرنے کے لیے اس بات کو مرکزی نقطہ
قرار دیا، عروہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا آپ اوباش لوگوں کو
اکٹھا کر کے اپنے اصل کی طرف لے آئے ہیں تاکہ آپ ان کے ذریعہ اُسے توڑ
پھوڑ سکیں پھر عروہ قریش کی فوجی قوت کی بڑائی کو بیان کرنے لگا اور یہ اشارہ
کیا کہ قریش آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے
کی طاقت رکھتے ہیں اس نے کہا قریش اپنی عورتوں اور بچوں سمیت آئے ہیں
انہوں نے چیتے کی کھالیں پہنی ہوئی ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے
کہ وہ آپؐ کو بزور قوت کبھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، اے محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) میں نے آپؐ کی قوم کعب بن لوئی اور عامر بن لوی کو حدیبیہ میں اس
پانی کی طرح چھوڑا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، وہ آپ کے مقابلہ میں غیر قریشی
قبائل اور ان کے اطاعت گزاروں کو بھی لے آئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم
کھاتے ہیں کہ جب تک تم انہیں تباہ نہ کر دو وہ تمہارے اور بیت اللہ کے
درمیان حائل رہیں گے، ان سے جنگ کرنے میں آپ کو دو باتوں میں سے
ایک بات اختیار کرنی پڑے گی یا تو آپ اپنی قوم کو تباہ کر دیں اور ہم نے
آپ سے پہلے کسی کو اپنے اصل کے تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی یا جو
لوگ تمہارے ساتھ ہیں وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دیں، پھر عروہ نے یہ کوشش
بھی کی کہ صحابہ پر آپؐ کے اعتماد کو کم کرے اور آپ کے دل میں یہ خوف
جاگزیں کر دے کہ قریش اور ان کے درمیان ہمہ گیر جنگ ہونے کی صورت

ہیں ان پر بھروسہ کرنا ممکن نہیں، اس نے کہا اے محمد خدا کی قسم میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں یہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے یہ صرف اوباش قسم کے لوگ ہیں جن کے چہروں اور انساب کو میں نہیں جانتا، یہ ایسی لائق ہیں کہ آپؐ سے بھاگ جائیں اور آپؐ کو چھوڑ دیں۔

حضرت صدیقؓ اور عروہ بن مسعودؓ کے درمیان تیز کلامی

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، مذاکرات کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے وہ عروہ بن مسعود کی اس بات پر بہت سیخ پا ہوئے جس میں اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی قوت سے ڈرایا تھا اور آپ کے اصحاب کے نقائص بیان کیے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے برافروختہ ہو کر عروہ سے کہا، لات کی شرمگاہ کو کاٹ (لات ثقیف کا بت تھا) کیا ہم آپؐ سے بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے کہا اے محمدؐ! یہ کون ہے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ ہیں۔ عروہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے کہا خدا کی قسم اگر تیرا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں تجھے ابھی تک نہیں دے سکا میں تجھے اس بات کا جواب نہیں دوں گا۔

عجیب امتیاز

اسلامی تعلیمات کی قدرت کے عجیب امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو سرکش شیطان سے بدل کر ایک مثالی آدمی اور صاحب فضیلت و شرافت انسان بنا دیتا ہے مغیرہ بن شعبہ ثقفی (جو عروہ بن مسعود کا بھتیجا تھا) عروہ کے ساتھ مذاکرات کے دوران رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والوں میں سے ایک تھا، قبولِ اسلام سے پہلے مغیرہ ایک غریب، شرپسند اور ڈاکو نوجوان تھا، مگر حلقہ بگوش اسلام ہونے نے اُسے ایک اور ہی

انسان بنا دیا، وہ ان چنندہ اور طاقت ور مومن جوانوں میں سے ایک تھا جنہیں جنگ کی گمبھیر فضا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے چنا گیا تھا۔

مغیرہ کا اپنے چچا کو تلوار کا دستہ مارنا

عربوں کا زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ گفتگو کے دوران ایک لیڈر، دوسرے مدِ مقابل کی ڈاڑھی کو پکڑ لیتا، اس اصول کے مطابق بحث کے دوران عروہ بن مسعود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کو پکڑتا اس حرکت کو مغیرہ بن شعبہ نے قبیح خیال کرتے ہوئے اپنے چچا کو ڈانٹا اور تلوار کے دستے کو اس کے ہاتھ پہ مارتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کو چھونے سے روکیے، مغیرہ کی اس تہدید کو عروہ نے ایک گستاخی خیال کرتے ہوئے کہا، تو کس قدر سخت اور تند خو ہو گیا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، عروہ مشرک اور اس کے مسلمان بھتیجے کی اس گفتگو پہ مسکرا رہے تھے، مغیرہ چونکہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھا اور زرہ سے اپنے آپ کو ڈھانپے ہوئے تھا اس لیے اس کا چچا عروہ بھی اسے پہچان نہ سکا، یہی وجہ ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ قریب تھا کہ وہ غصے سے پھٹ جائے ۔ اے محمدؐ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون شخص ہے جس نے آپؐ کے اصحاب کے درمیان مجھے رنجیدہ کیا ہے، قسم بخدا مجھے معلوم نہیں کہ تم میں اس سے بھی کوئی بُرا آدمی موجود ہو، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عجیب انداز پر مسکرا کر فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے، یہ بات سُن کر عروہ کا غصہ بڑھ گیا، قریب تھا کہ وہ غصے میں کوئی جرم کر بیٹھتا، اس نے کہا اے خائن خدا کی قسم ابھی کل ہی میں نے تمہاری خیانت کو عکاظ میں دھویا ہے نیز ہمیں ثقیف کے ساتھ ہمیشہ عداوت کرنی پڑے گی، عروہ بن مسعود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تاکہ آپ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں اور اس نے

اشارۃً آپ کو قریش کی قوت سے متاثر کرنا چاہا کہ آپ کے اور آپؐ کے اصحاب کے لیے بہتر یہی ہے کہ جب تک مکہ میں قریش کی حکومت ہے وہ اپنے اذہان سے طوافِ بیت اللہ کی اُمید کو ختم کر دیں، مگر یہ سب کوششیں ناکام ہو گئیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو، مکہ میں داخل ہونے اور جب چاہیں بیت اللہ کے طواف کرنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ اس حق کو حاصل کرنے کے لیے مکہ میں بنوکِ شمشیر داخل نہیں ہوں گے ــــــ یہ بات آپؐ نے خون کی حفاظت کرنے اور اس اُمید پر کی کہ قریش کے دانشور، سرکشی کی مستی سے ہوش میں آئیں اور کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جس میں خونریزی نہ ہو اور مسلمانوں کے لیے راستہ کھول دیں تاکہ وہ زیارت بیت اللہ کے طبعی حق کو حاصل کر لیں اور اس معاملہ میں ان کی حیثیت سب عربوں جیسی ہو، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عروہ بن مسعود کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی وہ بحران کو روکنے والے کسی اتفاق کے بغیر ختم ہو گئی ــــــ ہاں ان مذاکرات میں عروہ بن مسعود کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ مسلمان صدق دل سے صلح کے خواہش مند ہیں اور عملاً وہ ایک روحانی سفر پر آئے ہیں (عمرہ کرنے نہ کہ جنگ کرنے) اور قریش، عام قبائل اور اعراب میں یہ جھوٹی بات مشہور کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیت اللہ کی بے حرمتی کرنے کے لیے آئے ہیں اور وہ جنگ کے ارادے سے بزورِ قوت مکہ میں داخل ہو جائیں گے۔

اے گروہِ قریش میں دیکھ رہا ہوں کہ تم عذاب میں مبتلا ہو گئے

لہٰذا قریش کا دوسرا ثالث بھی ناکام مذاکرات کے بعد قریش کی طرف واپس آ گیا اور انہیں انتباہ کرتے اور صحیح مشورہ دیتے ہوئے کہنے لگا کہ وہ تیز آندھی کے سامنے اپنے سر جھکا دیں تاکہ وہ سلامتی سے گزر جائے اور اپنے

غلو کو کم کریں نیز اس نے انہیں یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ مسلح تصادم کر کے اپنے آپ کو بھنور میں نہ پھنسائیں، کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق اگر قریش نے جلد بازی اور ظلم سے کام لیا تو ہزیمت انہی کے مقدر میں ہو گی، یہ حقیقت جو اس کے سامنے واضح ہوئی اس کے حلیفوں سے بھی مخفی نہ تھی —— یہ حقیقت اسے آپؐ کے پڑاؤ میں اسلامی قوتوں کی وحدت مسلمانوں کی اپنے نبیؐ سے عجیب و غریب محبت اور آپؐ کے تحفظ و دفاع میں جیرت انگیز فنائیت کی روشنی میں نظر آئی جو نہ اس سے قبل اس نے دیکھی تھی نہ سنی تھی، عروہ نے سادات مکہ سے کہا اے گروہِ قریش میں کسریٰ، ہرقل اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس گیا ہوں خدا کی قسم جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں میں نے کسی بادشاہ کی بھی اس طرح اطاعت ہوتے نہیں دیکھی وہ اس کی طرف تیز نظروں سے بھی نہیں دیکھتے اور نہ اس کے پاس آواز بلند کرتے ہیں، کسی کام کے ہو جانے کے لیے ان کا اشارہ کر دینا ہی کافی ہے، ان کا تھوک اور کھنگار بھی کسی آدمی کے ہاتھ پر ہی پڑتا ہے اور وہ اسے اپنے جسم پر مل لیتا ہے۔ ان کے وضو کے پانی کو لینے کے لیے لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں، میں نے انہیں انتباہ کر دیا ہے یاد رکھو اگر تم نے تلوار اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ تمہیں فنا کر دیں گے، میں نے انہیں دیکھا ہے جب وہ اپنے آقا کا دفاع کر رہے ہوں تو وہ اس بات کو خاطر میں نہیں لاتے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے خدا کی قسم میں نے ان کے ساتھ عورتیں بھی دیکھی ہیں وہ بھی ہر حال میں ان کی حفاظت کریں گی۔ اب اپنی رائے دو اور رائے کی کمزوری سے بچو۔

عروہ بن مسعود کا قریش کو مشورہ دینا

پھر اس نے انہیں مشورہ دیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جنگ کی حالت کو ختم کرنے کے لیے صلح کی جو پیشکش کی ہے اُسے قبول کرلیں اور
انہیں انتباہ کیا کہ کم عقل مسلمانوں سے تمہارا مسلح تصادم کرو ا دے گی کیونکہ اُسے
یقین ہوگیا تھا کہ قریش مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے اُس نے مسلمانوں کو حرم
میں داخل ہونے سے روکنے پر قریش کے امراز پر تنقید کرتے ہوئے کہا "اس
نے تمہیں ایک اسکیم پیش کی ہے پس تم اسُ سے صلح کی ایک مدت مقرر کرلو ،
اے قوم میں تمہارا خیر خواہ ہوں جو اسکیم تمہیں پیش کی گئی ہے اُسے مان لو،
مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس پر غالب نہیں آسکو گے پھر اس نے بڑے تعجب سے
قریش کے فعل پر برا مانتے ہوئے کہا ایک آدمی اس گھر کی تعظیم کے لیے آیا
ہے اس کے ساتھ قربانیاں بھی ہیں وہ انہیں ذبح کرکے واپس چلا جائے گا
سادات وزعمائے مکہ نے جب اپنے حلیف عروہ بن مسعود کی بات سُنی تو
وہ شرمندہ ہوئے ، اور انہیں معلوم ہوگیا کہ اس آندھی کے سامنے سر جھکائے
بغیر کوئی چارہ نہیں ، پس انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں داخلہ سے روکنے کے
خیال کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کا
بھی فیصلہ کیا ، لیکن اس صورت میں کہ ان کی بھی کچھ آبرو باقی رہ جائے اور وہ اس
طرح کہ اس سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب مدینہ واپس
چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے کے لیے آئیں یہ وہ
بات تھی جس پر قریش بے سمجھی کی حالت میں اتفاق نہ کرسکتے تھے انہوں نے
اعلان کردیا ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کبھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے
انہوں نے اپنے حلیف عروہ کو اپنے اس منصوبے سے آگاہ کیا کہ وہ اس
منصوبے کی اساس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صلح کی پیشکش کریں
گے اور اُمید رکھیں گے کہ وہ اسے درمیانی حل کے طور پر قبول کرلیں گے ،
انہوں نے عروہ سے کہا اے ابویعفور یہ بات نہ کرنا (ابو یعفور اس کی کنیت
تھی) ہم انہیں اس سال واپس کریں گے آئندہ سال وہ اپنے اصحاب کے

ساتھ مکہ میں داخل ہونے کے لیے آئیں، عروہ نے کہا، میں تمہیں عذاب میں مبتلا ہوتے دیکھ رہا ہوں ——— پھر وہ اپنے ثقفی ساتھیوں کے ساتھ طائف کی طرف واپس چلا گیا۔

شرک کے پڑاؤ میں پہلی پھوٹ

قریش کے تشدد اور زیادتی پر احتجاج کرتے ہوئے عروہ بن مسعود ثقفی کا اپنی قوم کے ساتھ طائف کی طرف واپس جانا، قریش کے پڑاؤ میں عملاً پہلی پھوٹ قرار پائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ قریش کے پڑاؤ سے اس کے اخراج نے قریش کی مرکزی قوت کو بہت حد تک کمزور کر دیا اور باوجود صلح کی رغبت اور مسلح تصادم کے خوف کے اپنے عناد پر قائم رہے اور یہی ظاہر کرتے رہے کہ خواہ نتائج کچھ بھی ہوں وہ مسلمانوں کو روکنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے ہیں ——— یہ بات ایک جنگی داؤ پیچ کے طور پر اور اس اُمید پر اختیار کی گئی کہ مسلمان حدیبیہ میں مُحرم، پراگندہ مُو اور غبار آلود حالت میں لمبا عرصہ قیام کرنے سے تنگ آ کر بغیر بیت اللہ کا طواف کیے، اور مکہ میں عمرہ کے لیے داخلہ کی گارنٹی حاصل کیے بغیر مدینہ واپس جانے پر مجبور ہو جائیں گے، چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے عدم دلچسپی کا اعلان کر چکے تھے اور وہ خون کی حفاظت اور حرم کی صیانت کے سبب قریش کے کسی بھی منصوبہ کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے اس لیے قریش کی حرص میں اضافہ ہو گیا اور اس بات نے جنگی داؤ پیچ استعمال کرنے اور تہدید و تخویف پر قائم رہنے پر ان کی حوصلہ افزائی کی، باوجودیکہ اس مشکل کے حل کے لیے قریش کی جانب سے ہمیشہ ثالث آتے رہے اور سب یہی بات کہتے رہے کہ مسلمان مدینہ واپس چلے جائیں ——— جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ——— پھر بھی فضا کشیدہ رہی اور حدیبیہ میں مسلمانوں کے طویل قیام نے اس کشیدگی میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس تمام مدت میں حرم میں داخلہ سے رُک کر، وہاں ٹھہرا رہنا مسلمانوں پر گراں ہو گیا ——— یہ وہ بات تھی جس پر وہ زیادہ صبر نہیں کر سکتے تھے، صبر کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں ——— خصوصاً اس لیے بھی کہ وہ مکہ میں داخل ہونے کی

طاقت رکھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ قریشی افواج ان کے سامنے ٹھہرنے کی بالکل طاقت نہیں رکھیں گی۔

تیسرا ثالث

مکرز بن حفص، قریش کے شیاطین میں سے تھا اور ان کا سردار بھی نیز فریب و خیانت میں مشہور تھا جب دوسرا ثالث (عروہ بن مسعود) حضور علیہ السلام کے ہاں ثالثی میں ناکام ہو گیا تو قریش نے مکرز کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حدیبیہ میں ثالث کے طور پر بھجوایا کہ شاید وہ اس بحران میں جو قریش کو الجھاؤ میں بڑھتا نظر آ رہا تھا۔ قریش کے لیے کچھ کمائی کر لے، خصوصاً ایک طاقت ور حلیف عروہ بن مسعود کے چھوڑ جانے کے بعد، جو قریش کی ہٹ دھرمی، زیادتی اور اس کے مشورے پر قریش کے کان نہ دھرنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مصالحانہ منصوبے کے قبول کرنے میں ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے (جسے آپ نے خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء کے ذریعے پیش کیا تھا) اپنی قوم کے ساتھ قریش کے پڑاؤ سے نکل کر چلا گیا تھا۔

تیسرے ثالث کی ناکامی

فریقین کے درمیان جو بحران موجود تھا، اس پر گفتگو کرنے کے لیے تیسرا ثالث مکرز بن حفص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے حدیبیہ پہنچا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اُسے آتے دیکھا فرمایا یہ شخص خائن ہے اس کے باوجود آپ نے حدیبیہ میں اپنے ہیڈ کوارٹر میں مکرز کا استقبال کیا اور باوجود اس بات کے جاننے کے کہ یہ ایک ناقابل اعتماد اور خائن آدمی ہے، آپ نے اس کی ملاقات سے انکار نہیں کیا، مکرز نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی آمد کے متعلق گفتگو کا آغاز کیا، مکرز کی گفتگو میں مرکزی بات یہی تھی۔

جیسا کہ معلوم ہوتا ہے ـــــ کہ وہ آپؐ تک یہ بات پہنچا دے کہ قریش آپؐ کی واپسی میں دلچسپی رکھتے ہیں، وگرنہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ دو ثالثوں سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ مکرز کو جواب دیا کہ وہ قریش کو روا جا یہ بات پہنچا دے کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے وہ صرف زیارت بیت اللہ کے لیے آئے ہیں ـــــ مگر جو ان سے جنگ کرے گا اس کے ساتھ جنگ کرنے کو وہ تیار ہیں مکرز نے واپس آکر قریش کو بتایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی موقف پر قائم ہیں جو آپ نے پہلے دو ثالثوں عروہ اور بدیل کو بتایا تھا۔

چوتھا ثالث

جب مکرز بھی ثالثی میں ناکام ہوگیا تو قریش غیر قریشی قبائل کے سردار حلیس بن زبان، جو ان کا سب سے بڑا حلیف تھا۔ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا چوتھا ثالث بن کر جائے شاید وہ اس عظیم نزاع کو ان کے مفاد میں حل کر سکے، حلیس بن زبان بڑا عقل مند اور صاحب بصیرت اور مطاع سردار تھا ـــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ خدا اور حرم کی بہت تعظیم کرتا ہے اس لیے قریش نے اُسے اپنا ثالث انتخاب کرتے وقت یہ اُمید بھی کی تھی کہ وہ اپنے دار السلطنت کی وجہ سے عربوں میں ممتاز ہے مگر وہ بھی آپؐ پر اور آپ کے اصحاب پر کوئی اثر نہ ڈال سکا، جس کے نتیجہ میں وہ مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جاتے یا کسی اور وقت مکہ میں داخلہ کی اجازت کی گارنٹی انہیں مل جاتی۔

قریش کے پڑاؤ میں خطرناک پھوٹ

قریش نے غیر قریشی قبائل کے سردار سے جو اُمیدیں وابستہ کی تھیں، معاملہ

اس کے برعکس ہوا اور اس ثالثی کے نتیجہ میں فیصلہ کن پوائنٹ اسلامی پڑاؤ کے مفاد اور اس اصول اور نظریہ کی تائید میں ہو گیا، جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب تمسک کیے ہوئے تھے اور وہ یہ تھا کہ انہیں بیت اللہ کے طواف کا حق حاصل ہے اور کوئی شخص بھی انہیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ حلیس بن زبان نے قریش کی جانب سے ان کے بیٹے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ثالث بن کر جانا قبول کر لیا —— قریش حقائق کو توڑ مروڑ رہے تھے اور حلیس اور اس جیسے دیگر حلیفوں کو اشتباہ میں ڈال رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے آئے ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف جنگ و قتال سے بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرنا ہے، حلیس، حدیبیہ میں مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچنے تک اپنے دل کے اندر یہی غلط نظریہ رکھتا تھا، جسے بت پرست مشرک قریشیوں کے پروپیگنڈہ نے ذہن میں بٹھا دیا تھا۔

انہیں بیت اللہ سے روکنا قریش کو روا نہیں

حلیس، قریش کے پڑاؤ سے نکل کر جو حرم کے اندر تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جہاں آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حدیبیہ میں حرم کے باہر پڑاؤ کیے ہوئے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اسے آتے دیکھا اپنے صحابہ سے فرمایا یہ ایسی قوم کا فرد ہے جو عبادت کرتے اور معبود کی تعظیم کرتے ہیں، اس کے سامنے قربانی کے جانور لے جاؤ تاکہ وہ انہیں دیکھ لے، صحابہ حضورؐ کے حکم کے مطابق قربانی کے جانور اس کے سامنے لے گئے حلیس نے جب قربانی کے جانوروں کو وادی کے چوڑان میں قلادوں سمیت دیکھا کہ حرم میں ذبح ہونے کی جگہ سے رکنے کی وجہ سے ان کی اُون ختم ہو گئی ہے اور مسلمانوں کو اس نے تلبیہ پڑھتے ہوئے خوش آمدید کہتے دیکھا کہ وہ لمبا عرصہ احرام میں رہنے کی وجہ سے پراگندہ مو ہو گئے ہیں تو اس نے قریش

کی کارروائی پر بُرا مناتے ہوئے چیخ کر کہا سبحان اللہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا روا نہیں خدا تعالیٰ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ لخم ، جذام ، نہد اور حمیر تو حج کریں اور عبدالمطلب کے بیٹے کو حج سے روکا جائے ؟ پھر اس نے قریش پر شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا رب کعبہ کی قسم قریش ہلاک ہوگئے ، یہ لوگ تو صرف عمرہ کرنے آئے ہیں ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کہا بنی کنانہ کے بھائی بے شک ہم عمرہ کرنے ہی آئے ہیں بنی کنانہ کا سردار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کوئی بات کیے واپس چلا گیا کیونکہ جو باتیں اس نے مشاہدہ کی تھیں اُن سے اس نے تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کی کارروائی حق پر مبنی نہیں اس نے واپس آکر قریش سے کہا میں نے جو چیز دیکھی ہے اس کا روکنا جائز نہیں میں نے قربانی کے جانوروں کو قلادوں سمیت دیکھا ہے جنہیں ان کی قربان گاہ سے روک دیا گیا ہے ، لوگ بھی طواف نہ کرنے کے باعث میلے کچیلے ہوگئے ہیں اور انہیں جوئیں پڑ گئی ہیں ، خدا کی قسم ہم اس بات کے لیے آپ لوگوں کے حلیف نہیں بنے اور نہ ہم نے تم سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کی حرمت کی تعظیم کرتا ہوا اور اس کا حق ادا کرتا ہوا آئے اور قربانی کا جانور ساتھ لائے تم اُسے بیت اللہ سے روکو اور اس کی قربانی کو قربان گاہ تک نہ پہنچنے دو ، قریش کو ، اس کی صراحت پر بڑا غصہ آیا ، انہوں نے دیکھا کہ اس صراحت میں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل کو تقویت پہنچتی ہے انہوں نے حلیس کو مذاق کرتے ہوئے کہا ، بیٹھ جاؤ تم تو صرف ایک بدو ہو اور تمہیں کچھ علم بھی نہیں ۔

حلیس کا قریش کو انذار کرنا

اس موقع پر کنانی سردار ، قریش کی بات پر برافروختہ ہوگیا پھر اس نے قریش کو دھمکاتے ہوئے کہا کہ وہ باہمی معاہدہ حلف کو توڑ دے گا اور اگر قریش اپنی جہالت سے باز نہ آئے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائے گا

اور دیگر عربوں کی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے لیے بیت اللہ کے طواف کا دروازہ کھول دے گا، اس نے کہا اے گروہِ قریش! خدا کی قسم ہم نے اس بات پر تم سے معاہدہ نہیں کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حلیس کی جان ہے کہ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جس کام کے لیے وہ آئے ہیں اس کے درمیان راستہ کھولنا پڑے گا، میں تمام غیر قریشی قبائل کو ایک آدمی کی طرح یہاں سے لے جاؤں گا، حلیس کا یہ مردانہ انداز، مشرکین مکہ کی صفوں میں خوف اور گھبراہٹ پیدا کرنے اور اپنے ظالمانہ موقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے کافی تھا، حلیس کی یہ تہدید کہ اگر انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو بیت اللہ کا طواف نہ کرنے دیا تو وہ معاہدہ تحالف کو توڑ دے گا۔ یہ ایک خطرناک پھوٹ تھی بلکہ ایک خطرناک تمرّد تھا جو مکہ کے مشرکین کے پڑاؤ میں پیدا ہوا جو جنگ کے لیے تیاری کر رہے تھے حلیس بن زبان کنانی کی قیادت میں متعدد غیر قریشی طاقتور قبائل تھے جو حلف کے ذریعہ قریشی بن گئے تھے قریش جس سے صلح کرتے وہ اس سے صلح کرتے اور جس سے جنگ کرتے اس سے جنگ کرتے، یہ قبائل بنو الھون بن خزیمہ، بنو الحرث بن عبد مناف بن کنانہ ——— اور بنو المصطلق بن خزیمہ تھے۔

ان قبائل کا قریش کے خلاف بغاوت کرنا اور باہمی حلف کو توڑ دینا، قریشی پڑاؤ میں ایک بجلی کے کڑکے کی مانند تھی خصوصاً اس جنگی حالت میں جس میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان کشیدگی اپنی انتہاء پر تھی، حلیس کی تصریحات سے قریشی پڑاؤ میں لرزہ پڑ گیا اس نے جو بات بھی اپنے ارتداد میں کی اس سے مراد مکہ کے سرکش اور نافرمان لوگ تھے، حلیس نے سادات مکہ کی سرکشی کے خلاف جو موقف اختیار کیا اس سے انہیں تفرقے کا لرزہ پیدا کر دینے والا خطرہ سامنے نظر آنے لگا اور قریش کے کم عقلوں اور عقل مندوں پر یہ بات واضح ہو گئی ——— کہ اگر حلیس کے ساتھی مسلمان نہیں

—— مگر وہ سب کے سب سرکشی پہ راضی نہیں اور نہ ہی وہ ظلم و زیادتی پر قائم رہنا چاہتے ہیں —— قریش نے اپنے مشرک حلیف سے جب یہ بات سنی کہ وہ ان کی ظالمانہ کارروائیوں پر غمگین ہے اور بحران کی ذمہ داری ان کے اس تنگدلانہ موقف پر ڈالتا ہے جو ایک ایسی جنگ کا الزام دے رہا ہے جس کا جواز صرف اکھڑپن اور کم عقلی سے ہی ہو سکتا ہے۔ حلیس کے دانشمندانہ موقف کے بعد، جو اصل عربی خلق سے پیدا ہوا تھا، قریش کو ادنیٰ شک بھی باقی نہ رہا کہ تہور پسندوں کم عقلوں اور جنگ کے داعیوں کی بات کے قبول کرنے سے انہیں بہت بڑے بھنور میں پھنسا دیا ہے اور انہوں نے بے عقلی سے یہ اعلان کر دیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو زیارت بیت اللہ سے روکیں گے خواہ انہیں اس کے لیے تلوار سونتنی پڑے اور جنگ کے ذریعہ انہیں روکنا پڑے، باوجودیکہ انہیں یہ یقین تھا کہ مسلمانوں کی نیت مصالحانہ ہے اور وہ جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کے لیے آئے ہیں۔

بھنور سے نکلنے کے متعلق بحث

حلیس کے قریش کی احمقانہ کارروائیوں پہ غصے ہونے اور شدید انتباہ کرنے کے بعد قریش کے سردار اور لیڈر سنجیدگی سے اس بھنور سے نکلنے کے لیے بحث کرنے لگے جس میں خود انہوں نے اپنے آپ کو گرایا تھا، انہیں سمجھ آ گئی کہ اس بھنور سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح کیے بغیر نکلنا ممکن نہیں اس طرح ان کی آبرو بھی رہ جائے گی کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم سب فنا ہو جائیں گے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں کبھی داخل نہیں ہونے دیں گے اس صلح میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جس میں کامیاب ہوئے بغیر قریش کے لیے اس بھنور سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی، انہوں نے اپنے سب سے بڑے حلیف، حلیس کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا شروع کیا اس بات نے ان کی

تمام سرکشانہ کارروائیوں کا نشہ اتار دیا اور وہ پوری طرح ہوش میں آ کر اپنے ظالمانہ جرم کو دیکھنے لگے قریب تھا کہ اس کی ہلاکتیں انہیں ہر جانب سے گھیر لیتیں، سادات قریش نے حلیس سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں اس بھنور سے نکلنے کے لیے بحث و تمحیص کا کافی موقع دے، انہوں نے کہا اے حلیس! بس کیجیے اور ہمیں اپنی مرضی کی بات اختیار کر لینے دیجیے اور جس بات کے وہ خواہاں تھے وہ یہ تھی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کی ٹھان چکے تھے، حلیس نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا اور وہ اپنے اندازے کے نتائج کو دیکھنے کے بعد ان سے الگ نہ ہوا کیونکہ انہوں نے اپنے سخت موقف سے رجوع کر لیا تھا اور مسلمانوں سے صلح کرنے کی سعی کر رہے تھے حلیس کی تصریحات نے قریش کو سخت الجھن میں ڈال دیا اور قریشی پڑاؤ کے اندر ان کے موقف کی سختی کی وجہ سے بہت سی آوازیں بلند ہوئیں جنہوں نے قریش کی احمقانہ حرکت (مسلمانوں کو ازراہ ظلم و زیادتی بیت اللہ کی زیارت سے روکنے) پر بڑا مذاق اڑایا قریش نے اپنے آپ کو ایک ناقابل رشک مقام پر پایا ــــ جو کھینچا تانی کے درمیان تھا ــــــ اور وہ حیرت و تردد کی فضا میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے ان پر اس سے زیادہ اور کوئی بات گراں نہ تھی کہ قریش کی اس قوت و شوکت اور عزت کے ہوتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب مکہ میں داخل ہوں حالانکہ وہ کل نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکلے تھے اور اپنے سروں کو بچاتے ہوئے، موقع ملنے پر رات کی تاریکی میں مکہ کو چھوڑ گئے تھے، قریش جو عربوں میں ممتاز مقام کے حامل تھے جن کی اکثریت اس وقت تک شرک کرنے میں قریش کی تابعدار تھی کیونکہ بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے انہیں قیادت کا مقام حاصل تھا جب وہ یہ بات سنیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پندرہ سو صحابہ امن و امان سے بغیر اس کے شرک و بت پرستی کے خادم ان سے کسی قسم کا مقابلہ کریں مکہ میں داخل ہو گئے ہیں تو قریش کے روحانی اور سیاسی مرکز کا انجام کیا ہوگا اور جزیرہ کے عربوں کے درمیان ان کے مرکز کا مقدر کیا ہوگا، اس کا انجام تو معلوم ہی ہے کہ تمام بت پرست

عربوں کے دلوں میں اس مرکز کا مقام گر جائے گا، قریش کے باغی بھی یہی کچھ تصور کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ سادات مکہ کے دلوں میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وہ مکہ میں مسلمانوں کو داخل نہ ہونے دیں خواہ اس کے لیے مسلح فوج استعمال کرنی پڑے، اس خواہش کے باوجود مشرکین کو کامل یقین تھا کہ جب ان کے اور حدیبیہ میں پڑاؤ کرنے والے مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی تو انہیں نقصان ہوگا یہ شعور انہیں ان سخت عملی تجربات سے حاصل ہوا تھا جن سے قریش بدر، اُحد اور خندق میں دوچار ہوئے تھے جہاں انہیں تھوڑے سے مسلمانوں نے بدترین شکستیں دی تھیں تین سو مسلمان چھیٹا مارنے والے چیتوں کی طرح مکہ کے اُن صنادید اور سوار شہسواروں پہ ٹوٹ پڑے جو ہر چیز میں ان سے فوقیت رکھتے تھے —— اور ان کو گھاٹیوں اور گڑھوں میں یوں بکھیر دیا جیسے آندھی، خریف کے پتوں کو بکھیر دیتی ہے، یہ بات ہمیشہ سادات مکہ کے لیے ایک خوف ناک کابوس بنی رہی اور جب کبھی وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اور انہیں بزور قوت بیت اللہ سے روکنے کے متعلق سوچتے، یہ انہیں پیچھے کی طرف دھکیل دیتی، اور حلیس کے موقف نے اس میں مزید اضافہ کردیا کیونکہ اس نے قریش کی ظالمانہ کارروائیوں پہ افسوس کا اظہار کیا تھا اور حرم کے اندر ہونے والے مسلح تصادم کی ذمہ داری ان پر ڈالی تھی بلکہ اس نے اُنتباہ کیا تھا کہ اگر قریش اپنے تکبر و سرکشی پر مُصر رہے تو وہ اس تصادم میں اپنے ہاتھوں کو خون سے نہیں رنگے گا، دُوسری جانب مسلمانوں کے موقف کی قوت میں اضافہ ہوگیا۔
خصوصاً اس لیے کہ حرم کے اندر قریشی پڑاؤ میں حلیس بن زبان اور حرم کے غیر قریشی پڑوسیوں کے درمیان بدیل بن ورقاء جیسے لوگ ان کے مؤید تھے اور ان کو حق بجانب سمجھتے تھے اور قریش کو ملامت کرتے تھے اور سخت بحران کی ذمہ داری اُن پر ڈالتے تھے قریب تھا کہ اس سے جنگ کی آگ مشتعل ہو جائے —— لیکن سادات مکہ کو ان کے ظالمانہ مقاصد کو پورا کرنے کی جھوٹی امید بھکاتی رہی۔

فصل سوم

- حدیبیہ میں مشرکین کا مسلمانوں پر حملہ کرنا۔
- مسلمانوں کے ہاتھوں میں مشرک قیدیوں کا آنا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں معاف فرما کر آزاد کر دینا۔
- قریش کا حضرت عثمان بن عفان کو مکہ میں روکنا اور ان کے قتل کی خبر مشہور کرنا۔
- حدیبیہ میں مسلمانوں کے موقف میں تیزی کا پیدا ہونا۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے جنگ کا فیصلہ کرنا اور اپنے اصحاب کو جنگ کے لیے تیار کرنا۔
- حدیبیہ میں درخت تلے صحابہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنا۔
- حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ حالتِ جنگ سے قریش کا خوف زدہ ہونا۔
- نئے موقف پر بحث کے لیے مکہ کی پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس۔
- جنگ کی کوشش کے بعد قریش کا صلح کے لیے کوشش کرنا۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح کو خوش آمدید کہنا۔
- حدیبیہ میں قریش کا مذاکرات کرنے والا وفد۔
- فریقین کے درمیان صلح کی گفتگو۔
- صلح کی شرائط پر فریقین کا اتفاق۔

- صلح کے لیے مسلمانوں کا سخت معارضہ کرنا۔
- حضرت عمر بن الخطاب کا قریش کی بعض شرائط پہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقاداً مجادلہ کرنا۔
- صلح کی بعض شرائط کے متعلق صحابہ کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب مانگنا۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو راضی کرنا اور ان کا معارضہ کرنے سے رُکنا۔
- خزاعہ کا مسلمانوں کے، اور بنو بکر کا قریش کے معاہدہ میں شامل ہونا۔
- معاہدہ صلح پر دستخط کرنا اور دستاویزات کا ایک دوسرے کو دینا۔
- مسلمانوں کا اپنے احرام کھول دینا اور مدینہ کی طرف واپس آنا۔

ستر مشرکین کی گرفتاری

حلیس بن زبان اور عروہ بن مسعود نے قریش کی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف احتجاجاً جو معارضہ کیا، اس کے نتیجے میں عروہ تو اپنی قوم کے ساتھ طائف چلا گیا اور حلیس نے انہیں چلے جانے کی دھمکی دے دی، جس سے قریش کی صفوں میں زبردست پھوٹ پڑ گئی، اس کے باوجود قریش نے اعتدال کی راہ اختیار نہ کی اور ان کے کم عقل لوگوں نے اس بحران کو بڑھانا شروع کر دیا اور کشیدگی میں اس حد تک اضافہ ہو گیا کہ قریب تھا کہ اس سے جنگ پھوٹ پڑتی، اسی اثناء میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب حدیبیہ میں ضبط نفس پر کاربند رہے اور ہر اس دروازے کو تمام وسائل سے بند کرنے کی کوشش کرتے رہے جس کے کھلنے سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کے بھڑکنے کا امکان ہو سکتا تھا اور قریشی پڑاؤ میں حلیس بن زبان جیسے عقل مند سادات مکہ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ اپنے پڑاؤ میں بے اعتدال

لوگوں کا تسلط نہ ہونے دیں اور صلح کے لیے جھکیں اور جنگ سے بچنے کی کوشش کریں، جب کہ قریش نے اپنے کم عقل اور بے اعتدال لوگوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھیں تاکہ وہ بحران کو بڑھائیں اور اسے اس ظالمانہ حد تک پہنچا دیں جس سے مسلمانوں پر حدیبیہ میں ان کے پڑاؤ میں چھپ کر حملہ کر دیں۔

جمہور مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ مشرکین کے ستر شہسوار رات کے وقت ٹولیوں کی شکل میں چھپتے چھپاتے مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھس گئے تاکہ رات کی تاریکی میں خیانت کر کے انہیں قتل یا قید کر کے نقصان پہنچائیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوانوں کی گشتی پارٹیاں جو حدیبیہ میں فروکش ہوتے ہی آپ نے حفاظت کے لیے مقرر کر دی تھیں ان کی تاک میں تھیں انہوں نے ان کے تمام منصوبے ناکام بنا دیے اور چھپ کر آنے والی تمام پارٹیاں یکے بعد دیگرے مسلمان گشتی پارٹیوں کی قید میں آ گئیں یہاں تک کہ رات کے دوران گرفتار ہونے والوں کی تعداد ستر شہسواروں تک پہنچ گئی، محافظین انہیں مقید کر کے حدیبیہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیڈ کوارٹر میں لائے، یہ چوری چھپے آنے والے اشرار، رات کی تاریکی میں بعض صحابہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے جہاں وہ آرام سے تنہا پڑے تھے انہوں نے خیانت سے ان پر حملہ کر دیا، مگر مسلمان گشتی پارٹیوں نے ان مسلمان قیدیوں کو اس وقت رہا کرا لیا جب انہوں نے ستر مشرکوں کو گرفتار کیا تھا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں معاف کرنا

باوجودیکہ مشرکین کی یہ کارروائی برانگیختگی اور بغاوت کے تمام معانی کی حامل تھی مگر پھر بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما کر آزاد کر دیا اور اپنے صحابہ سے فرمایا انہیں چھوڑ دو، برائی کا آغاز انہی سے ہو،

حدیبیہ میں جنگ کا برپا ہونا

واقدی نے المغازی جلد ۲ صفحہ ۶۰۲ پر بیان کیا ہے کہ قریش نے رات کے وقت، مکرز بن حفص کی سرکردگی میں پچاس آدمی بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ان میں سے کسی کو پکڑنے یا اچانک حملہ کرنے کی اُمید پر چکر لگائیں ——— محمد بن مسلمہ نے جو ایک محافظ گشتی پارٹی کا لیڈر تھا، انہیں گرفتار کر لیا اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، جب قریش کو یہ خبر ملی کہ ان کے پچاس آدمی مسلمانوں کے قیدی ہو گئے ہیں تو مسلح قریشیوں کا ایک اور دستہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی طرف آیا ——— اور اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، جس سے فریقین کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں تیروں اور پتھروں کو استعمال کیا گیا، مگر مسلمانوں نے ان میں سے کئی آدمیوں کو قید کر کے حملہ آوروں کو بھگا دیا اور طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۲ صفحہ ۶۳۰ پر ایاس بن مسلمہ سے اور اس نے اپنے باپ سے بیان کیا ہے۔ کہ اس اکیلے نے چوری چھپے آنے والے چار مشرکوں کو پکڑ لیا، سلمہ بیان کرتا ہے کہ میں انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا اور میرا چچا عامر ایک فربہ آدمی کو لایا جسے مکرز کہتے تھے، اور وہ اسے تجفاف زندہ کی مانند ایک حفاظتی آلہ سمیت کھینچ رہا تھا یہاں تک کہ ہم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ستر مشرکین کو کھڑا کر دیا آپؐ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا انہیں چھوڑ دو، بُرائی کا آغاز انہی سے ہو۔ پھر آپ نے انہیں معاف فرما دیا، طبری کہتا ہے اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ ۔ سلمہ بیان کرتا ہے جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے ——— کہ اس اکیلے نے ہی چوری چھپے آنے والے چھ آدمیوں کو گرفتار کر لیا، اور اپنے ساتھیوں کے اشتراک سے ان تمام مسلمانوں کو چھڑا لیا جو حدیبیہ میں ان چوری چھپے آنے والوں کی قید

میں آگئے تھے، سلمہ بیان کرتا ہے کہ ہم میں سے جو آدمی مشرکین کی قید میں تھے ہم نے حملہ کر کے ان سب آدمیوں کو چھڑا لیا اور ان کے جو قیدی ہمارے ہاتھوں میں تھے ہم نے انہیں قابو کر لیا، میں چھ مسلح مشرکوں کو بھگاتا ہوا لایا جو اپنی جانوں کے نفع و نقصان کے مالک نہ تھے، پس میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لایا آپ نے نہ ان کا سامان لیا اور نہ انہیں قتل کیا بلکہ انہیں معاف فرما دیا۔

قریش کا دو مسلمانوں کو قتل کرنا

قریش کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو مضطرب کرنے کے ارادے سے ایک صحابی رسول کو قتل کرنے کا اقدام کیا، جن کم عقلوں نے قتل کا اقدام کیا ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو آہستہ آہستہ ہمہ گیر جنگ میں شامل کر دیں، اس بات نے قریشی پڑاؤ کے تکلف عقل مند بننے والوں کو امر واقعہ کے سامنے لا کھڑا کیا کہ وہ کراہت کے باوجود جنگ میں شامل ہو جائیں۔ —— مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمت و بردباری اور غور و فکر سے ان سب اعتدالوں کو موقع نہ دیا پس آپ نے گوارا نہ کیا کہ یہ احمقانہ زیادتی اس ہمہ گیر جنگ میں مسلمانوں کو شامل کرنے کا باعث بنے جس میں وہ کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، طبری نے اپنی تاریخ میں قتادہ کے اسناد سے بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی کو زنیم کہا جاتا تھا وہ حدیبیہ کی گھاٹی پر چڑھا تو مشرکین نے اُسے تیر مار کر قتل کر دیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ بھیجا جو کفار کے بارہ سواروں کو پکڑ لایا۔ آپؐ نے انہیں فرمایا کیا تمہارا کوئی عہد میرے ذمہ ہے، کیا تمہاری کوئی ذمہ داری مجھ پر ہے، انہوں نے جواب دیا نہیں، قتادہ کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ عثمانؓ مکہ میں

صلح کی صدقدلانہ اور سنجیدہ کوششوں کے باوجود جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض دوسرے ثالثوں کی جانب سے کی گئیں حدیبیہ کی وادی بلدرح میں فضا کشیدہ رہی بلکہ مشرکوں کی طرف سے جو شترِبے وقوف رات کے وقت زیادتی کرتے ہوئے مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھس آئے اور انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اس سے فضا مزید کشیدہ ہو گئی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سید الحکماء اور امام العقلاء تھے —— انہوں نے اس خطرناک بحران (جس کی علامات تباہ کن جنگ کے اشارے کر رہی تھیں) کے مصالحانہ حل تک پہنچنے کی اُمید کا دروازہ بند نہ کیا تھا —— آپؐ نے اعلان کیا کہ وہ اس جنگ سے بچنے کے لیے ہر حیلہ استعمال کریں گے، آپ نے اپنے اہل اور قبیلہ کو تاکید کے ساتھ بتا دیا تھا کہ آپؐ کی آمد کا مقصد صرف صلح ہے —— آپ نے حدیبیہ میں فروکش ہوتے ہی ایک خاص نمائندہ کو قریش کی طرف بھجوایا تھا کہ وہ انہیں مشورہ دے کہ وہ عقل سے کام لیں اور جنگ کے خیال کو چھوڑ دیں —— آپؐ کا یہ نمائندہ خراش بن اُمیہ الکعبی ثم الخزاعی تھا، مگر جاہلی حمیت اور بُت پرستانہ اکھڑپن نے سادات مکہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصالحانہ پیشکش پر غور و فکر کرنے کا موقع ہی نہ دیا انہوں نے اس مصالحانہ پیشکش کے ٹھکرانے اور غور و فکر نہ کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے حامل خراش بن اُمیہ کو صرف اس علم کی بناء پر کہ یہ اس پیشکش کو لے کر آیا ہے، قتل کرنے کا ارادہ کیا، پس پہلا نبوی نمائندہ قریش کو اچھی طرح یہ مصالحانہ پیشکش پہنچائے بغیر ہی واپس آ گیا اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہ کسی ایسے آدمی کو بھیجیے جو قریش کے درمیان مجھ سے زیادہ طاقت ور اور دھڑے بند ہو۔

اس خطرناک بحران میں بھی صلح کا خیال، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن

میں سب قابلِ اتباع حلوں سے پہلے مقام پر تھا باوجودیکہ قریش نے ان چودہ دِنوں میں جو بحران پر گزر چکے تھے بہت سی حماقتیں کیں اور مسلمانوں کو مضطرب کیا پھر بھی آپؐ نے صلح کی ایک اور کوشش کی، یہ نئی کوشش آپ نے ایک خاص نمائندے کے ذریعے کی جسے وادی بلدح میں قریش کے پڑاؤ میں اور مکہ میں بھیجا گیا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب کا ثالثی سے معذرت کرنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر صلح کرنے اور جنگ کے خیال کو ترک کرنے کی دعوت دینے کے لیے قریش کی طرف بھیجنا چاہا، آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر کہا کہ آپ انہیں قریش کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ آپ قریش کے سامنے نئے سرے سے اس مصالحانہ پیشکش کو پیش کریں جسے خراش بن اُمیہ لے کر گیا تھا کیونکہ وہ ان کے حملہ کی کوشش کی وجہ سے ان تک یہ پیشکش اچھی طرح نہ پہنچا سکا تھا، مگر حضرت عمرؓ اور مشرکین کے درمیان شدید عداوت تھی پھر یہ کہ قریش میں ان کے قبیلے کا دھڑا کمزور تھا، حضرت عمرؓ نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اپنی جان کے متعلق اندیشہ ہے اور بنی عدی بن کعب میں کوئی ایسا شخص نہیں جو میری حفاظت کرے، قریش کے ساتھ جو میری عداوت اور سخت گیری ہے آپ اس سے واقف ہی ہیں، پھر آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ آپؐ قریش کی طرف کسی ایسے آدمی کو بھیجیں، جو کہ بڑے دھڑے والا اور قوم کی حفاظت میں ہو تاکہ وہ قتل ہونے سے محفوظ رہے —— یہ خیال خاص طور پر اس لیے پیدا ہوا کہ خراش بن اُمیہ کو مشرکین قتل ہی کرنے لگے تھے اگر اُسے غیر قریشی قبائل کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو وہ سلامتی کے ساتھ مکہ سے واپس نہ آتا۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپؐ حضرت عثمانؓ ....

کو مکہ بھیجیں کیونکہ وہ بنی عبد شمس بن عبد مناف سے انتساب رکھتے ہیں جو مکہ میں قریشی قبائل میں سب سے زیادہ طاقت ور زیادہ تعداد والا اور زیادہ اثر و رسوخ کا مالک ہے، حضرت عمر رضؓ نے نالثی کے کردار کے ادا کرنے سے معذرت کرتے ہوئے حضور علیہ السلام سے عرض کیا میں آپؐ کو ایک ایسے آدمی کے متعلق بتاتا ہوں جو مکہ میں اپنی قوم کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے یعنی حضرت عثمانؓ بن عفان، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے عذر کو قبول کر لیا اور قریش کی طرف حضرت عثمانؓ کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر بھیجنے کے مشورے کو درست خیال کیا۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا، قریش کی طرف جا کر انہیں بتاؤ کہ ہم کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے، ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور اس کی حرمت کی تعظیم کرتے ہیں ہمارے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں ہم انہیں ذبح کر کے واپس چلے جائیں گے، حضرت عثمان رضؓ اس آتشیں فضا میں جو سخت کشیدگی سے بھرپور تھی، مکہ کی طرف گئے تاکہ سرداران مکہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی موقف اور مصالحانہ مقاصد سے آگاہ کریں۔ سادات مکہ کی طرف جو پیغام حضرت عثمانؓ لے کر گئے بعض کے نزدیک وہ لکھا ہوا تھا اور بعض کے نزدیک زبانی تھا۔

حضرت عثمانؓ پہ زیادتی کی کوشش

حضرت عمر رضؓ کے اندازے غلط نہ تھے کیونکہ قریش اصحاب نبی میں سے جس کو پاتے اس پہ حملہ کرنے سے نہ چوکتے، خواہ وہ کعبہ کے پردوں میں ہی لپٹا ہوتا، حضرت عثمان رضؓ اکیلے ہی مکہ جانے کے ارادے سے حدودِ حرم کو پار کر گئے آپ اس موت کو بھی خاطر میں نہ لائے جو قریش کے اُن کم عقلوں کے ہاتھوں آپ کو پیش آ سکتی تھی جو عواقب کا اندازہ نہیں لگاتے۔ اگر حضرت عثمانؓ کو ان کے قبیلے کے کسی فرد نے (جو مکہ میں غالب قبیلہ تھا) پناہ نہ دی ہوتی تو

قریب تھا کہ مشرکین حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالتے، مکہ کے مضافات اور وادیٔ بلدح میں حضرت عثمانؓ کی قریش کے سواروں کی مسلح گشتی پارٹی سے ملاقات ہوئی اگر ابان بن سعید ابن العاص بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس کا وجود نہ ہوتا جو گشتی پارٹی کے جوانوں میں شامل تھا، تو وہ سوار حضرت عثمان رضؓ پر حملہ کرنے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ وادیٔ بلدح میں قریش کے پڑاؤ میں

وادیٔ بلدح میں قریش کے پڑاؤ کی اطراف میں مکہ کی غربی جانب حضرت عثمان رضؓ کو قریش کے سواروں کی ایک مسلح گشتی پارٹی ملی، اگر ابان بن سعید بن العاص اموی ان کے درمیان نہ ہوتا تو یہ انہیں پہچان لینے کے بعد قتل کرنے لگے تھے وہ گشتی پارٹی کے جوانوں اور حضرت عثمانؓ پر زیادتی کرنیوالوں کے درمیان حائل ہوگیا اور اس نے اپنے عمزاد کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے کہا، اے گروہِ قریش! عثمان بن عفان میری پناہ میں ہے اسے گزند پہنچانے سے باز رہو۔

جاہلیت میں پناہ کی قدر و قیمت

ابان بن سعید کا یہ اعلان اس بات کے لیے کافی تھا کہ جو شخص عثمانؓ بن عفان کو گزند پہنچانے کے لیے ارادہ کرے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا، جاہلیت میں عربوں کے نزدیک پناہ دینے کا قانون (یہ قانون غیر مکتوب تھا) بڑے تقدس کا حامل تھا، تمام عرب اس کے احترام کرنے اور اس پر عمل کرنے پر متفق تھے، اس قانون کی خلاف ورزی وہی کرتا تھا جو اپنے آپ کو اور اپنے قبیلے کو تباہ کن جنگ کے لیے پیش کرنے سے نہ ڈرتا ہو، ان میں یہ بات شائع متعارف تھی کہ قبیلے کا کوئی فرد جس کو چاہے پناہ دے سکتا تھا اور جب وہ پناہ دے دے تو اس کا سارا قبیلہ اس پناہ کی

ذمہ داری کو اُٹھانے کا پابند ہوتا تھا اور یہ اس انسان کی حمایت ہوتی تھی جسے قبیلے کی طرف منسوب ہونے والا پناہ دیتا تھا۔ پناہ کے قانون کے مطابق قریش کی گشتی پارٹی کے جوان حضرت عثمان رضؓ کو گزند پہنچانے سے رُک گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ (اعلانِ پناہ کے بعد) انہیں نقصان پہنچانے سے متعدد مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ اب وہ سب بنی عبد شمس کی حفاظت میں ہیں اور اس قبیلے کا قریشی قبائل کے درمیان بڑا وزن ہے۔

وادی بلدح میں ساداتِ مشرکین کے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کی ملاقات

مکہ سے باہر وادی بلدح میں جہاں قریش اور ان کے حلیف اپنی زبردست فوجوں کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے، حضرت عثمان رضؓ نے قریش کے لیڈروں کے ساتھ ملاقات کر کے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیغام پہنچایا جس پیغام کے پہنچانے پر آپؐ نے انہیں مامور کیا تھا، اس میں انہیں دو باتوں میں سے ایک بات کے اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی یا تو اسلام میں داخل ہو جائیں یا اپنے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا قیام کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے عربوں کو اس خیال کے پیش نظر چھوڑ دیا کہ وہ مسلمانوں اور بقیہ مشرکین عرب کے درمیان کسی بھی خونریز معرکہ میں قریش سے مکمل طور پر غیر جانب دار ہیں، اس کے علاوہ پیغام میں قریش کو رواج کے مطابق یہ بات بھی پہنچائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے نہیں آئے اور نہ انہیں جنگ میں کوئی دلچسپی ہے آپؐ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور آپ صحابہ سمیت قربانی کرنے اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے فوراً بعد، مدینہ کو واپس چلے جائیں گے، لیکن قریش نے ان تمام مصالحانہ حلوں کو قبول نہ کیا اور اپنے ظالمانہ موقف پر اصرار کرتے رہے۔

قریش کی طرف بھیجے جانے والے پیغام کا خلاصہ

واقدی اس پیغام کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت عثمان وادی بلدح میں آئے تو آپؓ نے قریش کو وہاں موجود پایا، انہوں نے آپ سے پوچھا آپ کہاں جانا چاہتے ہیں حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف دعوت الی اللہ اور دعوتِ اسلام دے کر بھیجا ہے تم سب دین میں داخل ہو گے اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرنے سے رُکو گے تو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو لے آئے گا، اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہو گئے تو تمہیں اختیار ہو گا کہ لوگوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ یا سب کے سب اُس سے جنگ کرو، جنگ نے تمہیں کمزور اور تمہارے برگزیدوں کو فنا کر دیا ہے ——

دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے وہ صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، ان کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں جن پہ قلاوے پڑے ہوئے ہیں انہیں ذبح کرنے کے بعد وہ واپس چلے جائیں گے، حضرت عثمانؓ گفتگو کے ذریعے انہیں اس بات پہ آمادہ کرنے لگے جس کو وہ پسند نہیں کرتے تھے، وہ کہنے لگے آپ نے جو باتیں کی ہیں ہم نے سُن لی ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہو گا اور نہ وہ بزورِ قوت ہمارے ہاں آسکیں گے، واپس جا کر اپنے آقا کو بتا دیجیے کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت عثمانؓ مکہ میں

وادیٔ بلدح میں قریش کے لیڈروں کو جب حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا تو آپؓ نے خود جا کر ان سادات قریش تک

حضور علیہ السلام کا یہ پیغام پہنچانے کا فیصلہ کیا جو وادیٔ بلدح میں موجود نہ تھے جب
ابان بن سعید (حضرت عثمان رضؓ کو پناہ دینے والے) کو پتہ چلا کہ ان کے عم زاد مکہ
جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے آپ کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ لوگوں کو
بتائے کہ حضرت عثمان رضؓ اس کی پناہ میں ہیں اور کوئی آدمی ان کے ساتھ زیادتی نہ
کرے، ابان اپنا گھوڑا لایا اور اس پر سوار ہو کر اس نے حضرت عثمان کو اپنے
پیچھے بٹھا لیا اور مکہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور جب وہ مکہ میں پہنچا تو لوگوں نے
حضرت عثمان رضؓ کو دیکھا وہ آپ کو پہچانتے تھے وہ آپ کو اصحاب محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے سرغناؤں میں سے سمجھتے ہوئے آپ پر حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن
جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ابان بن سعید بن العاص کے گھوڑے پر اس کے
پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ اس کی پناہ میں ہیں تو وہ
نہایت تکلیف کے ساتھ اذیت پہنچانے سے باز رہے، ابان بن سعید نے حضرت
عثمان رضؓ کے ساتھ مکہ پہنچانے کے بعد کہہ دیا کہ جب تک آپ چاہیں مکہ میں رہ سکتے
ہیں اور جہاں جانا چاہیں وہاں جانے کی آپ کو پوری آزادی ہے اور وادیٔ
بلدح میں آپ کی جن ساداتِ مکہ سے ملاقات نہیں ہو سکی ان سے بھی آپ ملاقات
کر سکتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ ابوسفیان کے گھر میں

چونکہ ابوسفیان بن حرب بنو امیہ، تمام بنی عبد شمس اور قریش کا بڑا سردار
تھا اس لیے ابان بن سعید، حضرت عثمان کو لے کر اس کے گھر گئے تو ابوسفیان
نے حضرت عثمانؓ کا استقبال کیا، ابوسفیان بن حرب، صفوان بن اُمیہ اور دیگر
قریشی لیڈر اس وقت وادی بلدح میں موجود نہ تھے جب حضرت عثمان رضؓ نے
انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ
نے ان لیڈروں (صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب اور دیگر زعماء) سے مکہ میں

ملاقات کر کے ان تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور جوبات وادیٔ بلدح میں ان کے ساتھی لیڈروں سے کہی تھی وہ انہیں بھی کہی، لیکن ابوسفیان بن اُمیہ اور دیگر لیڈروں کا جواب وادیٔ بلدح میں مقیم لیڈروں سے مختلف نہ تھا، اُنہوں نے بھی پیغام نبوی کے تمام مندرجات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

قریش کا حضرت عثمانؓ سے طواف کا تقاضا کرنا اور آپؓ کا انکار کرنا

حضرت عثمان رضؓ جب اپنی قوم بنی اُمیہ کے مہمان اور ان کی پناہ میں تھے تو کسی مشرک کو اس بات کی جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکے بلکہ سب آپ سے اظہارِ محبت کرتے رہے اور کہنے لگے اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیجیے، اگر آپ بنی اُمیہ کی پناہ اور حفاظت میں نہ ہوتے تو وہ آپ سے یہ بات کبھی نہ کہتے مگر حضرت عثمان رضؓ نے قریش کی اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور فرمایا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف نہ کریں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کروں گا، حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضؓ نے بیت اللہ کا طواف کر لیا ہے، صحابہؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ حضرت عثمانؓ نے بیت اللہ میں پہنچ کر طواف کر لیا ہے آپؐ نے فرمایا مجھے یقین نہیں کہ ہم اسے محصور ہونے کی حالت میں عثمان بیت اللہ کا طواف کرے، صحابہؓ نے عرض کیا جب وہ بیت اللہ میں پہنچ چکا ہے تو اُسے کون مانع ہے آپؐ نے فرمایا مجھے اس کے متعلق یقین ہے کہ جب تک ہم طواف نہ کریں وہ طواف نہیں کرے گا۔

تمہارا گمان بہت بُرا ہے

جب حضرت عثمانؓ حدیبیہ میں واپس آئے تو صحابہ نے اُن سے کہا کہ

عبداللہ تونے بیت اللہ سے شفا حاصل کی ہے ؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا، تم لوگوں نے میرے متعلق بہت بڑا گمان کیا ہے اگر میں وہاں پر ایک سال تک مقیم رہتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم رہتے تو بھی میں کبھی بیت اللہ کا طواف نہ کرتا، قریش نے مجھے بیت اللہ کے طواف کی دعوت دی لیکن میں نے اُسے قبول نہ کیا تو مسلمان کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا اور آپؐ نے ہم سے اچھا یقین کیا۔

صلح کے نمائندے کا مکہ کے کمزور مسلمانوں سے ملاقات کرنا

مشرکین بنی اُمیہ کی پناہ میں مکہ میں رہنے اور پوری آزادی سے چلنے پھرنے کا جو موقع حضرت عثمان رضؓ کو ملا آپ نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مکہ کی مشرک سوسائٹی کے اندر رہنے والے کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں سے ملاقات کا تہیہ کر لیا یہ لوگ ہجرت کرنے اور مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ جا ملنے کی طاقت نہ رکھتے تھے، یا یہ لوگ طبقۂ مستورات سے تعلق رکھتے تھے یا یہ قریش کے دھڑے بند نہ تھے کہ قریش انہیں ظلم وستم سے بچاتے یہ غلاموں کی طرح تھے یا ان لوگوں کی طرح تھے جنہوں نے مکہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا لیکن وہ اس کے باشندے نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کمزور مسلمانوں سے مکہ میں فرداً فرداً ملاقات کی اور انہیں بشارت دی کہ بت پرستوں کے ظلم سے رہائی پانے کا زمانہ اب قریب آگیا ہے اور جس دن وہ آزاد ہوں گے، انہیں مکہ میں کسی سے اپنا دین چھپانے کی ضرورت نہ ہوگی اور وہ دن نہایت ہی قریب ہے، یہ بشارت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط میں تھی جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ ان کمزور مسلمانوں کی طرف بھیجا تھا، قریش کی طرف سفارت کے واقعہ کے ضمن میں محدثین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دل میں کہا—— پھر میں کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جاؤں گا اور انہیں کہوں گا کہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں فتح کی خوشخبری دی ہے اور فرماتے ہیں، میں تمہیں پناہ دوں گا یہاں تک کہ مکہ میں ایمان پوشیدہ نہیں رہے گا، حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت لمبے لمبے سانس لینے لگے جس سے مجھے خیال ہوا کہ وہ اس خبر کی خوشی سے مرجائیں گے، وہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتا اور سوال کو پوشیدہ رکھتا، یہ بات ان پر بہت گراں گزرتی اور وہ کہنے لگے، ہماری طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام دینا وہ ذات جو انہیں حدیبیہ میں اتار سکتی ہے انہیں مکہ میں داخل کرنے پر بھی قادر ہے۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر کی تشہیر اور بیعت رضوان

حدیبیہ کے میدان میں مسلمانوں کو محصور ہوئے اور حرم میں داخل ہونے سے رُکے ہوئے بیس دن کے قریب گزر چکے تھے وہ اس تمام عرصہ میں مُحرم رہے نہ ناخن کٹواتے، نہ بال منڈاتے نہ خوشبو لگاتے اور نہ عورت کے قریب جاتے ان کے بال غبار آلود اور میلے کچیلے ہو گئے تھے اور بعض کو جوئیں بھی پڑ گئی تھیں اور احرام میں لمبا عرصہ رہنے سے جو نفسیاتی اور جسمانی تکالیف محرم پر وارد ہو سکتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، بلاشبہ اس بے جا انہ احصار اور رکاوٹ کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کی صحت خراب ہوگئی اور انہیں قریش کی اس دھمکی سے بھی اذیت پہنچی کہ اگر انہوں نے حدودِ حرم کو پھلانگنے کی کوشش کی تو وہ ان کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے اور سخت جنگ کریں گے ــــ

جنگ بشریت کے آلام کو کم نہیں کرتی اور نہ ہی انسانیت کو بچاتی ہے اور نہ ہی صلح و سلامتی اور محبت کی دعوت دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اس سے کوئی دلچسپی تھی بلکہ آپ مکمل طور پر اس سے کنارہ کشی کرنے کے آرزومند تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ مدینہ سے اپنے روحانی اور

مصالحاتی سفر پر روانہ ہوئے تو یہ بات آپؐ کے پروگرام میں شامل نہ تھی آپؐ کا واحد شعار یہ تھا کہ "ہم کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے، ہم صرف بیت اللہ کے طواف کے لیے آئے ہیں" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح سے محبت کرنے اور جنگ سے کراہت کرنے میں اپنی عالی ظرف رُوح کو قربان کر دیا۔۔۔ آپؐ نے اپنے اور اپنی قوم کے درمیان صلح کرنے کی خاطر اور جنگ کی پرچھائیوں کو دُور کرنے کے لیے جو واضح طور پر نمایاں ہو چکی تھیں، اپنی وسعت کے مطابق ہر چیز کو خرچ کر دیا، جیسے بُت پرست قریش کے کم عقل، بھڑکانے کے بہت مشتاق تھے وہ ان کم عقلوں کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ مکہ کے قریب مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے یہ اس عسکری عزت اور جنگی اور سیاسی شہرت کو دوبارہ حاصل کر لیں گے جسے وہ بدر کی وادی اور خندق کے اطراف میں مدینہ کی فصیلوں کے قریب کھو چکے تھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں اپنے مومن اصحاب اور مکہ میں اپنی مشرک قوم کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے اپنی تمام طاقتوں کو صرف کر دیا اور یہ کام آپ نے اس طرح کیا کہ مختلف مواقع پر اپنی قوم کو صلح کی کئی پیشکشیں کیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آپؐ نے یہ پیشکشیں ان ثالثوں کے ذریعہ پیش کیں جنھیں قریش نے آپ سے مذاکرات کے لیے بھیجا تھا بلکہ آپؐ نے خود اپنی طرف سے بھی زعمائے قریش کی طرف اپنے خاص سفیروں اور دلی دوستوں کو بھیجا کہ شاید وہ قریش کو صلح پر رضامند کرنے اور جنگ کے اس خیال سے چھڑانے میں کامیاب ہو جائیں جس کا قریش کے نزدیک بھی کوئی موجب اور جواز نہیں، خاص طور پر قریش کو یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب جنگ کے لیے نہیں آئے اور نہ انہیں جنگ میں کسی قسم کی دلچسپی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں ان کی خیمہ گاہوں کی ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ ان کی کوئی نیت نہیں بلکہ ان کی ہر چیز (جیسا کہ قریش کے ایلچیوں، ثالثوں اور غیر

جانب دارانہ طور پر مسلمانوں کو دیکھنے والوں نے شہادت دی ہے) صلح اور صرف صلح پر دلالت کرتی ہے۔

طولِ قیام سے مسلمانوں کا اُکتانا

یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ مسلمان حدیبیہ میں لمبے قیام کی وجہ سے اُکتا چکے تھے کیونکہ وہ کسی ایسے حل تک نہیں پہنچ سکے تھے جس کے بموجب وہ مکہ میں داخل ہو کر مناسکِ عمرہ ادا کرنے اور اپنے اس احرام سے حلال ہو جاتے جس پر انہیں قریش کی سرکشی نے بیس دن کے قریب مجبور کیے رکھا۔ مسلمانوں کو حدیبیہ میں لمبے عرصے تک روک کر تنگ کرنے اور قریش کے اپنے ظالمانہ اور متکبرانہ رویے کے باعث کشیدگی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا، حالانکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خونریزی سے بچنے کے لیے ساداتِ مکہ کے سامنے کئی مصالحانہ اور منصفانہ پیشکشیں کیں کہ وہ مسلمانوں کو زیارتِ بیت اللہ کی اجازت دے دیں تاکہ وہ اپنے احراموں سے حلال ہو کر مکہ چلے جائیں جنہیں وہ مدینے سے چلتے وقت پہن کر چلے تھے۔

مسلمان — اور مکہ میں بزورِ قوت داخل ہونا

جب تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیس دن کے قریب مصالحانہ کوششیں ہوتی رہیں اور قریش کی جانب سے ان کا کوئی جواب نہ ملتا رہا اور نہ ہی ان کے تکبّر اور خودپسندی میں کوئی کمی ہوئی تو صحابہ کی رائے یہ تھی کہ وہ بنوک شمشیر اپنا راستہ بنا کر مکہ جائیں گے اگرچہ مسلمانوں اور قریش کی تعداد میں بہت فرق تھا پھر بھی مسلمانوں کے امکان میں تھا کہ وہ مکہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں، قریش اور ان کے حلیفوں کی فوج مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی، لیکن بدر و اُحد اور خندق کے جو معرکے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں

کے خلاف لڑے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ فتح ہمیشہ بڑی کثرت کے لیے ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ہوتی ہے جس کا عقیدہ صحیح ہو، اگرچہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی شدید خواہش تھی نیز وہ اس حصار کو توڑ کر قوت کے بل بوتے پر بھی اس میں داخل ہونے کی قدرت رکھتے تھے، جیسے قریش نے بت پرستانہ تکبر اور جاہلی اکھڑ پن کی بناء پر ان کے سر مڑھا ہوا تھا، مگر بات صرف اتنی ہی نہ تھی بلکہ ایک اور چیز تھی جس نے انہیں اپنی مرضی کے اقدام سے پوری طرح روکا ہوا تھا اور وہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ جو بات سمجھتے تھے اسے وہ نہ سمجھ سکتے تھے ـــــ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے کشیدگی کی صورت میں اضافہ ہو اور خونریزی میں جلد بازی ہو، یہی وجہ ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو مضطرب کرنے اور حرم میں داخل ہونے سے روک کر انہیں ہتھیار بند ہونے پر مجبور کرنے کے لیے جو حماقتیں کیں ان کے بالمقابل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط نفس اور غصے کو پینے کا التزام کیا اور کوئی ایسا اقدام کرنے میں جلدی نہ کی جس سے اس جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے، جس کے متعلق آپؐ نے اپنے دو خاص نمائندوں کے ذریعہ قریش کے سامنے اور قریش کے ان ایلچیوں اور ثالثوں کے سامنے جو حدیبیہ میں آپ سے ملاقات کے لیے آئے تھے، اعلان کیا تھا کہ میں جنگ کو پسند نہیں کرتا اور اس سے بچنے کی شدید خواہش رکھتا ہوں آپؐ نے قریش کو رضامند کرنے کے لیے آخری حیلہ یہ سوچا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حقِ طواف بیت اللہ کو تسلیم کر لیں اور انہیں یہ حق لینے کے لیے چھوڑ دیں۔

بیعت رضوان، بحران کے حل کا متبادل آئیٹم

حدیبیہ میں پہلے روز فروکش ہوتے ہی آپؐ نے جو بات بھیجی وہ یہ تھی کہ وہ اپنی قوم پر حملہ میں پہل کر کے جنگ کرنے کے نظریہ سے بہت دور ہیں اور ان سے گفتگو کے لیے تیار ہیں اور ان کی کسی بھی مصالحانہ اسکیم کو قبول کر ۔ تو کر لیے آ ۔ ۔

ہیں جس میں صلہ رحمی کی حفاظت اور حرم کو خونریزی سے بچانے کی پیشکش ہو آپؐ نے فرمایا آج قریش صلہ رحمی کی جس اسکیم کی طرف بھی دعوت دیں گے میں اُسے قبول کر لوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم آج قریش مجھ سے اللہ تعالیٰ کی حُرمت کی تعظیم کے لیے جس بات کا بھی سوال کریں گے میں اُسے قبول کر لوں گا پھر آپؐ نے صحابہ کو پڑاؤ میں واپس جانے کا حکم دیا، حالانکہ اس وقت آپؐ حدیبیہ کو چھوڑ کر حدودِ حرم کو پار کرنے لگے تھے، اس گھڑی —— اس عظیم مصالحانہ تصریح سے قبل —— چودہ سو صحابہ کے اذہان میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اگر قریش نے آپؐ سے تعرض کیا اور آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے بزور روکا تو آپ ان سے جنگ کے لیے ہتھیاروں کو استعمال کریں گے (یہ حدیبیہ میں پہنچنے کے پہلے دن کی بات ہے) یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے صحابہ کسی بھی ہنگامی حالت میں لڑائی کے لیے تیار رہتے، مگر آپ کی اس عظیم تصریح نے اور اپنے صحابہ کے ساتھ حدودِ حرم سے دُور ہو جانے نے، آپؐ کے اور آپؐ کی قوم کے درمیان جنگ برپا ہونے کو بعید الاحتمال خیال کیا، صلح اور جنگ سے دُوری کا نظریہ اور حرم الٰہی میں فریقین کی خونریزی سے بچنے کی آرزو ہمیشہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب رہی اس لیے کہ آپ اوّلاً رحمت للعالمین بن کر آئے تھے اور ایسے دانش مند قائد تھے جو اپنی قوم کی ہدایت اور ان سے صلہ رحمی کے آرزومند تھے، اس لیے آپ خود بھی زائد باتوں سے دُور رہے اور اپنے صحابہ کو بھی حکم دیا کہ وہ زائد باتوں اور بہادرانہ تصریحات سے دُور رہیں کیونکہ ایسی باتیں جنگ کو بھڑکانے اور فریقین کو جنگ کے کنارے کے قریب لے آتی ہیں، جب آپؐ نہ جنگ کے لیے آئے تھے اور نہ آپؐ کو اس سے کوئی دلچسپی تھی، اس لیے آپؐ کا بڑا شعار یہی رہا کہ آپؐ ہر بات میں اور حدیبیہ کی ہر گفتگو میں اپنی قوم اور قبیلے کو صلح کی دعوت دیتے رہے حالانکہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کو مضطرب کرنے اور آپؐ کو چیلنج دینے کا کوئی ذریعہ نہ چھوڑا تھا، انہوں نے زائد باتوں اور بہادرانہ تصریحات سے

دنیا کو بھر دیا اور حماقت، تکبر اور ریاکاری کے لیے اپنے حلیفوں کو جنگ کے لیے نکال لائے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ آپؐ کے اور آپؐ کے اصحاب کے سامنے ایک پتھر کے فاصلہ پر اپنے پیادہ اور سوار دستوں کی نمائشیں کرنے لگے بلکہ اپنی حماقت میں کچھ اور بھی بڑھ کر یہ کیا کہ ان کے سواروں کی کئی ٹکڑیاں رات کی تاریکی میں مسلمانوں کو بھڑکانے اور انہیں جنگ کی طرف لانے کے لیے حدیبیہ میں ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گئیں حالانکہ وہ جنگ کرنے کے لیے آئے ہی نہ تھے اور اگر وہ جنگ کرتے تو ہرگز نقصان میں نہ رہتے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر، امر الٰہی ہی سے صادر ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے ارادۂ جنگ نے قریش کو مطالبۂ صلح پر مجبور کر دیا

ان تمام حماقتوں کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعار میں کوئی تبدیلی نہ آئی (صلح اور خونریزی سے بچاؤ کی دعوت میں) اور دوسری جانب سے قریش اپنے کبر و غرور میں بڑھنے اور جنگ کی دھمکیاں دینے لگے اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے اصرار کرنے لگے، اس کے علاوہ اچانک ایک واقعہ رونما ہوا جس نے مسلمانوں کے موقف میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر دی یعنی وہ صبر و صلح کے موقف سے ہٹ کر جنگ کے مُوقف کی طرف آنے لگے اور یہ تبدیلی اس وقت پیدا ہوئی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری جانب اس امر نے سادات مکہ کے دماغوں سے اکھڑپن کے بخارات نکلنے اور بہادرانہ تصریحات اور نامُدبا باتوں کے اختفاء کرنے میں زبردست اثر ڈالا اور سادات مکہ دلی رغبت کے ساتھ جس طرح جنگ کے لیے کوشش کرتے تھے، اسی طرح صلح کے متعلق بحث کرنے لگے مشہور مثل کے مطابق جب سورج بخار آتی ہے تو مٹتی جاتی رہتی

ہے۔ قریش کو بھی یہ خیال اس وقت آیا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی فیصلہ فرما کر حدیبیہ میں پڑاؤ کیے ہوئے فوج کے تمام دستوں میں لام بندی کا اعلان کر دیا تاکہ وہ مشرکین سے جنگ کرنے کے لیے مکہ پر حملہ کے لیے تیار رہیں، پس قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے آپ کے قطعی فیصلہ نے مشرکین کی صفوں میں عام خوف و ہراس پیدا کر دیا اور سادات مکہ کو صرف یہ غم کھانے لگا کہ وہ جنگ کی پرچھائیوں کو دور کرنے اور فریقین کے درمیان صلح کروانے کا کوئی وسیلہ تلاش کریں اور یہ وہ بات تھی جس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدق دلی سے بیس دن تک مسلسل بلاتے رہے اور قریش تکبر و سرکشی سے اس کا انکار کرتے رہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قریش کی طرف یکے بعد دیگرے کئی نمائندے بھیجے اور صلح کے لیے کوشاں رہے مگر اس کے بعد موقف میں الٹی تبدیلی آگئی اور قریش خود صلح کے لیے کوشش کرنے لگے اور ان کی کوششوں کے نتیجے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوگئی جس کے بموجب خون محفوظ ہو گئے اور جنگ نے دس سال کی مدت تک اپنے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں کے لیے مکہ میں داخل ہونا اور بیت اللہ کی زیارت کرنا ممکن ہو گیا جس کی زیارت سے وہ پورے دس سال تک محروم تھے۔

اعلان جنگ کے فیصلہ نبوی کا سبب

مسلمانوں کے موقف میں جنگ کرنے کی جانب جو اچانک فیصلہ کن تبدیلی پیدا ہوئی، اس کا سبب یہ تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو مکہ بھجوایا تھا تاکہ وہ قریش تک یہ بات پہنچادیں کہ مسلمان جنگ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے نیز وہ انہیں جنگ سے علیحدگی اختیار کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش کریں تاکہ مسلمانوں کو اپنے مناسک ادا کرنے اور قربانی کے جانوروں کو ان کے مقام تک پہنچانے کا موقع ملے، ابھی حضرت

عثمان بن عفان مکہ ہی میں موجود تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں اطلاع ملی کہ قریش نے آپؐ کے مصالحانہ مقاصد کو سمجھنے اور فریقین کے درمیان صلح قائم کرنے کی بجائے حضرت عثمان اور دس صحابہ پر حملہ کرکے انہیں قتل کر دیا ہے جو مکہ میں آپؐ کے ساتھ تھے[1] اور ایک دوسری روایت میں ہے سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنادی نے آواز دے کر کہا لوگو! بیعت کرو بیعت کرو، روح القدس کا نزول ہوا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے تو آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، کہ ہم نے آپؐ کی بیعت کی وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قول الٰہی اسی بارے میں نازل ہوا ہے لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔

حضرت عمرؓ کا بیعت کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑنا

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چودہ سو آدمی تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور حضرت عمرؓ درخت کے نیچے آپؐ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور وہ درخت ببول کا تھا، وہ کہتے

---

[1] واقدی نے المغازی میں بیان کیا ہے کہ یہ دس صحابی اپنے اقارب کی ملاقات کے لیے حضرت عثمانؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے ان کے نام یہ ہیں کہ کرز بن جابر الفہری۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو۔ عیاش بن ابی ربیعہ۔ ہشام بن العاص بن وائل، حاطب بن ابی بلتعہ۔ ابو حاطب بن عمرو بن عبد شمس، عبداللہ بن حذافہ۔ ابو الروم بن عمیر۔ عمیر بن وہب الجمحی۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن وہب۔

ہیں کہ الجد بن قیس انصاری کے سوا ہم سب نے آپ صلعم کی بیعت کی، وہ اپنے اونٹ کے پیٹ تلے چھپ گیا تھا۔

واقدی کا بیعت کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنا

واقدی بیان کرتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو حکم دیتے تھے اور وہ رات کو ایک دوسرے کی حفاظت کرتے تھے، آپ صلعم کے اصحاب میں کوئی ایک آدمی حفاظت کرتے ہوئے رات گزارتا اور صبح تک فوج کے ساتھ چکر لگاتا رہتا، ایک شب محمد بن مسلمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے پر رات کو حفاظت پر مامور تھے اور حضرت عثمانؓ مکہ میں تھے، حضرت عثمانؓ مکہ میں تین روز قیام کر کے قریش کو دعوت دیتے رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مسلمانوں کے کچھ آدمی اپنے اہل سے ملاقات کے لیے مکہ چلے گئے، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اس وقت آپ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی، پھر قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو بھیجا، اس روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی مازن بن النجار کی فرودگاہوں میں امامت کے لیے تشریف لائے اور سب کے سب حدیبیہ کی ایک طرف فروکش ہو گئے، ام عمارہ بیان کرتی ہیں کہ ایلچی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان آتے جاتے رہے، ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے پاس سے گزرے وہ بیان کرتی ہیں مجھے خیال ہوا کہ آپ صلعم کو کوئی کام ہے کہ اچانک آپ صلعم کو حضرت عثمانؓ بن عفان کے قتل کی خبر ملی، آپ ہمارے گھروں میں بیٹھ گئے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم دیا ہے، ام عمارہ بیان کرتی ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لیے ہمارے گھروں میں آئے یہاں تک کہ لوگ ختم ہو گئے ہمارا سب سامان پامال ہو گیا، اس روز آپ صلعم نے لوگوں کی بیعت لی، ام عمارہ

بیان کرتی ہیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا میں مسلمانوں کو ہتھیار بند دیکھ رہی ہوں اور ہتھیار ہمارے پاس تھوڑے ہی تھے۔ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے تھے میں نے اپنے خاوند غزیہ بن عمرو کی طرف دیکھا وہ تلوار لگائے ہوئے تھا، میں اُٹھ کر ایک ستون کی طرف گئی جس سے ہم سایہ حاصل کرتے تھے، میں نے اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا، میرے پاس ایک چھری تھی جسے میں نے اپنی کمر میں لگایا ہوا تھا میں نے کہا اگر کوئی میرے قریب آیا تو میں اُسے قتل کر دوں گی، اس روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بیعت لے رہے تھے اور حضرت عمرؓ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپؐ نے اس شرط پر اُن کی بیعت لی کہ وہ فرار اختیار نہیں کریں گے، ایک دوسرے آدمی کا قول ہے کہ آپؐ نے موت پر ان کی بیعت لی ہے، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سنان بن ابی سنان بن محصن نے آپؐ کی بیعت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اس بات پر آپؐ کی بیعت کرتا ہوں جو آپؐ کے دل میں ہے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنان بن ابی سنان کی بیعت پر لوگوں کی بیعت لینے لگے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لینا

چونکہ حضرت عثمان رضؓ قریش مکہ کی طرف سفارت کے فرائض سرانجام دینے کی وجہ سے حدیبیہ میں موجود نہ تھے اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے بیعت لی۔ ابن برہان الدین بیان کرتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لیتے ہوئے فرمایا:۔

"اے اللہ! عثمانؓ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے کام پر گیا ہوا ہے، میں اس کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔" پس آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پہ مارا، اور ترمذی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ ان کے

دائیں ہاتھوں سے بہتر تھا، اور مغازی الواقدی ج ۲ ص۶۰۵ میں ہے کہ جب حضرت عثمان واپس آئے تو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درخت تلے لایا گیا تو آپ نے ان کی بیعت لی، اور اس سے قبل لوگوں کے بیعت کرنے کے وقت آپؐ نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہوا ہے پس میں اس کی طرف سے بیعت لیتا ہوں پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارا۔

حضرت عثمانؓ کا درخت تلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنا

جب قریش نے حضرت عثمان رضؓ اور دس صحابہ کو چھوڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا تو انہوں نے آکر درخت تلے آپؐ کی بیعت کی، حالانکہ اس سے قبل ان کی عدم موجودگی میں آپؐ ان کی بیعت لے چکے تھے، واقدی بیان کرتا ہے کہ جب حضرت عثمان رضؓ واپس آئے تو انہوں نے آکر درخت تلے آپ کی بیعت کی، اس سے قبل آپؐ نے لوگوں کے بیعت کرنے کے وقت فرمایا، عثمان رضؓ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہوا ہے پس میں اس کی طرف سے بیعت لیتا ہوں پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر مارا۔

بیعت کے بعد، قریش کا صلح کے لیے کوشش کرنا

جب حدیبیہ میں بیعت مکمل ہو گئی تو سادات مکہ کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں میں عام لام بندی اور بیعت کے ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قریش کے خلاف جنگ برپا کرنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے ہیں پس قریش کو شدید خوف لاحق ہو گیا کیونکہ وہ بدر واحد اور خندق کے سخت عملی تجربات سے معلوم کر چکے تھے کہ اس جنگ کا نتیجہ بھی ان کے مفاد میں نہیں ہو گا۔

سہیل بن عمرو نے قریش کو صلح کی طرف مائل ہونے کا مشورہ کیسے دیا؟

یہی وجہ ہے کہ قریش کے لیڈروں نے سہیل بن عمرو کے مشورہ کے مطابق صلح کے مطالبے میں جلدی کی، قریش نے سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ[1] اور دوسرے لیڈروں کو مسلمانوں کی نبض کو چھونے اور مسلمانوں کے موقف کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے لیے حدیبیہ کی طرف بھیجا، پھر انہوں نے مکہ میں دار الندوہ کے سامنے ایک بیان پیش کیا کہ وہ اس بحران کے متعلق ایک آخری فیصلہ کریں جس کی وجہ سے مشرکین، مسلمانوں سے بھی زیادہ پریشان اور مضطرب ہیں۔ سہیل بن عمرو اور باقی وفد کے ممبران جو واقعتہً جاسوس تھے اور وفد کی صورت میں مذاکرات کے لیے آئے تھے، وہ حدیبیہ میں موقف کی حقیقت سے باخبر ہو گئے اور انہوں نے صحیح طور پر معلوم کر لیا کہ مسلمانوں میں کس قدر جوش و خروش اور فیصلہ کن معرکے میں شمولیت کی استعداد پائی جاتی ہے۔

---

[1] حویطب بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبد ود العامری القرشی، فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے اور مولفۃ القلوب میں سے تھے، جنگِ حنین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے، حضرت ابوذر کے دوست تھے وہی ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں لے گئے تو انہوں نے اسلام قبول کیا، حضور علیہ السلام ان کے اسلام لانے سے خوش ہوئے، یہ بڑے مالدار آدمی تھے جب حضور علیہ السلام نے حنین پر چڑھائی کی تو انہوں نے چالیس ہزار روپیہ حضور کو قرض دیا، فتح مکہ کے بعد حویطب مدینہ منتقل ہو گئے اور حضرت معاویہ کی خلافت میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حویطب ہی نے حرم کی علامات کو نئے سرے سے بنایا تھا۔

سہیل بن عمرو نے بیعت رضوان کا مشاہدہ کیا

شاید یہ قریش کی خوش قسمتی تھی کہ جب مسلمان حدیبیہ میں اپنے نبی کے ہاتھ پہ موت کی بیعت کر رہے تھے اس وقت سہیل بن عمرو اور باقی ممبران وفد وہاں پہ موجود تھے، سہیل اور اس کے ساتھیوں نے بیعت کے اقدامات کو ملاحظہ کیا تو انہوں نے عقیدہ کی خدمت، قربانی کی تیاری اور راہِ خدا میں فداکاری کے سب سے بڑے نظارے کو دیکھا جس سے ان کے دل مرعوب ہو گئے اور ان کے دلوں میں یہ بات جاگزین ہو گئی کہ قریش ان لوگوں کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے جن کے چہروں پہ خوشی اور سرور جھلک رہا ہے اور وہ ایک دوسرے کے پیچھے اپنے نبیؐ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے کے لیے مسابقت کر رہے ہیں، انہوں نے دارالندوہ کے ممبران کے سامنے جنگ کی صورت میں اپنے ان خدشات کا اظہار کر دیا تھا اور اس بیان میں انہوں نے قریش کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کرنے میں جلدی کریں جس کے نتیجے میں جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی، قریش کی پارلیمنٹ نے اس تجویز کو جو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کی دعوت دے رہی تھی، قبول کر لیا اور سہیل بن عمرو کی سرکردگی میں مسلمانوں کے ساتھ صلح کے قیام کے لیے مذاکرات کے واسطے ایک وفد مقرر کیا، واقدی بیان کرتا ہے کہ قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو بھیجا، جب قریش نے (سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ اور اس کے ساتھی قریشی جاسوسوں نے) لوگوں کے جلد جلد بیعت کرنے اور جنگ کے لیے تیار ہونے کو دیکھا تو ان کے خوف و خدشات میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور وہ فیصلہ کی طرف جلدی کرنے لگے، پس حویطب بن عبدالعزیٰ، سہیل بن عمرو اور مکرز بن حفص نے قریش کی طرف واپس آ کر اصحاب رسول کی سرعت بیعت کا جو منظر دیکھا تھا، اس کے متعلق انہیں بتایا، ان میں سے بعض اہل الرائے

اصحاب نے کہا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بات پر صلح کریں کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال یہاں آئیں اور تین دن قیام کرکے اپنی قربانیوں کو ذبح کریں اور واپس چلے جائیں اور ہمارے شہر میں مقیم رہیں اور ہمارے پاس نہ آئیں پس انہوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا ،جب قریش عدمِ جارحیت اور صلح پر متفق ہوگئے تو انہوں نے سہیل بن عمرو حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کے لیے بھیجا اور وفد کے سربراہ سہیل سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اس سے صلح کر، اور تیری صلح میں یہ بات بھی ہو کہ وہ اس سال یہاں نہ آئیں خدا کی قسم عرب یہ بات نہ کریں کہ تو گیا ہے (اور وہ بزورِ قوت ہمارے پاس آگئے ہیں)

سہیل بن عمرو ـــــ روشن ستارہ

سادات قریش میں سہیل بن عمرو عقل وحلم ،سنجیدگی ، اصابت رائے اور دُور اندیشی میں ایک روشن ستارہ تھا اس لیے قریش ، مشکلات اور اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے کے لیے اس کی مدد حاصل کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب حدیبیہ کی شکل میں الجھاؤ پیدا ہوگیا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے جنگ کے لیے نکلنے اور معرکہ کے لیے تیار ہو جانے کے بعد جنگ تک پہنچ گئی تو یہ بات قریش پر بھی واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کو جب یہ خبر پہنچے گی کہ مشرکین نے عثمانؓ اور دس مہاجر صحابہ کو قید کرلیا ہے اور قتل کر دیا ہے تو وہ اس جنگ میں ضرور شامل ہوں گے ـــــ تو وہ اس عامری سردار کی طرف آئے کہ وہ اس بحران کو ختم کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ صلح کے ان مذاکرات میں جن کا فیصلہ مکہ کی پارلیمنٹ نے کیا ہے ، ان کے وفد کا سربراہ ہو۔

قریشی وفد کا بورڈ

مذاکرات کا وفد تین سادات مکہ سے بنایا گیا جو یہ تھے :-

۱- سہیل بن عمرو عامری ، سربراہ وفد

۲- حویطب بن عبدالعزیٰ ممبر

۳- مکرز بن حفص عامری ، ممبر

قریش کے نزدیک معاہدہ کی لمبی چوڑی تجاویز

معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اپنی پارلیمنٹ میں مذاکرات کرنے والے وفد کے لیے لمبی چوڑی تجاویز مرتب کی تھیں کہ حدیبیہ میں فریقین کے درمیان ان کے مطابق مذاکرات ہوں ، خواہ کچھ بھی ہو یہ کہنا ممکن ہے کہ حدیبیہ کی بیعت ، قریش کے متشددانہ اور معاندانہ موقف کو اعتدال پر لانے میں ایک بنیادی عامل کی حیثیت رکھتی ہے - قریش اور مسلمانوں کے درمیان جس بڑی آئیٹم پر اختلاف پایا جاتا تھا ، قریب تھا کہ وہ اختلاف ایک تباہ کن جنگ تک پہنچا دیتا ، وہ آئیٹم یہ تھی کہ قریش اس بات پر مصر تھے کہ مکہ میں جب تک ان کا غلبہ ہے وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کلیتہً روکیں گے ، لیکن آخرکار قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے خیال سے باز آ گئے ، مگر یہ باز آنا ایسے طریق سے ہو جس سے عربوں میں ان کی کچھ آبرو باقی رہ جائے کیونکہ قریش نے ان میں یہ بات مشہور کر دی تھی کہ وہ مسلمانوں کو کبھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے ، پس قریش نے دارالندوہ میں اپنی آخری قرارداد میں مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہو کر مناسک عمرہ کی ادائیگی کی اجازت دینے سے اتفاق کیا -

لیکن یہ اجازت اس سال نہیں ہوگی بلکہ آئندہ سال ہوگی یہ قرارداد دراصل اس دانش مندانہ قرارداد کی وجہ سے پاس ہوئی جس کے بموجب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا کہ وہ قریش سے جنگ کیے بغیر مدینہ کو واپس نہیں جائیں گے، اس وجہ سے —— اور اس جنگ کے شدید خوف کی وجہ سے جس کا معاملہ محض ہوائی باتوں سے طے نہ ہو سکتا تھا —— قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کے قیام کے لیے مطلق اختیارات دے دیے اور ساتھ یہ شرط لگا دی کہ مذاکرات کے درمیان وہ ایک ہی پوائنٹ پہ اڑا رہے کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے نہیں روکیں گے بشرطیکہ وہ آئندہ سال آئیں، انہوں نے سہیل بن عمرو سے کہا "محمدؐ سے صلح کیجیے اور صلح اس بات پہ ہو کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اور معاہدہ صلح کے دیگر اقدامات اور تفاصیل کو انہوں نے سہیل بن عمرو کی صوابدید پر چھوڑ دیا، سہیل دنیائے فصاحت میں ایک بلند مرتبہ رکھنے کے باوجود ایک دلیر ڈپلومیٹ اور گفتگو کا ماہر آدمی بھی تھا اور قریش کے عمدہ خطیبوں میں شمار ہوتا تھا (بعد میں یہ اسلام لے آیا اور شام کے مشہور معرکہ یرموک میں شہید ہوا۔)

اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے

سہیل اپنے وفد کے ساتھ حدیبیہ کی طرف روانہ ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہیل کو آتے دیکھا تو خوش ہوئے اور اپنے اصحاب کو کشادگی کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے نیز فرمایا اس آدمی کو بھیجتے وقت ان لوگوں نے صلح کا ارادہ کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان فرما دیا ہے، لوگ تمہارے پاس رشتہ داریوں کے تعلقات اور صلح کے سوال کرتے ہوئے آ رہے ہیں پس قربانی کے جانوروں کو بھیجو اور بلند آواز سے تلبیہ کہو، شاید اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو نرم کر دے پس صحابہ نے ہر طرف سے تلبیہ کی آوازیں بلند کیں جو آسمان کی بلندی

کو چھیڑ رہی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح میں دلچسپی

باوجودیکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جنگ کا قطعی فیصلہ کیا تھا، مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کاروائی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ہمیشہ اس مشکل کے عادلانہ حل کے لیے پُراُمید تھے جو خونریزی سے بچنے اور طوافِ بیت اللہ کے لیے مکہ میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے حق کا ضامن ہوتا اور یہ وہ حق تھا جسے قریش نے یہ اعلان کرکے کہ وہ مکہ میں مسلمانوں کو خواہ وہ صرف عمرہ ہی کے لیے آئیں، داخل نہیں ہونے دیں گے، محروم کردیا ہوا تھا۔

مذاکرات کا آغاز

قریشی وفد جب حدیبیہ پہنچا تو گذشتہ کی نسبت فریقین کے درمیان اس وقت فضا بڑی صاف اور پرسکون تھی، قریش اس دفعہ مذاکرات میں سنجیدہ تھے بلکہ اس مشکل کے حل کرنے میں پوری دلچسپی لے رہے تھے تاکہ اس مسلح تصادم سے بچ جائیں جس کے قریب الوقوع ہونے نے انہیں خوف زدہ کیا ہوا تھا نیز سادات مکہ اور فوجی دستوں کے سالاروں کو یہ یقین تھا کہ جب جنگ ٹھن گئی (تو باوجود اس کے کہ قریش کی فوج آٹھ ہزار جانبازوں سے زیادہ تھی اور مسلمانوں کی فوج چودہ سو سے زیادہ نہ تھی) تو نقصان انہی کو ہوگا، زعمائے قریش اور فوج کے سالاروں کو اس تفوق کے باوجود نقصان اُٹھانے کا یہ یقین اس لیے حاصل تھا کہ مسلمانوں کے خلاف جن معرکوں میں انہوں نے حصہ لیا تھا ان میں ان کے عملی تجربات یہی تھے اور انہوں نے جو سبق ان سے حاصل کیا تھا اُسے وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی نزاع کی بحث میں بھول نہیں

سکتے تھے، آدمیوں کی زیادتی، ہتھیاروں کی کثرت اور اچھی ہتھیار بندی، جنگوں میں فتح حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی اور عقیدے کی مضبوطی کے سامنے تعداد کی کثرت کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی اور علم حساب میں اس کی حیثیت بائیں طرف کی صفر کی مانند ہے، یہی وجہ ہے کہ قریش نے مذاکرات میں بڑی سُرعت سے کام لیا تاکہ مسلح تصادم سے بچ سکیں۔

قریشی وفد کے سربراہ کا حضور علیہ السلام کے سامنے معذرت کرنا اور حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دینا

آخری اطلاعات نے ثابت کر دیا تھا کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عثمانؓ اور دس مہاجر صحابہ کو، جو عملاً ان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے تھے، مکہ میں روک لیا ہے مگر یہ بات ثابت نہ ہوئی تھی کہ قریش نے ان گیارہ آدمیوں کو قتل بھی کر دیا ہے جیسا کہ مشہور کیا گیا تھا اور حدیبیہ میں مسلمانوں کی صفوں میں ایک جوش پیدا کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان عام لام بندی کا اعلان کر دیا گیا، اس لیے قریشی وفد کے سربراہ نے گفتگو کے آغاز میں قریش کی بعض ٹکڑیوں کے بڑاؤ میں ظلم اور خیانت کرنے کے ارادہ سے داخل ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی، نیز اس نے حضرت عثمانؓ اور دس مہاجرین کو مکہ میں روکنے کی کارروائی پر بھی معذرت کی اور کہا کہ یہ تمام کم عقل لوگوں کی کارروائیاں ہیں اور اس نے اپنی بات پر دلیل دینے اور اپنی جانب سے خوش گوار آغاز کے طور پر قریش مکہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرنے میں جلدی کریں اور انہیں عزت کے ساتھ حدیبیہ میں بھجوا دیں، قریش نے اسی وقت اس پر عمل درآمد کیا، حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھی حدیبیہ پہنچے تو مسلمان ان کی بخیر و عافیت واپسی پر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرفتار شدہ مشرکین کو آزاد کرنا۔

اسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان مشرکین کو آزاد کر دیا جنہیں اسلامی محافظوں نے قتل و تخریب کاری کے لیے اسلامی پڑاؤ کے اندر چوری چھپے داخل ہونے کے دوران گرفتار کر لیا تھا، ان گرفتار شدگان میں عمرو بن ابوسفیان بن حرب بھی شامل تھا، واقدی بیان کرتا ہے کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کے لیے ملاقات کے دوران کہا، جن لوگوں نے آپؐ سے جنگ کی ہے وہ ہمارے اہل الرائے اور عقل مند لوگوں میں سے نہیں ہیں بلکہ جب ہمیں اس امر کی اطلاع ملی تو ہم نے ان سے اظہارِ نفرت کیا اور وہ ہمارے کم عقل لوگوں میں سے ہیں۔ سہیل بن عمرو نے جب یہ معذرت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی اس وقت تک حضرت عثمانؓ اور دس مہاجر مکہ میں مشرکین کے پاس تھے، اس معذرت کے بعد جب سہیل بن عمرو نے ان چوری چھپے داخل ہونے والے بے وقوفوں کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رہائی کی درخواست کی تو آپؐ نے اس شرط پر اس درخواست کو منظور کرنے پر اتفاق کیا کہ قریش حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیں، سہیل نے اس صراحت کے بعد کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ نہایت عادلانہ ہے اور اس کی تکمیل ضروری ہے، اس پر اپنے اتفاق کا اظہار کر دیا، سہیل بن عمرو نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپؐ نے ہمارے جن ساتھیوں کو قید کیا ہے انہیں ہمارے پاس بھیج دیجیے تو آپؐ نے جواب دیا جب تک تم میرے اصحاب کو نہیں بھیجو گے میں انہیں نہیں بھیجوں گا سہیل نے جواب دیا آپؐ نے ہمارے ساتھ منصفانہ بات کی ہے، پھر سہیل نے الشتیم بن عبد مناف التیمی کو قریش کی طرف بھیجا کہ انہیں جا کر کہو کہ

تم حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دو، اس نے کہا تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں سے کچھ آدمیوں کو قید کیا ہوا ہے ان کے اور تمہارے درمیان رشتہ داری کے تعلقات ہیں، تم انہیں کیوں قتل کرتے ہو ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس وقت تمہارے ساتھیوں کو بھیجنے سے انکار کر دیا ہے جب تک تم ان کے ساتھیوں کو نہ بھیجو اور اس نے ہمارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے اصحاب کو تمہارے لیے رہا کر دیں گے تو قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیارہ آدمیوں کو بھیج دیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف ان کے گرفتار شدہ آدمیوں کو ایک ہی دفعہ بھیج دیا۔

صلح کی شرائط پر گفتگو

فریقین کے قیدیوں کے تبادلہ کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو نے ان شرائط پر مذاکرات شروع کیے جن کے مطابق وہ معاہدہ صلح طے پائے جس کے طے کرنے پر دونوں فریق متفق تھے، فریقین نے اپنی اپنی قوم کے مفاد کی خاطر شرائط صلح پر بڑی سے دے کی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی حفاظت میں

بہت سے مراحل میں، مذاکرات میں مشکلات پیدا ہوئیں، بعض اوقات بحث کے دوران آوازیں اونچی ہو جاتیں، جب کبھی قریشی وفد کا لیڈر، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شرط کے لکھوانے پر راضی نہ کر سکتا تو غصے ہو کر اس حد تک آواز بلند کر دیتا کہ مسلمان محافظوں کے لیڈر عباد بن بشر اور سلمہ بن سلمہ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے تھے، سہیل بن عمرو کی طرف

نگاہیں پھیر دیتے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے وقت حدود لیاقت کی پابندی کرے اور ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرے ۔حضرت ام عمارہ حدیبیہ کے مذاکرات کا ایک پہلو بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوکڑی مارے بیٹھے ہوئے دیکھ رہی تھی اور عباد بن بشر اور مسلمہ بن سلمہ بن حریش لوہے میں ڈھکے ہوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے تھے جب سہیل بن عمرو نے آواز بلند کی تو ان دونوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آواز کو بلند نہ کرو ، اور سہیل اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا اپنی آواز کو بلند کر رہا تھا گویا میں اس کے بالائی ہونٹ کے پھٹاؤ سے اس کی کچلیوں تک دیکھ رہی ہوں اور مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد وپیش میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔

تاریخی صلح کی شرائط

لمبی سلے دسے کے بعد دونوں مذاکرہ کرنے والوں کے نقطہ ہائے نگاہیں قربت پیدا ہوئی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان اس عظیم نقطہ کے بارے میں ایک درمیانی حل پر اتفاق ہوگیا ، جو اس اختلاف اور کشیدگی کو بڑھانے کا باعث تھا جو جنگ تک لے جاسکتی تھی، قریش کا اصرار یہ تھا کہ جب تک مکہ میں قریش کو غلبہ حاصل ہے اس وقت تک مسلمان مکہ میں کبھی داخل نہیں ہوں گے ، اس بات کے لیے انہوں نے آٹھ ہزار کے قریب جانبازوں کو جمع کر لیا تھا اور ان کے ساتھ مکہ سے باہر وادی بلدح میں پڑاؤ کر لیا تاکہ اگر مسلمان حدودِ حرم سے گزریں تو ان کو بزورِ قوت روکیں ۔

دوسری جانب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر قریش اپنی مسلح افواج کے ساتھ مسلمانوں سے اُلجھے اور انہیں بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تو وہ اپنے اصحاب کے ساتھ مناسک عمرہ کی ادائگی اور قریش سے جنگ کرنے

کے لیے مکہ میں ضرور داخل ہوں گے ــــــ اس کے با وجود آپؐ نے اس مرض کے حل کے لیے جو خونریزی کے بغیر مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کا قانونی حق انہیں دے، بڑی بردباری سے انتظار کیا اور قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عثمانؓ اور دس مہاجرین کو مکہ میں گرفتار کر کے اس بحران کو بڑھانے اور موقف کو تنگ کرنے کا ارادہ کیا جو پھٹنے کی حد تک پہنچ چکا تھا گرفتاری کی اس ظالمانہ کاروائی کے ساتھ ساتھ قریش نے یہ بات بھی مشہور کر دی کہ انہوں نے گیارہ مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے اس امر نے کشیدگی میں اور بھی اضافہ کر دیا، پس اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے جنگ کرنے اور مکہ میں بزورِ قوت داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا، اس بات نے قریش کو پریشان اور مرعوب کر دیا اور وہ مسلمانوں سے مصالحت کے لیے جلدی کرنے لگے۔

درمیانی حل

اس نزاع کے بڑے پوائنٹ کے بارے میں درمیانی حل یہ قرار پایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا ان مذاکرات میں اس امر پہ اتفاق ہو گیا کہ مسلمان عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوں گے، لیکن اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال، یہ ایک درمیانی حل تھا، قریش نے دیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اس بھنور سے نکل آئے ہیں جس میں انہوں نے اپنے آپ کو پھنسا دیا تھا، پھر اس کے ساتھ ان کی کچھ آبرو بھی باقی رہ گئی ہے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دیکھا کہ آپ نے اس حل کے ذریعہ ایک قطرہ خون بہائے بغیر مسلمانوں کے لیے فتح عظیم حاصل کر لی ہے اور یہ فتح، معاہدہ صلح کی وہ ضمانت ہے جس سے مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ کے لیے مکہ میں داخل ہونے کا قانونی حق ملا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے متعلق قریش معارضہ کرتے رہے ہے اور اس حق کے تسلیم نہ کرنے پہ

اصرار کرتے رہے، اب رہا یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کو دخولِ مکہ کے حق کے لینے سے ایک سال تک پیچھے کر دیا گیا ہے پس یہ بات اس فتح کی حقیقت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے حاصل کیا، بہ تاخیر، قضیہ کی اصلیت پر نظر کرتے ہوئے ایک سطحی امر ہے، مسلمان جس غرض کے لیے آئے تھے وہ صرف بیت اللہ کا طواف تھا اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں آئندہ سال داخل ہونے کے لیے حدیبیہ سے واپسی کو قبول کرنا، وہ قیمت ہے جس سے آپ نے مسلمانوں کا قانونی حق حاصل کیا —— یعنی ایک قطرہ خون کے نقصان کے بغیر مکہ میں داخل ہونا —— اس لیے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خون کی حفاظت کرنے اور اس کو ضیاع سے بچانے کے نہایت ہی آرزو مند تھے۔

صلح کی اہم شرائط

فریقین کے سب سے بڑی مشکل کے حل پر اتفاق سے جو اختلاف اور کشیدگی کا منبع تھی، حدیبیہ میں تاریخی صلح کی تکمیل ہو گئی اس بڑی شرط کے علاوہ جو مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے متعلق ہے، اس معاہدہ صلح کی اور شرائط بھی تھیں، ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

۱۔ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینہ واپس چلے جائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ آئندہ سال آ کر مکہ میں داخل ہوں اور اپنے مناسک ادا کریں۔

۳۔ مسلمان جب مکہ میں داخل ہوں گے تو قریش ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنے کے پابند ہوں گے۔

۴۔ مسلمان مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف تلوار لے کر آئیں گے۔

۵۔ مسلمان مکہ میں اپنے اسلحہ کو سونت کر بلند نہ کرنے کے پابند ہوں گے

بلکہ جب تک وہ مکہ میں رہیں گے اپنی تلواروں کو نیاموں میں رکھیں گے۔

۶۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مکہ میں مقررہ مدت یعنی تین دن گذرنے کے بعد مکہ سے فوراً چلے جائیں۔

۷۔ طرفین کے درمیان اس صلح کے قیام سے دس سال کی مدت تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ ہوگا اور لوگ اپنی جانوں کے بارے میں امن وامان میں ہوں گے۔

۸۔ اس معاہدہ کی پختگی کے بعد جو شخص قریش کی جانب سے اپنے اہل کی اجازت کے بغیر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا آپ اُسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے اس بات کی پابندی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لازمی ہوگی، خواہ پناہ لینے والا مسلمان ہی ہو۔

۹۔ قریش اس بات کے پابند نہیں ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے آنے والے کسی آدمی کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس کریں خواہ وہ اپنے دین سے مرتد ہی ہو۔

۱۰۔ حرم کے پڑوس میں رہنے والے قبائل کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ دونوں فریقوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں اور جس فریق کے عہد میں چاہیں داخل ہوں۔

۱۱۔ جو قبیلہ کسی فریق کے ساتھ شامل ہوگا وہ اس فریق کا جزو متصور ہوگا۔ جس کے عہد میں وہ شامل ہوا ہے اور عہد کی رُو سے جو فوائد یا نقصانات اس فریق کو ہوں گے وہ ان میں برابر کا شریک ہوگا اور معاہدہ کی شرائط کی پابندی اس کے لیے ضروری ہوگی۔

۱۲۔ ان قبائل پر کسی قسم کی زیادتی کرنا اس فریق پر زیادتی سمجھی جائے گی جس کے عہد میں وہ داخل ہے نیز اس زیادتی کو معاہدہ کو باطل کرنے والی خیال کیا جائے گا۔

یہ اس تاریخی صلح کی لمبی چوڑی شرائط کا خلاصہ ہے اور اسی پر مسلمانوں کے نبی محمد بن عبداللہ اور قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے مذاکرات میں اتفاق کیا ہے۔

معاہدہ پر شدید معارضہ

صلح کے اس معاہدہ پر اتفاق کے بعد اور اس کی دستاویزات کے اندراج سے قبل مسلمانوں کے درمیان شدید معارضہ پیدا ہو گیا، خصوصاً آٹھویں اور نویں شرط پر جن کی رُو سے حضرت نبی کریم پہ ان مسلمانوں کو واپس کرنا لازم تھا جو پناہ لینے کے لیے آپؐ اور قریش پہ ان مسلمانوں کی واپسی کی پابندی نہ تھی جو مرتد ہو کر آپؐ اور پہلی شرط کا فیصلہ یہ تھا کہ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ سے مدینہ کی طرف واپس چلے جائیں اس معاہدہ پر سب سے زیادہ شدید تنقید و معارضہ کرنے والے حضرت عمر بن الخطاب، اوس کے سردار اُسید بن حضیر اور خزرج کے سردار سعید بن عبادہ تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن خطابؓ کا احتجاج اور مجادلہ

مورخین نے بیان کیا ہے کہ جس معاہدہ پر بالآخر اتفاق ہو گیا، ابھی اس کی تحریر کے اقدامات ہو ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب اس معاہدہ کے متعلق اعلانیہ معارضہ کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے وہ سخت کرب و انفعال کی حالت میں تھے اور حدیبیہ میں موجود جمہور مسلمانوں کو اس معارضہ میں شامل کر رہے تھے۔

کیا ہم مسلمان اور وہ مشرک نہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے معارضہ کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک میں اللہ کا رسول ہوں حضرت عمرؓ نے کہا، کیا ہم مسلمان نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بے شک ہم مسلمان ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا وہ مشرک نہیں؟ فرمایا ہاں وہ مشرک ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم اپنے دین میں اس ذلت کو کیوں قبول کریں؟ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے شدید مطالبات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا (جس میں نبی کا یقین، سردار کا حلم اور لیڈر کی حکمت شامل تھی) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں ہرگز اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن خطاب کا اس معاہدہ پر ناراضگی اور معارضہ اس وجہ سے تھا کہ اس میں ان کے اعتقاد کی قوت کو نقصان پہنچایا گیا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبات کا جو جواب دیا اس نے انہیں موقع نہ دیا کہ وہ آپؐ کی بات کو سمجھ سکیں، پس حضرت فاروقؓ انفعالی کیفیت ہی میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس گئے اور ان کے پاس احتجاج کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ معاہدہ مسلمانوں کی ذلت پر مشتمل ہے اور کہا اے ابوبکرؓ! کیا وہ اللہ کے رسول نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر کہا ہم مسلمان نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بے شک ہم مسلمان ہیں، پھر کہا کیا وہ مشرک نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بے شک وہ مشرک ہیں، تو پھر ابن خطاب نے کہا پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں قبول کریں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاروق کو احتجاج اور معارضہ کو ترک کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا —— اس کے فرماں بردار رہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو انہیں حکم دیا گیا ہے، وہی حق ہے، اور ہم امر الٰہی کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ

ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کے کرب میں اضافہ

اس صلح کی قریشی شرائط سے اکیلے ابن خطاب ہی کرب میں مبتلا نہ تھے بلکہ اکثر صحابہ ان شرائط سے دکھ محسوس کر رہے تھے اور ان پر اتفاق کرنے سے خوش نہ تھے، لیکن ان میں سے ہر کوئی ابن خطاب کی طرح جرأت مندانہ طور پر اظہار خیال کرنے والا نہ تھا، صحابہ اس صلح کو ناپسند کرتے تھے اور درد و غم کے احساس میں ابن خطاب کے شریک تھے، انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، اس صلح کے دور رس نتائج کا ادراک نہ کیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رؤیا مدینہ میں دیکھی تھی کہ وہ عنقریب مکہ میں داخل ہوں گے اور کعبہ کی کلید لیں گے اس کے مطابق صحابہ کو مکہ میں داخل ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قریش اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس اساس پہ صلح ہوئی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں تو انہیں اس بات سے شدید صدمہ ہوا، قریب تھا کہ وہ اس شدید نفسیاتی صدمہ سے ہلاک ہو جاتے، انہوں نے اس بارے میں اپنے خلجان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ کے سامنے کئی سوال پیش کیے، لیکن جس انداز سے حضرت عمر بن الخطاب نے اظہار کیا تھا وہ سخت اسلوب اختیار نہ کیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس صلح کے متعلق صحابہ کے درد و غم اور ناپسندیدگی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول صلح کو ناپسند کرتے تھے، کیونکہ وہ فتح کے بارے میں یقین رکھتے تھے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ آپ نے اپنا سر منڈا دیا ہے اور آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں اور کعبہ کی کلید لی ہے اور عرفہ جانے والوں کے

ساتھ عرفہ گئے ہیں مگر جب اُنھوں نے صلح ہوتے دیکھی تو انہیں اس قدر صدمہ ہوا جس سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے، حضرت عمرؓ اور آپؐ کے ساتھ دیگر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا آپؐ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ عنقریب مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور کعبہ کی کلید لیں گے اور عرفات جانے والوں کے ساتھ عرفات جائیں گے؟ اور صورتِ حال یہ ہے کہ نہ ہماری قربانیاں بیت اللہ تک پہنچی ہیں اور نہ ہم وہاں پہنچے ہیں، اس پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ یہ سب کچھ تمہارے اس سفر میں ہوگا حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں، آپؐ نے فرمایا تم ضرور بیت اللہ میں داخل ہو گے اور میں کعبہ کی کلید لوں گا اور وادی مکہ میں اپنے اور تمہارے سروں کو منڈاؤں گا۔

ابوجندلؓ کا اثر انگیز واقعہ

اسی دوران میں کہ مسلمان درد و کرب کی حالت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان شرائطِ صلح پر نظرِ ثانی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے جنہیں وہ اپنی عزت کے خلاف اور اپنی اُمیدوں کو ناکام بنانے والی خیال کرتے تھے —— جیسا کہ ان کے بڑے معارض حضرت عمرؓ بن الخطاب نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضاحت کی تھی —— اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پُرسکون رکھنے اور رضامند کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جو صلح آپؐ کے اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہوئی ہے اس میں کوئی زیادتی کی بات نہیں اور نہ ہی کسی کے حق کا انکار ہے، اسی دوران میں بعض صحابہ اس معاہدہ کے دُور رس نتائج اور مسلمانوں کو پہنچنے والے فوائد کو سمجھنے لگے —— کہ اچانک ایک ایسا اثر انگیز واقعہ رُونما ہوا جس سے مسلمانوں کے درد و کرب میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس صلح کے متعلق ان کی ناراضگی اور بڑھ گئی، جس کو وہ پہلے ہی ناپسند کرتے تھے، اگر انہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید احترام

نہ ہوتا جنہوں نے اس صلح میں دلچسپی لی اور اس پر اتفاق کیا تھا تو وہ اس صلح کو باطل قرار دینے اور اس کی پابندی نہ کرنے پر مستعد تھے، جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو مذاکرات کے بعد شرائط صلح پر اتفاق کر چکے اور دستاویزات پر سوائے دستخط کرنے کے اور کوئی بات باقی نہ رہی تو مکہ کے مظلوم مسلمانوں میں سے ایک نوجوان پا بجولاں مسلمانوں کے پاس آیا، تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ حدیبیہ میں مسلمانوں سے پناہ کا حق طلب کر رہا تھا تاکہ وہ شرک کے گلا گھونٹنے والے ماحول سے اپنے دین کے ساتھ بھاگ جائے اور اس مومن نوجوان نے مسلمانوں کے پڑاؤ میں پناہ لے لی اور اس جگہ پہ پہنچ گیا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذاکرات کرنے والے قریشی وفد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، صلح کے معاملہ میں مزید الجھاؤ پیدا ہو گیا قریب تھا کہ معاہدہ صلح ٹوٹ جاتا اور بحران معاہدہ ہونے سے قبل کی حالت سے بھی بڑھ کر خطرناک صورت اختیار کر لیتا، کیونکہ یہ پناہ لینے والا مسلم نوجوان قریش کے مذاکراتی وفد کے سربراہ سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا، وہ بیٹے کو دیکھتے ہی غضب ناک ہو گیا اور جاہلی عصبیت کے تحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر اپنے اس بیٹے کی طرف گیا جو مکہ سے اپنے بندی خانے سے بھاگ آیا تھا اس نے اس کے چہرے پہ ضرب لگائی پھر اسے گریبان سے پکڑ کر اپنے آگے پھینکا تاکہ اسے دوبارہ مشرکین کے پڑاؤ میں لے جائے اور اسے دوبارہ مکہ میں اس کے بندی خانے میں ڈال دے جب مشرک سہیل بن عمرو نے اپنے مسلمان بیٹے کو مار کر اس پہ زیادتی کی اور اسے دوبارہ بندی خانے کی طرف لے جانے کے لیے سختی سے دھکے دینے لگا تو ابوجندل نے مسلمانوں سے مدد طلب کرتے ہوئے چیخ کر کہا، اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ میرے دین کے بارے میں مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، تو معاہدہ صلح کے خلاف ازسر نو مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے،

اور نئے سرے سے کشیدگی میں اضافہ ہو گیا، جب مسلمانوں نے ابو جندل کی حمایت میں اس کے مشرک باپ سے اُسے چھین لیا تا کہ وہ ان کے ساتھ رہے اور یہی اس کی خواہش تھی کیونکہ اب وہ اسلامی سوسائٹی کا ایک ممبر تھا، تو قریب تھا کہ معاہدہ صلح ٹوٹ جاتا، سہیل بن عمرو نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو چھیننے کی کوشش نہیں کی، بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ آپ معاہدہ صلح کی آٹھویں شرط کی پابندی کرتے ہوئے میرے بیٹے کو میرے سپرد کر دیں کیونکہ اس شرط کی رُو سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی تھی کہ مشرکین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر آئے گا آپ اسے اس کے اہل کو واپس کریں گے، سہیل بن عمرو نے اپنے احتجاج میں کہا، یہ پہلی بات ہے جس پر میں نے آپ کو قاضی بنایا ہے میرے بیٹے ابو جندل کو واپس کرو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو اس کے باپ کو سپرد کرنے میں معذرت کرنے کی کوشش کی، کیونکہ ابھی معاہدہ تحریر نہ ہوا تھا اور نہ اس پر دستخط ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا ہم نے ابھی تک معاہدہ تحریر ہی نہیں کیا۔ لیکن سہیل بن عمرو نے اپنے بیٹے کے سپرد کرنے پر اصرار کیا اور یہ حجت پیش کی کہ معاہدہ کو تکمیل کے حکم میں تصور کیا جائے اور اس نے دھمکی دی کہ اگر اس کے بیٹے کو اس کے سپرد نہ کیا گیا تو وہ معاہدہ کو ختم کر دے گا اس نے کہا یہ پہلی بات ہے جس پر میں آپ کو قاضی بناتا ہوں ابو جندل کے آنے سے قبل میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ مکمل ہو چکا ہے —— خدا کی قسم جب تک آپ ابو جندل کو واپس نہ کریں میں آپ سے کسی بات پر مکاتبت نہ کروں گا۔

ابو جندل کو مشرکوں کے سپرد کرنا

محمدؐ بن عبداللہ نے —— جو سب سے بڑھ کر عہد کو پورا کرنے والے تھے —— اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ سہیل کی گفتگو پر ٹھہر جائیں اور معاہدہ

کی نصاً اور رُوحاً پابندی کرتے ہوئے ابوجندل کو اس کے مشرک کے سپرد کر دیں پس آپ نے اُسے سپرد کر دیا جس سے مومنین کے دلوں کو بہت رنج پہنچا کیونکہ رسول خدا کے نزدیک عہد کا پورا کرنا، جذبات سے بہت بلند مقام رکھتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا ابوجندل کے پاس معذرت کرنا

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان نوجوان ابوجندل کے پاس معذرت کی کہ ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ کسی کاروائی کے ذریعہ اس کے باپ اور اس کے روکنے کے درمیان حائل ہوسکیں اس لیے کہ اگر آپ یہ کام کریں تو اسے اس عہد کی خلاف ورزی خیال کیا جائے گا جو قریش کو دیا گیا ہے اور خود ابوجندل بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ ان کا سردار اور قائد تو کجا، کوئی دوسرا مسلمان بھی خیانت کا ارتکاب کرے، آپؐ نے ابوجندل سے فرمایا، ابوجندل صبر کر اور رک جا، یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے لیے اور تیرے ساتھیوں (کمزور مسلمانوں) کے لیے کشائش اور فراخی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے اور انہوں نے ہمیں اور ہم نے انہیں عہد دیا ہے اور ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔

ابوجندل کا حکم رسول کو ماننا

ابوجندل نے فرمانِ رسول کو پوری بشاشت سے قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے مشرک باپ کے سپرد کر دیا اور اُسے یہ اطمینان حاصل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے کمزور بھائیوں کے مکہ سے نکلنے کی سبیل بنانے والا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اس بات کی خوشخبری دی تھی اور صادق الایمان مومن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے متعلق ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لیے ابوجندل پا بجولاں اپنے خوفناک بندی خانے میں مکہ میں واپس آگیا اور اس خوشخبری کی وجہ سے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُسے دی تھی وہ بڑا اشادان وفرحاں تھا (کہ اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے کشائش اور فراخی کی صورت بنانے والا ہے) اور عملاً ابوجندل کے دُکھ دہ المیہ پر ایک سال کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اور اس کے ستّر نوجوان ساتھیوں کو مکہ سے رہائی دلادی۔ وہ شرک کے بندی خانوں سے بھاگ گئے ہیں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے مکہ اور شام کے درمیان، مشرکین کے قافلوں کے راستے پر ایک اسلامی انقلابی پارٹی بنائی اس کی تفصیل اس کتاب میں آئندہ بیان ہوگی۔

مسلمانوں کے کرب میں اضافہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کو، اس کے باپ سہیل بن عمرو کے پاس واپس کر دیا تو مسلمانوں کے دلوں پر ہم وغم اور کرب و اضطراب کا دباؤ بڑھ گیا، قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے اور اس نفسیاتی تکلیف نے مسلمانوں کو اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ ابوجندل جیسے اچھے اور مثالی مسلمان کی تکلیف پر رونے لگے جسے اس کا تندخو مشرک باپ سختی اور وحشی پن سے ان کے سامنے گھسیٹتا ہوا لے گیا اور وہ باوجود پوری طاقت رکھنے کے اُسے چھڑانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔

سہیل بن عمرو کا اپنے بیٹے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو قبول نہ کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہیل بن عمرو کے اس حق کو تسلیم کر لیا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے پاس روک سکتا ہے اور اس کے سپرد کر دینے پر بھی آپؐ نے اتفاق کر لیا، تو آپ نے سہیل سے مطالبہ کیا کہ آپ میرے لیے اپنے بیٹے کو چھوڑ جائیں اور اُسے روک رکھنے کے حق سے دست بردار ہو

جائیں، خصوصاً اس لیے کہ وہ محض اپنی مرضی سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کے لیے آیا ہے، لیکن سہیل نے اس مطالبہ کو قبول نہ کیا اور اُسے واپس لے جانے پہ اصرار کیا۔ اس نے اپنے مرضی کے مطابق جو کرنا تھا وہ کیا، کیونکہ شرائط صلح اس کو یہ حق دیتی تھیں۔

قریشی وفد کے دو ممبروں کا ابوجندل کو پناہ دینا

قریشی وفد کے دو ممبروں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سہیل بن عمرو سے بہت اصرار کرتے دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو چھوڑ دے اور اُسے تعذیب کے خوف سے بچائے اور یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو انقباض کے ساتھ قبول نہیں کر رہا تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ابوجندل اپنے باپ کے شر سے ان دونوں کی پناہ میں ہوگا، ان دونوں نے کہا اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی خاطر اُسے پناہ دیتے ہیں اور عملاً ان دونوں نے سہیل بن عمرو سے بھی کہہ دیا کہ اس کا بیٹا ان دونوں کی پناہ میں رہے پھر وہ دونوں اُسے ایک خیمہ میں لے گئے اور اس کا باپ اُسے ایذا دینے سے رُک گیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق ابوجندل کو یہ پہلی کشائش حاصل ہوئی کیونکہ آپؐ نے اُسے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے کشائش اور فراخی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، واقدی، ابوجندل کے اس اثر انگیز واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لوگوں میں صلح ہو چکی تھی اور ابھی تک دستاویز نہیں لکھی گئی تھی کہ ابوجندل تلوار لگائے، پا بجولاں مکہ کی ترائی سے نمودار ہوا جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ سہیل کو لکھا رہے تھے سہیل نے سر اٹھایا، کیا دیکھتا ہے کہ اس کا بیٹا ابوجندل کھڑا ہے سہیل نے اُٹھ کر ایک خار دار ٹہنی اس کے چہرے پہ ماری اور اُسے گلے سے

پکڑ لیا تو ابو جندل نے بلند آواز سے کہا مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ میرے دین کے بارے میں مجھے فتنہ میں ڈالیں؟ اس سے مسلمانوں کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا اور وہ ابو جندل کی بات سن کر رونے لگے، حویطب بن عبدالعزیٰ نے مکرز بن حفص سے کہا، میں نے کبھی کسی قوم کو نہیں دیکھا جو اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتی ہو، میں تجھے کہتا ہوں کہ آج کے بعد تو کبھی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بدلہ نہ لینا جب تک وہ بزورِ قوت کہ میں داخل نہ ہوں، مکرز نے کہا میری بھی یہی رائے ہے، واقدی بیان کرتا ہے کہ سہیل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یہ پہلی بات ہے جس پر میں نے آپؐ کو قاضی بنایا ہے میرے بیٹے کو واپس کرو، آپؐ نے فرمایا ابھی ہم نے تحریر مکمل نہیں کی، سہیل نے کہا خدا کی قسم جب تک آپ میرے بیٹے کو واپس نہیں کریں گے میں آپ سے کسی بات پر مکاتبت نہ کروں گا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کو واپس کر دیا پھر آپؐ نے سہیل سے کہا کہ وہ بیٹے کو چھوڑ دے مگر اس نے انکار کر دیا، اس پر مکرز بن حفص اور حویطب نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی خاطر اسے پناہ دیتے ہیں پھر انہوں نے اُسے ایک خیمے میں داخل کر کے پناہ دے دی اور اس کا باپ اُسے ایذا دینے سے رُک گیا، پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور رُک جا، یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے کشائش اور فراخی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے اور ہم نے انہیں اور انہوں نے ہمیں عہد دیا ہے اور ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔

مُسلمانوں کے درمیان نئے سرے سے معارضے کا پیدا ہونا

ابو جندل کی آزمائش کے دائروں کے استحکام اور اپنے ارادے کے برعکس

اپنے باپ کی طرف واپس لوٹنے سے اس کے ایلچی کے بڑھ جانے سے اسلامی پڑاؤ کے اندر صلح کے بارے میں نئے سرے سے معارضہ پیدا ہوگیا، مسلمانوں کو غم و اندوہ نے آلیا اور ابو جندل کے ساتھ اس کے باپ نے جو کچھ کیا اُسے انہوں نے اس کی اہانت خیال کیا، مگر وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصالحانہ التزامات کی وجہ سے اس کی کوئی حمایت نہ کر سکے ــــــ اور انہوں نے اُسے صلح حدیبیہ کا پہلا تلخ پھل تصور کیا، پس وہ از سرِ نو معارضہ کی طرف واپس آگئے اور ان میں سے ایک پارٹی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنے غم کا اظہار کرتے ہوئے دوبارہ آپ سے مناقشہ کیا اور صلح کے بارے میں معارضہ کیا اور دریافت کیا کہ کس وجہ سے اور کیوں مکہ میں داخل ہوئے بغیر وہ مدینہ کی طرف واپس جائیں جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مدینہ میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے۔

تمرد کے متعلق سوچ بچار، لیکن .....

بلکہ بعض نے غم و اندوہ کی شدت کے باعث تمرد اختیار کرنے اور معاہدہ صلح کے برعکس مشرکین سے جنگ کرنے کے لیے خروج کے بارے میں بھی سوچ بچار کی، اگر اللہ تعالیٰ انہیں ایسا کرنے سے محفوظ نہ رکھتا تو وہ ضرور تمرد اختیار کرتے۔ صلح کے سب سے بڑے معارض حضرت عمرؓ فاروق سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں کہا ــــ حضرت ابن عباسؓ آپ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے صلح حدیبیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ــــ جب سے میں اسلام لایا ہوں میں کبھی شک کا شکار نہیں ہوا مگر صلح حدیبیہ کے روز مجھے شک پیدا ہوگیا، اگر صلح حدیبیہ کے روز میں کسی ایسی پارٹی کو پاتا جو اس قضیہ سے بے رغبتی کر کے خروج کرتی تو میں بھی خروج کرتا، پھر اللہ تعالےٰ نے اس کا انجام بہتر کر دیا اور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اللہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ اس دن میں نے جو گفتگو کی تھی اس کے خوف سے میں ہمیشہ ہی روزے رکھتا رہا اور صدقہ دیتا رہا۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپؓ نے صلح حدیبیہ کا ذکر شروع کر دیا آپؓ نے فرمایا مجھے اس روز شک ہو گیا اور میں نے اس روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کی کہ اس قسم کی گفتگو میں نے آپ سے کبھی نہیں کی تھی، اس روز جو مجھے شک ہوا میں نے اس کے بدلے میں کئی غلام آزاد کیے اور ایک لمبا زمانہ روزے رکھے جب میں اکیلا ہوتا تو اس روز جو کچھ میں نے کیا اسے یاد کرتا رہا اور مجھے سب سے بڑا غم اسی کا ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس قضیہ کا انجام اچھا کر دیا۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ رائے کو متہم کریں۔

خدا کی قسم اس روز مجھے شک ہو گیا تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میری رائے کے مطابق ایک سو آدمی ہوتے تو ہم کبھی اس معاہدہ میں شامل نہ ہوتے، جب قضیہ طے ہو گیا تو جتنے آدمی حدیبیہ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلائے تھے اس سے زیادہ صلح کے زمانے میں مسلمان ہو گئے اور اسلام میں حدیبیہ کی فتح سے اور کوئی بڑی فتح نہیں ہوئی۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے بیان کیا ہے کہ ابو وائل نے کہا کہ جب سہل بن حنیف صفین سے آیا تو ہم اس کے پاس حالات معلوم کرنے کے لیے آئے تو اس نے کہا رائے کو متہم کرو، میں نے ابو جندل کے واقعہ کے روز اپنے آپ کو اس حال میں پایا کہ اگر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی طاقت رکھتا تو میں رد کر دیتا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، ہم جس خوفناک بات کی وجہ سے اپنے کندھوں پر تلواریں رکھتے، وہ ہمیں آسانی کے ساتھ ایک ایسے امر کی طرف لے جاتیں جسے ہم

اس امر سے پہلے جانتے ہوتے ، ہم ایک مدمقابل کا راستہ روکتے تو ایک اور مدمقابل ہم پر پل پڑتا ، ہمیں علم بھی نہ ہوتا کہ وہ آجاتا۔

حضرت ابن خطابؓ کا ابوجندل کو اپنے مشرک باپ کے قتل پر اکسانا

باوجودیکہ بعض صحابہ ۔ جن کے سربراہ حضرت عمر فاروقؓ تھے ــــ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان معاہدہ صلح کے طے پا جانے کے باوجود مشرکین کے مقابلہ میں تمرد اختیار کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے جیسا کہ حضرت ابن خطاب اور عمران بن حصین نے وضاحت کی ہے ــــ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس خطرناک بات کے اختیار کرنے سے بچا لیا ، پس اُنہوں نے اپنے غصے کو پی لیا اور اپنے آلام کو نگل لیا اور وہ مشرکین سے جنگ نہ کرنے کے اوامر نبوی کی پابندی کرنے لگے ، مگر حضرت عمرؓ بن الخطاب نے قریشی وفد کے سربراہ سہیل بن عمرو مشرک کو معاہدہ صلح کی منصوص نبوی پابندیوں میں مخل ہوئے بغیر قتل کرنے کی کوشش کی ، اور وہ اس طرح کہ حضرت عمرؓ ابوجندل کے پاس گئے اور اُسے اپنے مشرک باپ کے قتل کرنے پر اکسانے لگے ، لیکن ابوجندل نے باوجود رغبت کے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ ایک مسلمان کی طرح ان باتوں کی پابندی کرے گا جن کی پابندی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے ، اس کے لیے سہیل کا قتل کرنا ممکن نہیں ، کیونکہ یہ بات اوامر نبوی سے خروج متصور ہوگی اور اس بات میں ابوجندل کو کوئی دلچسپی نہیں ، مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب ــــ شدید انفعالی حالت میں ابوجندل کی طرف گئے اور اس کا باپ انہیں دھکے مار رہا تھا آپ نے کہا ابوجندل صبر کرو ، یہ مشرک لوگ ہیں ، ان میں ہر ایک کا خون کتے کے خون کی طرح ہے تو بھی ایک جوان ہے اور وہ بھی ایک جوان

ہے، اور تیرے پاس تلوار بھی ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مجھے اُمید تھی کہ وہ تلوار پکڑ کر اپنے باپ کو مار دے گا مگر اس نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا تو حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو جندل! اللہ کے معاملے میں آدمی اپنے باپ کو بھی قتل کر دیتا ہے خدا کی قسم اگر ہم اپنے آباء کو پاتے تو ہم انہیں اللہ کے معاملے میں قتل کر دیتے [1] پس آدمی کے بدلے آدمی ہے، ابن ہشام بیان کرتا ہے کہ ابو جندل نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہا آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ اُسے کیوں قتل نہیں کرتے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اور دوسرے کسی آدمی کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے ابو جندل نے کہا، آپ مجھ سے رسول کی اطاعت کے زیادہ حق دار نہیں۔

اے عمر، شاید وہ کسی قابل تعریف مقام پر کھڑا ہو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی کہ عمر بن الخطاب نے ابو جندل کو اپنے باپ کے قتل کرنے پر اکسایا ہے تو آپ نے فرمایا اے عمر شاید وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اس کی تعریف ہو۔

معارضہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناقشہ کی طرف آنا۔

ابو جندل کے تکلیف دہ اور اثر انگیز واقعہ کے بعد صحابہ پھر از سرِ نو صلح کا معارضہ کرنے لگے اور ان میں سے ایک پارٹی جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی شامل تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گفتگو کرنے اور از سرِ نو صلح سے اعلانِ معارضہ

---

[1] یہ بات اس جگہ ذکر کرنے کے قابل ہے کہ بدر کے روز حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنے چچا کو قتل کیا تھا۔

کرنے کے لیے کی گئی مگر اس دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا داد صبر و حکمت حلم اور قوت حجت سے معارضین کو اس صلح پر رضا مند کر لیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے مفاد میں ہے اور یہ ان کی فتح ہے ان کے دشمنوں کی فتح نہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں، بالآخر انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ کو تسلیم کر لیا کہ یہی درست اور حق ہے، ان لوگوں میں ان کے بڑے معارض حضرت عمر بن الخطاب بھی شامل تھے، جو نفسیاتی صدمہ سے ہوش میں آنے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید مجادلہ و معارضہ کرنے پر سخت شرمندہ تھے، اور انہوں نے اس بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جوابات دیے، ان کے کفارہ میں صدقات دیتے رہے اور غلاموں کو آزاد کرتے رہے (جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے)

واقدی نے المغازی میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول کیا آپ نے ہمیں نہیں فرمایا تھا کہ آپ مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور کعبہ کی کلید لیں گے اور عرفہ جانے والوں کے ساتھ عرفہ جائیں گے مگر نہ ہم بیت اللہ میں پہنچے ہیں اور نہ ہماری قربانیاں پہنچی ہیں اس کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ بات کہی تھی کہ یہ سب کچھ اس سفر میں ہوگا، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ضرور بیت اللہ میں داخل ہو گے اور میں کعبہ کی کلید لوں گا اور منا اور تمہارے سر وادیٔ محرم میں منڈاؤں گا اور عرفہ جانے والوں کے ساتھ عرفہ جاؤں گا پھر آپ نے حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم اُحد کے روز کو بھول گئے ہو جب تم بلندی کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور میں تمہارے پچھلے حصے میں تمہیں بلا رہا تھا، کیا تم احزاب کے دن کو بھول گئے ہو۔ جب دشمن تمہارے اُوپر اور نیچے سے آ گئے اور آنکھیں پھر گئیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے، کیا تم فلاں دن کو بھول

گئے ہو ؟ اس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کئی امور یاد دلانے لگے ــــ کیا تم فلاں دن کو بھول گئے ہو ؟ تو مسلمانوں نے کہا ، اے خدا کے نبی آپ اللہ اور اس کے حکم کو بہتر جانتے ہیں ، واقدی بیان کرتا ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضیہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے اور اپنا سر منڈایا تو فرمایا ، میں نے تم سے یہی وعدہ کیا تھا اور جب فتح کا روز آیا تو آپ نے کعبہ کی کلید لی اور فرمایا کہ عمر بن الخطاب کو میرے پاس بلاؤ ، جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا میں نے یہی بات تمہیں کہی تھی اور جب حجۃ الوداع کے موقع پہ آپ عرفہ میں تھے تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ، میں نے یہی بات تمہیں کہی تھی ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑی فتح نہیں ہوئی ۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کا ابن خطابؓ کو معارضہ سے رکنے کا مشورہ دینا

اب پھر ہم معارضہ کے موضوع کی طرف آتے ہیں ..... حضرت ابن خطاب مسلسل معارضہ کرتے رہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ کہنے لگے ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کو کیوں قبول کریں ؟ واقدی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو قضیہ سے بڑا دکھ پہنچا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کو کیوں قبول کریں ، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا ۔

حضرت عمرؓ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے لگے ، یہاں تک کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح انہیں کہنے لگے ، اے ابن خطاب کیا آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سنیں گے ، شیطان سے

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیے اور اپنی راہ کو متعین کیجیے۔

حضرت عمرؓ کا معارضہ سے رجوع کرنا اور سخت شرمندہ ہونا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں شرمندگی کے باعث شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے لگا، مجھے اس دن سے زیادہ کبھی شرمندگی نہیں ہوئی، اس روز میں نے جو گفتگو کی اس کے خوف سے ہمیشہ روزے رکھتا رہا اور صدقہ دیتا رہا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں قضیہ حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے مجھے کہا جب سے میں اسلام لایا ہوں اس طرح کا شک مجھے کبھی نہیں ہوا، اگر اس روز مجھے کوئی ایسی پارٹی مل جاتی جو قضیہ سے بے رغبتی کرتے ہوئے خروج کرتی تو میں بھی خروج کرتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام بہتر کر دیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہتر علم رکھتے تھے، ایک دوسری روایت میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس روز میں نے جو گفتگو کی اس کے خوف سے میں ہمیشہ روزے رکھتا رہا اور نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے امید ہو گئی کہ اس کا انجام بہتر ہو گا۔

معاہدہ کا تحریر کرنا اور دستاویزات کا تبادلہ کرنا

جب اسلامی جانب سے معارضہ کی آندھی ختم ہوئی اور معارضہ کرنے والوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ وہ معارضہ کرنے میں غلطی پہ تھے ——

اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عظیم دُوررس فوائد کی تشریح کر دی، جو اس صلح کی پختگی کے نتیجہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوں گے تو اسلامی وفد، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اور قریشی وفد سہیل بن عمرو کی قیادت میں اس صلح کو آخری اور مفصل قانونی شکل دینے کے لیے (جس پہ دونوں وفدوں نے آغاز ہی میں لمبی چوڑی شرائط اور اس کے بڑے بڑے اصولوں پہ

اتفاق کیا تھا) اجتماع کی طرف واپس لوٹ آئے۔

معاہدہ کی قانونی شکل میں اختلاف

معاہدہ کو آخری قانونی شکل دیتے اور لکھتے وقت تاکہ وہ سرکاری طور پہ نافذالعمل ہو، بعض نقاط کے متعلق دونوں وفدوں میں اختلاف پیدا ہوگیا، قریب تھا کہ بحران پھر پہلی صورت اختیار کر لیتا جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متفق علیہ معاہدہ کو قانونی شکل دینے کے لیے لکھوانا شروع کیا، تو آپ نے کاتب کو حکم دیا کہ وہ معاہدہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرے، اس موقع پہ قریشی وفد کے لیڈر سہیل بن عمرو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میں الرحمان کو نہیں جانتا، تم لکھو باسمك اللّٰھم، اس موقع پہ مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا اور وہ سہیل کے اعتراض پہ احتجاج کرتے ہوئے شور مچانے لگے اور سہیل کے اعتراض کو قبول نہ کرنے پہ اصرار کرنے لگے اور کہنے لگے وہ الرحمان ہے اور الرحمان ہی لکھا جائے گا، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت، نرمی اور حلم کی سیاست کے مطابق چلتے ہوئے —— سہیل بن عمرو کو جواب دیا اور کاتب سے کہا کہ باسمك اللّٰھم لکھیے، اس کے بعد مسلسل لکھاتے رہے پھر آپ نے کاتب کو حکم دیا کہ وہ لکھے کہ اس بات پہ رسول اللہ نے صلح کی ہے مگر جملہ کے مکمل ہونے سے قبل ہی سہیل بن عمرو نے دوبارہ اٹھ کر رسول اللہ کے الفاظ پہ اعتراض کیا اور اس کو دستاویز سے کاٹنے کا مطالبہ کیا، اس نے کہا —— اگر میں جانتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا اور آپ کی اتباع کرتا، کیا آپ اپنے نام اور اپنے باپ کے نام محمد بن عبد اللہ سے بے رغبتی رکھتے ہیں، اگر آپ رسول ہیں تو ہم نے آپ پہ ظلم کیا ہے اور ہم نے آپ کو بیت اللہ کے طواف سے نہیں روکا، اگر میں جانتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں آپ سے نہ لڑتا لیکن میں آپ کا اور آپ کے باپ کا نام

لکھتا ہوں۔

انصار کے دو سرداروں کی مداخلت

جب سہیل بن عمرو نے معارضہ کیا اور "رسول اللہ" کے الفاظ کو دستاویز سے کاٹ دینے کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں کو اس قریشی ڈپلومیٹ پر بڑا جوش آیا اور شدید احتجاج کے باعث ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اور وہ رسول اللہ کے الفاظ کے نہ کاٹنے پر اصرار کرنے لگے اور انہوں نے کاتب سے کہا کہ تم صرف محمد رسول اللہ ہی لکھو، بلکہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ اور اوس کے سردار اسید بن حضیر کا غم و غصہ تو اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ عملاً اس معاملہ میں دخل دیں اور کاتب کو اس وقت معاہدہ لکھنے دیں جب وہ رسول اللہ کے الفاظ لکھے بصورت دیگر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لکھنے سے روک دیں اور معارضین نے سرکش قریش کی تادیب کے لیے ہتھیار استعمال کرنے اور جنگ کرنے کی بھی دھمکی دے دی کیونکہ انہوں نے اس بات کو مسلمانوں کی اہانت خیال کیا، انہوں نے کاتب کا ہاتھ پکڑنے اور اسے کتابت سے روکنے کے بعد کہا —— کہ تم صرف محمد رسول اللہ ہی لکھو ورنہ تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں قبول کریں؟ جب مسلمانوں نے طاقت کے استعمال کی دھمکی دے دی اور دوسری جانب قریش نے رسول اللہ کے الفاظ کو دستاویز سے کاٹ دینے پر اصرار کیا تو فضا پھر مکدر ہو گئی اور نئے سرے سے جنگ کی علامات افق پر نمایاں ہونے لگیں، کیونکہ "رسول اللہ" کے الفاظ پر دستخط کرنے سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ انہوں نے سرکاری طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں —— خصوصاً اس لیے کہ یہ ایک بین الاقوامی سرکاری دستاویز تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف کو ختم کرنا

مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ——

اپنی حکمت، بردباری، دُور اندیشی اور اس قسم کے متفقہ اور اہم مواقف میں ایسی صورتوں کو اہمیت نہ دینے کے باعث صحابہ کو خاموشی اختیار کرنے اور پُر سکون رہنے کا حکم دے کر اختلاف اور بحران کا خاتمہ کر دیا تاکہ آپ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے تقاضا کے مطابق کاروائی کر سکیں، صحابہؓ نے آپؐ کے حکم کی اطاعت میں خاموشی اختیار کر لی پھر آپؐ نے قریشی وفد کے سربراہ کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے کاتب کو حکم دیا کہ وہ "رسول اللہ" کے الفاظ کو مٹا دے اور ان کی بجائے باسمك اللھم کے الفاظ لکھے، اس طرح اس عظیم نزاع کا آخری مرحلہ طے ہوا اور معاہدہ کے دو نسخے تحریر کیے گئے پھر ان پر دستخط ہوئے اور دونوں جانب سے گواہیاں دی گئیں۔

واقدی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان طویل گفتگو کے بعد جب کاغذ اور دوات لائے گئے اور معاملہ طے ہو گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھنے کے لیے ایک آدمی کو بلایا اور اوس بن خولی کو بھی لکھنے کے لیے بلایا تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ تحریر دو آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی لکھے گا آپؐ کے عم زاد علی رضؓ یا عثمان رضؓ بن عفان، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو لکھنے کا حکم دیا، آپؐ نے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل بن عمرو نے کہا میں الرحمان کو نہیں جانتا، جس طرح ہم باسمك اللھم لکھتے ہیں اسی طرح تم بھی لکھو، مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری اور وہ کہنے لگے کہ وہ الرحمان ہے اور ہم الرحمان ہی لکھیں گے، سہیل کہنے لگا پھر تو میں آپؐ سے کسی بات پر صلح نہیں کروں گا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو باسمك اللھم اس بات پر رسول اللہؐ نے صلح کی ہے سہیل نے کہا اگر میں جانتا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپؐ کی مخالفت نہ کرتا اور آپ کی اتباع کرتا کیا آپ اپنے باپ کے نام محمد بن عبد اللہؐ سے بے رغبتی کرتے ہیں؟ تو مسلمانوں میں پہلے

سے بھی بڑھ کر شور پیدا ہوا یہاں تک کہ آوازیں بلند ہوگئیں اور رسولِ خدا کے اصحاب میں سے کچھ جوانوں نے اُٹھ کر کہا کہ ہم صرف محمد رسول اللہ ہی لکھیں گے واقدی بیان کرتا ہے کہ مجھے ابن ابی سبرہ نے اسحاق بن عبداللہ، اس نے ابی فروہ سے اس نے واقدی بن عمر سے بتایا وہ کہتا ہے کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے اُسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ کو دیکھا کہ انہوں نے کاتب کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے روک کر کہا کہ صرف محمد رسول اللہ لکھو، ورنہ تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی، ہم اپنے دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں قبول کریں؟ پس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نرم کرنے لگے اور انہیں اپنے ہاتھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کرنے لگے اور حویطب بن عبدالعزیٰ اُن کے فعل پر متعجب ہونے لگا اور مکرز بن حفص کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، میں نے اپنے دین کے بارے میں ان سے زیادہ محتاط قوم کوئی نہیں دیکھی، اس کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باسمك اللّٰهم لکھو، جب سہیل نے الرحمٰن کے اقرار سے انکار کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

قل ادعوا اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن ایّاً ما تدعون فلہ الاسماء الحسنیٰ، پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں تم محمد بن عبداللہ لکھو تو حضرت علی رض نے باسمك اللّٰهم لکھ دیا۔

صلح کی دستاویز کی آخری قانونی شکل

معاہدہ کی تکمیل اور دستخطوں میں جو بھی رکاوٹ تھی ـــ خواہ وہ صحابہ کی جانب سے تھی یا قریش کی جانب سے جب ان تمام رکاوٹوں پر حکمت رسول غالب آگئی اور آخرکار مسلمانوں کے درمیان بھی معارضہ نہاں ہوگیا اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے تمام اعتراضات کو قبول کرلیا تو انہیں بھی نصوص معاہدہ پر کوئی اعتراض نہ رہا، تو پھر اس تاریخی

معاہدہ کو آخری قانونی شکل دی گئی ، اور اس کے دو نسخے تیار کیے گئے ایک نسخہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لیا اور دوسرا سہیل بن عمرو نے ، اس بین الاقوامی تاریخی معاہدہ کی حرف بہ حرف قانونی شکل یہ تھی ۔

باسمک اللّٰھم

یہ وہ امر ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے ، ان دونوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک جنگ موقوف ہوگی جس میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے رکیں گے ، نہ وہ خفیہ چوری کریں گے نہ خیانت اور نہ عداوت کا اظہار کریں گے ، جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدہ میں شامل ہونا چاہتا ہے ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے معاہدہ میں شامل ہونا چاہتا ہے ان کے ساتھ شامل ہو جائے ، اور جو شخص قریش میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا وہ اُسے اس کے ولی کے پاس لوٹا دیں گے اور جو شخص اصحابِ محمد میں سے قریش کے پاس آئے گا وہ اُسے واپس نہیں کریں گے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال اپنے اصحاب کے ساتھ واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے اصحاب کے ساتھ ہمارے پاس آئیں گے اور تین دن قیام کریں گے اور تلواروں کو نیام میں رکھیں گے ۔

صلح کے متعلق جانبین کے گواہ

صلح کی دستاویز کی تحریر کے بعد جس کی ایک ہی کاپی تھی ، سہیل بن عمرو نے کہا وہ میرے پاس رہے گی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے پاس رہے گی اس اختلاف کا حل یوں ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اصل کے مطابق ایک اور کاپی تیار کی جائے ، تیاری کے بعد وہ کاپی آپ نے

سہیل کو دے دی، صلح کی دستاویز پر شہادت کے لیے نو گواہوں کو بلایا گیا جن میں سات مسلمان تھے جو یہ تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت محمد بن مسلمہ انصاری ——— اور دو گواہ مشرک تھے جو یہ تھے۔ حویطب بن عبدالعزیٰ ۔ مکرز بن حفص بن الاخیف، معاہدہ صلح پر دستخطوں کے بعد علاقے کی فضا پر چھائے ہوئے جنگ کے بادل چھٹ گئے جو اس خطرناک بحران کا نتیجہ تھے جسے قریش نے پیدا کیا تھا اور قریب تھا کہ اس سے خونریز تصادم ہو جاتا، اس صلح نے حدیبیہ کے بحران کو ختم نہیں کیا بلکہ اس جوہری نزاع کو بھی اپنے اندر لے لیا جو دعوت اسلامی کے آغاز سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان قائم تھا یا گزشتہ پانچ سالوں سے دونوں دھڑوں میں جنگی حالت کے آغاز سے قائم تھا، صلح کی اہم شرائط میں یہ بات شامل تھی کہ فریقین کے درمیان صلح قائم کی جائے اور دس سال تک جنگی حالت کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ لوگ اس عرصہ میں ایک دوسرے سے امن و امان میں رہیں۔

خزاعہ اور کنانہ کے درمیان جنگ کا خاتمہ

اس مثبت صلح کے اثرات صرف اسلامی اور قریشی دھڑوں میں ہی محصور نہیں رہے بلکہ حرم کے پڑوس میں رہنے والے قبائل میں سے دو سب سے بڑے قبائل پر بھی اس کے اثرات پڑے اور وہ قبیلے خزاعہ اور کنانہ ہیں، اس صلح نے ان دونوں قبیلوں کے درمیان بھی دس سال تک جنگ کا خاتمہ کر دیا کیونکہ وہ دونوں دھڑوں میں سے ایک دھڑے میں شامل ہونے پر رضامند ہو گئے تھے اور اس صلح کے فیصلوں کے پابند تھے کنانہ قریش کے اور خزاعہ مسلمانوں کے عہد میں شامل ہوں ——— یہ اس اختیار کے نتیجے میں ہوا جو اس تاریخی معاہدہ کی دسویں اور آخری شرط میں پایا جاتا ہے۔

کنانہ اور قریش کو، عداوتِ اسلام نے اکٹھا کیا

قریش اور بنو کنانہ (جن میں سے بنو بکر بھی ہیں) قریش کے ساتھ خونریز نزاع پہ قائم تھے اور جاہلیت میں بھی ان کے درمیان معرکے ہوتے رہتے تھے، اور ظہورِ اسلام تک ان کے درمیان بدلہ لینے کا سلسلہ باقی تھا —— اور ہم معلوم کر چکے ہیں —— جیسا کہ ہم نے اپنی پہلی کتاب "بدر کا عظیم معرکہ" —— میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جب قریش نے اپنی فوج کے ساتھ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کا مارچ کیا تو وہ کس طرح کنانہ سے ڈرے کہ کہیں وہ پیچھے سے حملہ نہ کر دیں، کیونکہ اس وقت تک یہ دونوں قبیلے جنگی حالت میں تھے یہاں تک کہ سراقہ بن مالک بن جعشم کنانی نے قریش کو یہ عہد دیا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے باعث غائب رہنے سے کنانہ قریش کے خلاف کوئی حربی کاروائی نہیں کرے گا، سراقہ بن مالک نے قریش کو موثق عہد دیا تھا کہ جب تک وہ بدر میں مسلمانوں سے گتھم گتھا ہونگے کنانہ ان سے تعرض نہیں کرے گا اس کے باوجود کنانہ اور قریش کے درمیان عداوت قائم رہی۔

خزاعہ، قریش کا دشمن نہ تھا

خزاعہ قریش کا دشمن نہ تھا اور طویل زمانے سے ان کے اور قریش کے درمیان کوئی مسلح نزاع نہیں ہوا بلکہ خزاعہ اسلام سے پہلے اور بعد بھی صلح حدیبیہ تک قریش سے موافقت رکھتا تھا، خزاعہ والے قریش کے ماموں تھے اور خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء مکہ میں مقیم تھا اور وہاں پر اس کا گھر اور خاندان بھی تھا، مگر خزاعہ ظہورِ اسلام کے وقت سے ہی باوجود حلقہ بگوش اسلام نہ ہونے کے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کا اظہار کرتا تھا —— اور ہم جانتے ہیں (جیسا کہ حمراء الاسد کے حملہ میں جو ہماری کتاب غزوہ

اُحد میں درج ہے) کہ معبد بن ابی معبد الخزاعی نے باوجود شرک پہ قائم رہنے کے مسلمانوں سے کیسا مخلصانہ سلوک کیا۔

دشمن کیسے دوست بنا؟

باوجودیکہ جمہور خزاعہ مسلمانوں کے دوست تھے، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ وہ دشمنی کے باوجود قریش کے دشمن نہ تھے، مگر بنو بکر (جو کنانہ میں سے تھے) قریش سے جنگ کرنے والے دشمن تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کی اسلام دشمنی نے دونوں کے باہمی تنازعات کو ٹھنڈا کر دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ کنانہ کے قبائل میں سے ایک قبیلہ قریش کی جانب سے معرکہ اُحد میں حلیس بن زبان کی قیادت میں شریک ہوا اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کنانہ کے کئی قبائل حلیس بن زبان کی قیادت میں حدیبیہ کے بحران کے دوران قریش کے مسلح اکٹھ میں موجود تھے۔

خزاعہ، مسلمانوں کے عہد میں اور کنانہ قریش کے عہد میں شامل ہوا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو بکر بن کنانہ کا قریش کے عہد میں شامل ہونا اچانک نہ تھا اور بنو خزاعہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شامل ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بنو بکر اور خزاعہ دونوں ہی اپنے آپ کو ان مذاکرات سے متعلق سمجھتے تھے جو حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جاری تھے، یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ میں خزاعہ اور بنو بکر کے نمائندے قریش اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں بطور نگران کے موجود تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بکری اور خزاعی نگران نمائندے اپنے اپنے قبیلے کی طرف سے مذاکرات کے دائرہ میں مناسب اقدامات کرنے کے مکمل اختیارات رکھتے تھے

اسی بناء پر خزاعہ کے نمائندوں نے مسلمانوں کے عہد میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا اور خزاعہ کے مسلمان اور کافر سبھی مسلمانوں کے عہد میں داخل ہوگئے اور انہوں نے اسلامی دھڑے کی طرح صلح کے فیصلوں کی پابندی کی اسی طرح بنو بکر کے نمائندوں نے قریش کے عہد میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ وہ اس معاہدہ کی قریش کی طرح پابندی کریں گے اس صلح میں دونوں قبیلوں کے داخل ہونے سے ہر قبیلہ اس دھڑے کے عہد کا پابند ہوگیا جس میں وہ داخل ہوا تھا اسی طرح وہ دھڑا اس قبیلے کی مخالفت کا بھی ذمہ دار ہوگیا جس کے عہد میں وہ قبیلہ داخل ہوا تھا۔

مسلمانوں کے عہد میں خزاعہ کے داخل ہونے پر قریش کا غصہ

قریش کو خزاعہ کے مسلمانوں کے عہد میں داخل ہونے پر بہت غصہ آیا، مسلمان اس وقت اپنے گھروں سے سینکڑوں میل دور تھے جب کہ قریش کے گھرانے، خزاعہ کے گھرانوں سے ملے جلے تھے کیونکہ ان دونوں میں زبردست ہمسائیگی قرب پایا جاتا تھا۔

قریش نے خزاعہ کے متعلق برائی ٹھان لی، اس قریشی غصے کا اظہار اس وضاحت سے ہوتا ہے، جو حدیبیہ میں گفتگو کرنے والے ایک رکن حویطب بن عبد العزیٰ نے کہی، اس نے سربراہ وفد سہیل بن عمرو کو جس کے ماموں خزاعہ والے تھے مخاطب کرکے کہا آپ کے ماموؤں نے ہم سے اظہار عداوت کیا ہے، حالانکہ وہ ہم سے چھپا کرتے تھے، اب وہ محمدؐ کے عہد اور معاہدہ میں شامل ہیں سہیل نے اُسے کہا وہ بھی دوسروں کی طرح ہیں۔ یہ ہمارے اقارب اور گوشت پوست ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد میں شامل ہیں ان لوگوں نے اپنے لیے ایک بات کو اختیار کرلیا ہے پس ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟

حویطب نے کہا کہ ہم ان کے خلاف اپنے حلفاء بنی بکر کی مدد کریں گے،

سہیل نے جواب دیا! بنو بکر کو تجھ سے یہ بات نہیں سننی چاہیے وہ بڑے منحوس آدمی ہیں وہ خزاعہ پر حملہ کر دیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حلیفوں کے لیے غصے میں آجائیں گے اور ہمارے اور ان کے درمیان نقض میثاق ہو جائے گا۔ حویطب نے کہا خدا کی قسم میں تیرے ماموؤں کو ہر پہلو سے ترجیح دیتا ہوں۔ سہیل نے کہا، تو سمجھتا ہے کہ میرے ماموں مجھے بنو بکر سے زیادہ عزیز ہیں لیکن قسم بخدا قریش وہی کریں گے جو میں کروں گا، جب بنو بکر خزاعہ کے خلاف مدد کریں گے تو میں قریش کا ایک آدمی ہوں اور بنو بکر مجھے نسبی لحاظ سے زیادہ قریب ہیں اگرچہ ان لوگوں کو ماموں پن حاصل ہے اور یوم عکاظ سے ہمارے اور ان کے درمیان جو جنگیں بھی ہوئی ہیں اچھی نہیں ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں اور قریشی پناہ گزین جوانوں کے سپرد کرنے کو قبول نہ کرنا

صلح کی دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہ کہ مشرکین کے کچھ غلاموں اور کچھ کمزور قریشیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ سے پناہ کا حق طلب کیا یہ فریقین کے درمیان معاہدہ صلح کی تکمیل سے پہلے کی بات ہے ان غلاموں کے آقاؤں اور پناہ لینے والے قریشی جوانوں کے والدین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پناہ گزینوں کو ان کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لوٹانے سے انکار کر دیا کیونکہ آپؐ ان کو واپس کرنے کے پابند نہ تھے کیونکہ انہیں پناہ کا حق صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے قبل مل چکا تھا، اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قریش کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، سہیل بن عمرو نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے کچھ

بیٹے اور غلام آپؐ کے پاس آگئے ہیں انہیں دین کی کچھ سمجھ نہیں، وہ صرف ہمارے اموال اور جاگیروں سے بھاگے ہیں پس انہیں ہم کو لوٹا دیجیے ــــ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے لکھا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم وہ آپ کے دین میں رغبت رکھنے کی وجہ سے آپؐ کے پاس نہیں آئے بلکہ وہ غلامی سے بھاگے ہیں، کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں انہیں ان لوگوں کی طرف لوٹا دیجیے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے غصہ آگیا اور آپؐ نے فرمایا اے گروہِ قریش میں تم کو اس وقت تک باز آتے نہیں دیکھتا جب تک اللہ تعالیٰ تم پر وہ آدمی نہ بھیجے جو اس بات پر تمہاری گردنیں اُڑا دے اور آپ نے یہ کہہ کر کہ یہ" اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں" انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

حدیبیہ کے بحران کی ذیلی باتیں

صلح کی دستاویز پر دستخط ہو جانے اور فریقین کے درمیان دستاویزات کے تبادلہ ہو جانے کے باوجود قریش کے بعض خاص مصلحت پسندوں نے بحران کو، دوبارہ پیدا کرنے کے لیے از سرِ نو فضا کو مکدر کرنے کی کوشش کی ــ اور ان عناصر نے صلح کے بعد مسلمانوں کو مضطرب کرنے کے ارادے سے کہ شاید وہ صلح کو توڑنے کے لیے تیار ہو جائیں، مسلمانوں سے تعرض کرنا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا جب کہ وہ اس وقت تک حدیبیہ ہی میں موجود تھے۔

جامع الاصول جلد ۹ صـ۳۲۵ میں بیان ہے کہ سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ جب ہم نے اور اہل مکہ نے صلح کی اور ہم ایک دوسرے سے مل جل گئے تو میں ایک درخت کے پاس آیا پس میں نے اس کے کانٹوں کو صاف کیا اور اس کی جڑ کے پاس لیٹ گیا تو ہمارے پاس مکہ کے چار مشرکین آئے اور رسولِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے لگے پس میں نے ان سے اظہار نفرت کیا اور ایک دوسرے درخت کی طرف چلا گیا انہوں نے اپنے ہتھیار درخت کے ساتھ لٹکا دیئے اور لیٹ گئے، اسی دوران میں وادی کی ترائی سے کسی نے پکارا اے مہاجرو ابن زنیم قتل ہوگیا ہے، سلمہ کہتے ہیں، میں نے تلوار سونت کر ان چاروں آدمیوں پر جو سوئے ہوئے تھے، حملہ کر دیا پس میں نے ان کے ہتھیار لے لیے اور ان کا گٹھا بنا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا، سلمہ کہتے ہیں میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے کہ تم میں سے جس نے سر اٹھایا میں اسے وہ چیز ماروں گا جسے وہ دیکھ رہا ہے، وہ کہتے ہیں پھر میں انہیں چلاتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور میرا چچا عامر بھی ایک موٹے آدمی کو لے آیا جسے مکرز کہا جاتا تھا اور وہ اسے ایک پاکھر پہنے گھوڑے پر ستر مشرکوں میں لایا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا انہیں چھوڑ دو، "تا کہ برائی کا آغاز اور اس کا دوبارہ کرنا انہی کے لیے ہو" پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا۔

حدیبیہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام کھولنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کے ساتھ مسلح تصادم سے کنارہ کشی کرنے اور ان تمام راستوں کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو جنگ سے بچاتے ہوں، اس وقت آپ حدود حرم سے باہر حدیبیہ میں خیمہ زن تھے مگر حدیبیہ میں قیام کے دوران (بیس دن) آپ اپنے اصحاب کے ساتھ فرض نمازیں حرم کے اندر ادا فرماتے تھے، کیونکہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حرم کے کناروں پہ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔

معاہدۂ صلح کی بعض اندرونی باتیں

صلح کے آخری اقدامات کے بعد فریقین نے اس تاریخی

صلح کی ایک ایک کاپی لے لی اور قریشی وفد مکہ کی طرف واپس آگیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ کی طرف جانے کا فیصلہ فرمایا، اس لیے آپ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے احرام کھول دیں اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیں اور اپنے سروں کو منڈائیں، مگر صلح سے شدید معارضت کی بعض باتیں ابھی تک ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھیں، پس انہیں اپنے مناسک کی ادائیگی کے بغیر اور مکہ کے اندر قربانی کیے اور سر منڈانے بغیر واپس جانا گراں گزرا اس لیے شروع شروع میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی اور خاموشی اختیار کر کے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور آپ نے قربانی کرنے اور سر منڈانے کے متعلق جو حکم دیا تھا اس کا کسی نے بھی جواب نہ دیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت کے مشورے پر عمل کرنا

صحابہ نے آپ کے احکام کے بارے میں جو موقف اختیار کیا اس بات نے آپ کو غمزدہ کر دیا اور آپ ناراضگی کی حالت میں اپنے خیمے میں داخل ہوئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا خیمہ میں آپ کے ساتھ موجود تھیں انہوں نے آپ کے آتے ہی غصے اور ناراضگی کی علامات کو آپ کے چہرے پر دیکھ لیا اور آپ نے ایک بیوی کی طرح اپنے خاوند کے غم و اندوہ میں شریک ہونے کے لیے آپ سے ناراضگی کے سبب کے متعلق دریافت کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بتایا کہ آپ نے احرام کھول دینے اور سر منڈانے کا جو حکم صحابہ کو دیا تھا اسے انہوں نے نہیں مانا، اس موقع پر عظیم مشکلات کے حل کرنے میں ایک دانشور اور صائب الرائے مسلمان عورت کی مشورہ میں مشارکت کا پتہ چلتا ہے —— اس مشورے کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں وہ شخص بھی متردد نہیں ہوا جو مقام نبوت پر فائز تھا اس سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ

خواہ کس قدر گہرا اور اہمیت والا ہو، اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق شوریٰ کی رُوح بنیادی طور پر کارفرما ہوتی ہے، اس دین عظیم کی تعلیمات کی رُوح کیا شان دار ہے کہ جب ان تعلیمات کو سیادت حاصل ہوتی ہے تو وہ لیڈر کو ـــــ خواہ وہ قیادت و سیادت کے اعلیٰ مراتب پر ہو ـــــ صحیح مشورہ پر عمل پیرا ہونے کا پابند کرتی ہیں، خواہ وہ مشورہ ایک عورت کی جانب سے ہو، جب مشورہ صحیح ہو تو اسلام کی نظر میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ مشورہ مرد کا ہے یا عورت کا ـــــ اور درحقیقت یہ عورت کی تکریم ہے، جس کے متعلق دشمنانِ اسلام خیال کرتے ہیں کہ اسلام نے اس کے حق کا انکار کیا ہے اور اس کے وجود کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ـــــ کیا اس سے بھی بڑھ کر عورت کے وجود اور اس کی رائے کا اعتراف و احترام ہو سکتا ہے کہ ایک نبی مرسل اس کے مشورہ کو درست خیال کرتا ہے اور پیش آمدہ مشکل کو اس کے مطابق عمل کر کے حل کرتا ہے، جس کی پہلی اطلاع نے آپ کو ناراض کر دیا تھا حالانکہ آپ کم ہی غصے میں آتے تھے۔

حضرت اُم سلمہؓ کا مشورہ میں کامیاب ہونا

مؤرخین، اصحاب الحدیث اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غصے اور غم کی کیفیت میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئے تو آپ نے پہچان لیا کہ آپ اس وجہ سے مغموم ہیں کہ آپ کے صحابہ نے نحر و حلق (قربانی کرنا اور سر منڈانا) سے امتناع اختیار کیا ہے اور یہ وہ بات تھی جس کی وجہ سے وہ حدیبیہ میں احرام سے حلال ہو جاتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے آپ کو بتایا کہ آپ دوبارہ انہیں اس طرح مخاطب نہ کریں بلکہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ ایک اور طریق اختیار کریں جس کی وجہ سے وہ خود بخود آپ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہوں گے ـــــ اور وہ طریق یہ ہے کہ آپ خود (عملی طور پر) اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیں، حضرت اُم سلمہؓ

نے آپ سے کہا یا رسول اللہ آپ جا کر اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیں وہ آپ کی اقتدا کریں گے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہؓ کے اس نظریہ کو اچھا خیال کیا اور ان کے مشورہ کے مطابق عمل کیا پس آپ نے عملاً اپنے قربانی کے جانور کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا، آپ نے حضرت اُم سلمہ کے مشورہ کے مطابق جو کام کیا اس کے نتائج بہت اچھے ہوئے یعنی حضرت اُم سلمہؓ کی توقع کے مطابق ہوئے۔ جونہی آپ نے اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کرنا شروع کیا، آپ کے صحابہ اپنی اپنی قربانیوں کو ذبح کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے، طبری ـــــ مسور بن مخرمہ کی سند سے بیان کرتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیہ صلح سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ قربانی کرو اور سر منڈاؤ، مگر خدا کی قسم کوئی ایک آدمی بھی ان میں سے اس کام کے لیے تیار نہ ہوا یہاں تک کہ آپ نے یہ بات تین بار کہی جب اُن میں سے کوئی آدمی کھڑا نہ ہوا تو آپ اُٹھ کر حضرت اُم سلمہ کے پاس آئے اور آپ سے اس تکلیف کا ذکر کیا جو آپ کو لوگوں سے پہنچی تھیں، حضرت اُم سلمہؓ نے کہا اے نبی اللہ، کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ باہر نکل کر اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کرنے تک کسی سے بات نہ کیجیے اور اپنے نائی کو بُلا کر اپنا سر منڈا دیجیے آپ اُٹھ کر باہر نکلے اور قربانی کرنے تک کسی سے بات نہ کی، جانور کو ذبح کرنے کے بعد آپ نے نائی کو بُلایا اس نے آپ کا سر مونڈ دیا جب صحابہ نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے بھی قربانیاں کر دیں اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے، قریب تھا کہ غم کے باعث وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر خراش بن اُمیہ بن الفضل الخزاعی نے مونڈا تھا۔

واقدی بیان کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید غصے کی حالت میں حضرت اُم سلمہؓ کے پاس آئے ـــــ وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں ـــــ اور لیٹ گئے، انہوں نے دریافت کیا یا رسول آپ کو کیا تکلیف ہے

آپ کئی دفعہ مجھے جواب نہیں دیتے، آپؐ نے فرمایا اُم سلمہؓ بڑے تعجب کی بات ہے میں نے لوگوں سے کئی بار کہا ہے کہ قربانیاں کرو، سر منڈاؤ اور حلال ہو جاؤ، مگر ابھی تک کسی ایک آدمی نے بھی میری بات نہیں مانی حالانکہ وہ میری بات بھی سُنتے ہیں اور میرے چہرے کو بھی دیکھتے ہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ جا کر اپنے قربانی کے جانور ذبح کر دیجیے، وہ آپؐ کی اقتداء کریں گے، حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال بائیں کندھے پر رکھا پھر باہر نکلے اور نیزہ لیا اور اپنے قربانی کے جانور کو ہانکا حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں اس منظر کو دیکھ رہی ہوں جب آپ نیزہ کے ساتھ قربانی کے جانور کی طرف بسم اللہ و اللہ اکبر کی آواز بلند کرتے ہوئے جھکے، فرماتی ہیں، جب صحابہ نے آپ کو قربانی کرتے دیکھا تو وہ چھلانگیں لگاتے ہوئے قربانی کے جانوروں کی طرف گئے اور اس قدر ازدحام کیا کہ مجھے خدشہ ہوا کہ وہ ایک دوسرے پر غالب آ جائیں گے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام سے حلال ہو کر حدیبیہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بال ترشوانے والوں پر بھی، آپ نے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بال ترشوانے والوں پر بھی، آپ نے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بال ترشوانے والوں پر بھی، فرمایا بال ترشوانے والوں پر بھی، جب صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ آپؐ نے بال ترشوانے والوں کی بجائے بال منڈانے والوں کے لیے کیوں زیادہ رحم طلب کیا، فرمایا اس لیے کہ اُنہوں نے شک نہیں کیا۔

ابوجہل کے اُونٹ کا واقعہ

ابوجہل بن ہشام کا ایک نشان دار مہری اُونٹ تھا جو معرکہ بدر میں اس کے ساتھ تھا، اس تاریخی معرکہ کے مالِ غنیمت میں آگیا اور یہ نشان دار اُونٹ حکومت کے عمومی ہتھیاروں میں شامل تھا جس پر سوار ہو کر مسلمان جنگیں کرتے اسی طرح یہ اُونٹ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے ساتھ سفر کرتا، جب عیینہ بن حصن الفزاری نے غزوہ ذات قرد میں غطفان پر الغابہ میں غارت گری تو وہ اسے ہانک کر ساتھ لے گیا ـــــ مشرکین مکہ کو غصہ دلانے کی خاطر ـــــ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے اس اونٹ کو اُن قربانی کے جانوروں میں شامل کرکے لے گئے جنہیں آپ نے عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر مکہ میں ذبح کرنے کا فیصلہ کیا تھا، حدیبیہ میں جب یہ مہری اُونٹ قربانی کے مخصوص جانوروں کے ساتھ حرم سے باہر چل رہا تھا تو شوق اسے اس کے اصلی وطن مکہ میں لے گیا، پس وہ حدیبیہ سے بھاگ گیا باوجود دیکہ حدیبیہ اور مکہ کے درمیان پندرہ میل سے کم فاصلہ نہیں اور باوجود اس بات کے کہ اُسے اپنے مالک ابوجہل کے گھر سے غائب ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے وہ سیدھا ابوجہل کے گھر تک چلا گیا، اور اہل مکہ کو اسی وقت پتہ چلا جب وہ اس گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، انہوں نے پہچان کر اسے پکڑ لیا ـــــ یہ معاہدہ صلح سے قبل حدیبیہ سے بھاگا تھا۔

ابوجہل کے اُونٹ کی قیمت ـــــ سو اُونٹنیاں

مشرکین مکہ کے لیے اس اونٹ کی یاد بڑی کرب انگیز تھی، یہ اونٹ اس وقت اہل مکہ کے ہاتھ لگا جب حدیبیہ میں معاہدہ صلح کی تکمیل ہو گئی اور مذاکرات کرنے والا قریشی وفد مکہ پہنچ گیا اس اونٹ کو واپس حدیبیہ لانے کے لیے عمرو بن عنبسہ السلمی اس کی تلاش میں نکلا کیونکہ یہ اُن قربانی کے جانوروں میں

شامل تھا جن کا حدیبیہ میں ذبح کرنا مطلوب تھا، مگر کم عقل مشرکوں نے ابن عتبہ کو، اس اُونٹ کے سپرد کرنے سے انکار کردیا، آخر کار اس نے سہیل بن عمرو سے رابطہ کیا کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کی شرائط کی تنفیذ کا ذمہ دار تھا ـــــــ اور اس سے اُونٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا پس سہیل بن عمرو نے معاہدہ صلح کی تنفیذ کرتے ہوئے متعصب مشرکین کی طرف اونٹ کی واپسی کا حکم جاری کرنے میں کسی تردد سے کام نہ لیا اور ان متعصب لوگوں کو سہیل بن عمرو کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا، مگر انہوں نے مسلمانوں کو اس اُونٹ کے چھوڑ دینے پر ایک سو اونٹنیوں کی پیشکش کی یہ ان کی نظر میں اس کی معنوی قیمت تھی، کیونکہ وہ اُسے معرکہ بدر کے قائد ابوجہل بن ہشام کو واپس کرنا چاہتے تھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس فراخدلانہ پیشکش کی اطلاع ملی تو آپؐ نے انہیں فرمایا اگر یہ اُونٹ قربانی کے لیے نہ لایا جاتا اور اس کا نام ہدی نہ رکھا جاتا تو ہم اس پیشکش کو قبول کر لیتے آپؐ نے فرمایا اگر ہم نے اس کا نام ہدی نہ رکھا ہوتا تو ہم ایسا کر دیتے، پس اُونٹ کو حدیبیہ کی طرف لایا گیا اور وہاں اسے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا گیا جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔

مروہ کے پاس بیس اُونٹوں کی قربانی

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ختم ہوگئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں بیس قربانی کے اُونٹ ذبح ہونے کے لیے بھیجے تاکہ اہل مکہ ان کا گوشت کھائیں ان کو اسلم قبیلہ کا ایک آدمی مکہ میں لے گیا اور مروہ کے پاس ذبح کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ان کا گوشت تقسیم کر دیا۔

حدیبیہ میں قیام کی مُدّت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں محصور رہ کر بیس روز قیام کیا ، بعض کہتے ہیں کہ پندرہ روز قیام کیا ، اس کے بعد آپ اور آپؐ کے صحابہ حرم سے باہر اپنے احراموں سے حلال ہو گئے ، پھر مدینہ کی طرف لوٹ آئے ۔

مدینہ کی طرف واپسی

قریش اور مسلمانوں کے درمیان تاریخی معاہدہ صلح کے بعد حدیبیہ کی مشکل ختم ہو گئی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ کی طرف لوٹ آئے واپسی پر آپ اسی راستے سے آئے جس راستے سے آپ حدیبیہ گئے تھے ، سوائے اس ذیلی راستے کے جس پر آپؐ نے خالد بن ولید کے سواروں کے ساتھ مسلح تصادم سے بچنے کے لیے مجبوراً چلنے کا فیصلہ کیا تھا آپ وادی مرالظہران سے بھی گزرے (جسے آج کل وادی فاطمہ کہتے ہیں) پھر عسفان سے ہوتے ہوئے عام شاہراہ پر چلتے چلتے مدینہ پہنچ گئے ۔

رستے میں واپسی پر بھُوک

حدیبیہ میں طویل مدت تک محصور رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کے توشے ختم ہو گئے تھے ، ابھی وہ عسفان نہیں پہنچے تھے کہ بھُوک کا شکار ہو گئے اور ان کی تعداد چودہ سو تھی ، انہوں نے اپنی اس حالت کی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی ، ان کے ساتھ سواری کے اُونٹ بھی تھے ، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اونٹوں کے ذبح کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ وہ ان کے گوشت سے اپنی بھُوک کو مٹا سکیں ، پس آپ نے انہیں ذبح کرنے کی اجازت دے دی ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے مشورہ پہ عمل کرنا

جب حضرت عمر بن الخطاب کو اس بات کی اطلاع پہنچی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُونٹوں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا ہے تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ایسا نہ کیجیے، اگر لوگوں کی کچھ سواریاں باقی رہ گئی ہیں تو یہ زیادہ بہتر ہے لیکن آپ ان کے توشوں کے لیے دُعا کیجیے پھر آپؐ نے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے فرش بچھانے کا حکم دیا پس فرش بچھا دیے گئے پھر آپ کے منادی نے پکار کر کہا جس کے پاس کچھ توشہ باقی ہو وہ اُسے فرش پر بکھیر دے ابو شریح الکعبی کہتے ہیں، میں نے دیکھا کہ بعض ایک کھجور لا رہے ہیں اور اکثر کوئی چیز نہیں لا رہے، بعض آٹے کی ایک مٹھی لا رہے بعض ستو کی ایک مٹھی لا رہے ہیں اور یہ سب کچھ بہت قلیل تھا، جب ان کے توشے اکٹھے ہو گئے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف جا کر برکت کی دُعا کی، پھر فرمایا اپنے بورے قریب کرو، وہ اپنے بورے لے آئے ابو شریح کہتے ہیں، میں بھی موجود تھا ایک آدمی آتا اور جتنا چاہتا زاد، لے جاتا، یہاں تک کہ ایک آدمی اتنا لے جاتا کہ وہ اُسے اُٹھا نہ سکتا، جب وہ چلے گئے تو حسب مرضی بارش ہو گئی حالانکہ وہ گرمی کا موسم تھا، پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُتر پڑے اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ اُترے پڑے پانی پیا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو تین آدمی آئے، جن میں سے دو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ بیٹھ گئے اور ایک اعراض کرتے ہوئے چلا گیا پس ایک نے حیا اختیار کی تو اللہ تعالےٰ نے بھی اس کا حیاء کیا۔ دوسرے کو اللہ تعالےٰ نے معاف فرما دیا اور تیسرے سے اللہ تعالیٰ نے اعراض کیا۔

فصل چہارم

- قرآن کریم ، صلح حدیبیہ کو فتح مبین بیان کرتا ہے۔
- قرآن کریم ، حدیبیہ والوں کو فتح خیبر کی خوشخبری دیتا ہے۔
- قرآن و حدیث میں بیعت الرضوان کرنے والوں کی فضیلت۔
- صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والے اسباق۔
- مسلمانوں کو صلح کے عظیم فوائد
- قریش نے سرکاری طور پر مسلمانوں کے وجود کو کیسے تسلیم کیا۔
- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک معاشرہ کی بنیادیں کیسے رکھیں۔
- ابوجندل کا اثر انگیز واقعہ
- قریش کے خلاف عیص کی بغاوت۔
- ساحل میں کمزوروں کی حکومت
- قریش نے معاہدہ میں جس اہم شرط کو ٹھونسا تھا اس کو ترک کرنے کا مطالبہ کرنا۔

قرآن اور صلح حدیبیہ

قرآنِ کریم نے صلح حدیبیہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے اسے ایک قابل تعریف تاریخی صلح قرار دیا ہے اور اس کے اُن عظیم فوائد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ،

جن کی حقیقت کا عام صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ادراک نہ کر سکے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس صلح کا شدید معارضہ کیا، قرآن کریم نے صلح حدیبیہ کے متعلق اعلان کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کی ایک بڑی فتح قرار دیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئی تھی، اسے فتح مبین قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ صلح حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے انا فتحنا لك فتحاً مبینا لیغفر لك اللّٰہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر، ویتم نعمتہ علیك ویھدیك صراطاً مستقیماً[1] جیسا کہ صحیح بخاری میں بیان ہے کہ عام مفسرین اور محدثین کا خیال ہے کہ سورہ فتح، صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں فتح سے مراد تاریخی صلح حدیبیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اہل صلح حدیبیہ کی تعریف کرنا

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اُن اصحاب شجرہ کی تعریف کی ہے جنہوں نے حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی ہے اور ان کے متعلق اپنی رضا کا اعلان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً[2]

مفسرین کے بیان کے مطابق اس جگہ سکینت سے مراد طمانیت ہے اور یہ بیعت رضوان ہے اور "فتح قریب" سے مراد صلح ہے اللہ تعالیٰ حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کے عمل کی تعریف کرتے ہوئے ان کی بیعتِ رسول کو، اپنی بیعت قرار دیتا ہے اور یہ تکریم کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے فرماتا ہے ان الذین یبایعونك تحت

---

[1] سورہ فتح آیت ۱

[2] سورہ فتح آیت ۱۸

الشجرۃ انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اللہ اجراً عظیماً [۱]

سورہ فتح میں قرآن کریم نے اعراب کے ان مشرکوں اور منافقوں کی تقبیح کی ہے جن کے پاس سے مکہ اور مدینہ کے درمیان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اور انہیں اس تاریخی سفر میں اپنی مصاحبت اختیار کرنے کی دعوت دی، پس وہ دیر کرنے لگے پھر یہ گمان کرتے ہوئے رک گئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب قریش کے سامنے شکست کھا جائیں گے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہونے کے لیے نکلے ہیں اور پر کینہ قوم کے پاس جا رہے ہیں، پس انہوں نے آپؐ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان منافقین اور مشرکین کی تقبیح کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ولیعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات الظانین باللہ ظن السوء علیھم دائرۃ السوء وغضب اللہ علیھم ولعنھم واعدلھم جھنم وساءت مصیراً [۲]

اسی طرح اس نے منافقین کے اس دوسرے گروہ کی فضیحت کی ہے، جو نفاق میں غرق ہو چکے تھے، جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتحانہ شان کے ساتھ اور آپ کے اصحاب کو محفوظ واپس آتے دیکھا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے استغفار کرنے کا مطالبہ کرنے لگے حالانکہ خود انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے یار و مددگار چھوڑ

---

[۱] سورہ فتح آیت ۱

[۲] سورہ فتح آیت ۶

دیا تھا نیز جب آپؐ نے ان سے مدد مانگی تو وہ آپؐ سے علیحدہ ہو گئے اور جب آپؐ نے ان سے نکلنے کو کہا تو انہوں نے اپنے اموال و اولاد میں مشغولیت کا عذر کیا، حالانکہ حقیقت میں وہ یہ خیال کرتے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کا مقبرہ قریش کے سامنے حرم میں بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس تاریخی سفر میں جو صلح عظیم پر منتہی ہوا، آپ کی مرافقت سے رک گئے ـــ پس اللہ تعالٰی نے ان کے خبیث ارادوں کو رسوا کر دیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کر دیا کہ وہ ان سے اور ان کی دسیسہ کاریوں سے محتاط رہیں، فرماتا ہے:-

سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا و اھلونا فاستغفر لنا یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم، قل فمن یملک لکم من اللہ شیئاً ان اراد بکم ضراً او اراد بکم نفعاً بل کان اللہ بما تعملون خبیرا[1]

پھر فرماتا ہے:-

بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول و المومنون الیٰ اھلیھم ابداً و زین ذلک فی قلوبکم و ظننتم ظن السوء و کنتم قوماً بوراً[2]

اسی طرح قرآنِ کریم نے سورہ فتح میں قریش کے جاہلی تکبر و تعصب کی طرف اشارہ کیا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو حرم سے روکنے کے لیے اختیار کیا اور اس مخفی حکمت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی جس کی وجہ سے انہوں نے اس کا معارضہ کیا تھا پھر اس نے جنگ کی بجائے اپنے نبی کی اتباع کے اسباب کی طرف

---

[1] سورہ فتح آیت ۱۱

[2] سورہ فتح آیت ۱۲

بھی اشارہ کیا ہے کہ مکہ میں مشرکین کے درمیان کچھ مسلمان موجود تھے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی راہ اختیار کرتے اور فتح حاصل کر لیتے تو ان کمزور مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ بغیر کسی علم کے جیش نبوی کے ہاتھوں تباہ ہو جاتے اور انہیں بڑی تکلیف ہوتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ھم الذین کفروا وصدوکم عن المسجد الحرام، والھدی معکوفًا ان یبلغ محلہٗ ولولا رجال مومنون ونساء مومنات لم تعلموھم ان تطاؤھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشاء لو تزیلوا ـــــ فرماتا ہے:-

لوخرجوا من عند المشرکین ـــ لعذبنا الذین کفروا منھم عذابًا الیمًا[1]

یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور تم بزور شمشیر مکہ میں داخل ہو گے، لیکن تم حکمت کو نہیں جانتے، ہم نے جنگ کی بجائے صلح کے طریق کو اختیار کر کے قضیہ کو برابر کر دیا ہے اگر تم جنگ کرتے تو پھر بھی تم قریش پر فتح حاصل کرتے، لیکن اس حکمت سے ہم نے کمزور مسلمانوں کو جیش اسلامی کے نقصان پہنچانے سے بچا لیا، کیونکہ جنگ کے وقت مسلم اور مشرک کی تمیز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے خون محفوظ کر کے اور ایک کو دوسرے سے روک کر اس صلح کی کامیابی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، فرماتا ہے:-

وھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ

---

[1] سورۃ فتح آیت ۲۵

من بعد ان اظفرکم علیھم وکان اللہ بما تعملون بصیرًا [1]

اسی طرح قرآن کریم نے اس سورت میں مسلمانوں کے لیے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر وہ حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے جنگ کرتے تو انہیں شکست دے کر ان پر غالب آجاتے لیکن ایک حکمت کے تحت جس سے مسلمان ناآشنا تھے ——— جو بعد میں انہیں معلوم ہوگئی ——— اللہ تعالیٰ فریقین کے درمیان جنگ برپا ہونے میں حائل ہوگیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا [2]

اسی طرح قرآن کریم نے قریش کے تکلیف پہنچانے اور مسلمانوں کو مضطرب کرنے اور مذاکرات میں ان کے نمائندے سہیل بن عمرو کے ڈینگیں مارنے اور دستاویز صلح میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لکھنے پر بت پرستانہ حمیت دکھانے اور روح جاہلیت کی روش پر چلنے کی مذمت کی ہے، اسی طرح قرآن کریم نے قریش کے مضطرب کرنے اور ان کی جاہلانہ تحدیوں کے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و حکمت کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے پُرجوش جذبات کو دبایا اور پُرسکون رہے اور باوجود صلح کے ناپسند کرنے کے انہوں نے اپنے نبی کی اطاعت کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بھا واھلھا وکان اللہ بکل شیٔ علیمًا [3]

اسی طرح قرآن کریم نے مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپسی پر یہ یقین دلایا ——— کہ ان کے

---

[1] سورہ فتح آیت ۲۴

[2] سورۃ فتح آیت ۲۲

[3] سورۃ فتح آیت ۲۶، سورہ فتح آیت ۲۷

نبی نے انہیں جو خبر دی ہے کہ وہ عنقریب مکہ میں داخل ہوں گے وہ برحق ہے اور اس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں —— اور وہ لازماً عمرہ کرتے ہوئے سربلند کرکے مکہ میں داخل ہوں گے جس طرح کہ ان کے نبی نے انہیں بتایا ہے، فرماتا ہے :-

لقد صدق اللہ ورسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین، محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون [1]

اسی طرح جن لوگوں نے اس صلح کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے اسے ناپسند کیا اور اس پر تعریض کی —— ان کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جس صلح کو تم ناپسند کر رہے ہو اس کے عظیم الشان فوائد ہیں اور یہ اسلامی جماعت کی ایک فتح ہے، فرماتا ہے :-

فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحاً قریبًا

مسلمانوں کو فتح خیبر کی خوشخبری

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو فتح خیبر کی خوشخبری دی ہے اور یہ کہ انہیں خیبر سے بہت سی غنائم ملیں گی نیز یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ پیچھے رہ جانے والے منافقین اور بدو اس جیش نبوی میں شامل ہونے کی کوشش کریں گے جو عنقریب فتح خیبر کے لیے مارچ کرے گا اور ان کی یہ کوشش اجر و ثواب اور اسلام کی مضبوطی کے لیے نہ ہوگی بلکہ غنیمت حاصل کرنے کے لیے ہوگی اور قرآن کریم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتباہ کیا ہے کہ وہ ان پیچھے رہنے والے لوگوں کو غزوہ خیبر میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیں بلکہ اسی شخص کو اجازت دیں جس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا ہو، اور حضرت نبی کریم

---

[1] سورۃ فتح آیت ۲۷

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہو اور آپ کے ساتھ بغیر کسی خوف کے حدیبیہ میں گیا ہو اللہ تعالیٰ فتح خیبر کی خوشخبری دیتے ہوئے اور مشرک منافقین کی حالت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمومنین [۱]

جو لوگ حملۂ خیبر میں غنیمت کے حصول کی خاطر شامل ہونے کی کوشش کریں گے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون أن یبدلوا کلام اللہ، قل لن تتبعونا کذلک قال اللہ من قبل فیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقھون الا قلیلاً [۲]

یہ آیت ان بدوؤں کے ساتھ خاص ہے جو عمرہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ یہ پیچھے رہ جانے والے فتح خیبر کے لیے مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وقت پوچھیں گے کہ وہ بھی غنیمت کے حصول کے لیے ان کے ساتھ چلے جائیں حالانکہ دشمنوں سے جنگ کرنے کے وقت یہ پیچھے رہ گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ ان کے گناہ کی سزا کے طور پر انہیں اجازت نہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنائم کا وعدہ کیا ہے، پیچھے رہنے والے بدوؤں کو ان میں شامل نہیں کیا، پس یہ قانوناً اور قیاساً بھی انہیں نہیں مل سکتیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دے دیا کہ وہ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے بدوؤں کو غزوۂ خیبر میں شریک ہونے سے روک دیں اور صرف انہی لوگوں کو غزوہ

---

[۱] سورہ فتح آیت ۲۰

[۲] سورہ فتح آیت ۱۵

خیبر میں شریک ہونے کی اجازت دیں جو آپ کے حکم کو قبول کرتے ہوئے آپ کے ساتھ حدیبیہ کی طرف گئے تھے — حالانکہ اس خروج میں جان کا خطرہ تھا— تو آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر یہ لوگ جہاد کرنے میں صادق ہیں تو آپ ان پیچھے رہنے والے بدوؤں کو دعوت دیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے سوا دیگر شدید معرکوں میں شمولیت کے لیے تیاری کریں فرماتا ہے :-

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الیٰ قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اجراً حسنًا وان تتولوا یعذبکم عذابًا الیما [1]

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ معرکۂ خیبر کے بعد، مسلمانوں اور دیگر جنگجو قوموں کے درمیان سخت معرکہ آرائی ہوگی — اور یہ خوفناک معرکے حنین، یمامہ، فارس اور روم میں برپا ہوئے اور جو مسلمان ایمان و ثواب کے لیے ان معرکوں میں شامل ہوئے انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اصحاب شجرہ کی فضیلت

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جن صحابہ نے اس تاریخی سفر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، انہوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ ایمان ویقین کے بلند ترین مقام پر ہیں اور ان کے ایمان میں کسی قسم کی ملونی شامل نہیں نیز وہ شجاعت کے ایسے مقام پر ہیں، جس تک دوسرے معاصرین نہیں پہنچ سکے، اس لیے کہ انہوں نے اس سفر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی حالانکہ وہ اس یقین پر قائم تھے کہ انہیں متعدد مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، نیز اس سفر میں انہیں قریش کے ساتھ ایک سخت جنگ لڑنی پڑے گی بلکہ مدینہ

---

[1] سورہ فتح آیت ۱۶

سے خروج کی تیاری کے وقت ہی وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے اور قریش کے درمیان جو ان کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے، جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے.... اور وہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں، لیکن اس بات نے کسی بھی حال میں ان کی کمرِ ہمت کو نہیں توڑا —— اور نہ ہی ان کے دلوں میں کچھ تردد ہوا کہ وہ اس پرُخطر سفر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کرنے سے مؤخر رہیں، اسی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ انہیں خیرِ اُمت اور شجاع اور غیور کہا جائے اور جب قریش کی سرکشی اور لاف وگزاف حد کو پہنچ گئی، تو آپ نے اس سرکشی کو ایک حد کے اندر رکھنے کے لیے قریش کے خلاف جنگ کے عزم کا اعلان کیا اور صحابہ نے حدیبیہ میں درخت تلے آپ کی بیعت کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کی اس بات نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں صحابہ کے شرف وعظمت کو اور بھی بڑھا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا اصحابِ شجرہ کی تعریف کرنا

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں، ان صحابہ کے مواقف کی تعریف کی گئی ہے اور عسرت کے وقت میں انہوں نے اپنے کھرے ایمان، صدقِ اسلام اور شدتِ اخلاص و وفا سے جو اچھے کارنامے سرانجام دیے ان کی وجہ سے انہیں سعادتِ ابدی کی خوشخبری دی گئی ہے، اس نازک وقت میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والا ایک گروہ اس خوف کے تحت پیچھے رہ گیا کہ مسلمانوں کو اس سفر میں قریش کے ساتھ ایک جنگ کرنی پڑے گی جو عملاً اس جنگ کے خطرات سے گھرا پڑا ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں حدیبیہ کے اس چنندہ گروہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم

فتحاً قریباً[1]

اور اہل حدیبیہ کے بیعت کرنے کو اپنی بیعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:-

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللّٰہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً[2]

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو — اور ہم حدیبیہ میں چودہ سو آدمی تھے، اگر مجھے دکھائی دیتا ہوتا تو میں تمہیں درخت کی جگہ بتاتا[3]

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت تلے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی آدمی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔

اہل حدیبیہ اہل بدر کی مانند ہیں

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو بخش دیا ہے اور ابن عبدالبرؒ نے غزوات میں لکھا ہے کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی شخص اہل بدر کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے قریب پہنچ سکتا ہے، اور شعبیؒ، اللہ تعالیٰ کے قول (والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار) کی تفسیر میں لکھتا ہے

---

[1] سورہ فتح آیت ۱۸

[2] سورہ فتح آیت ۱

[3] ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس درخت کو کٹوا دیا تھا۔

کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔

قضیہ حدیبیہ کے اسباق

صلح حدیبیہ کی بات کے اختتام سے قبل، اور اس تاریخی قضیہ نے منفقہ طور پر تاریخ اسلام پر جو اثر ڈالا اس کی بنا پر وہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ ہم ان اسباق کی طرف اشارہ کر دیں جن کو ہر دیکھنے والا انسان اپنے دین و دنیا میں اُن سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اور انہیں اچھی طرح یاد رکھ سکتا ہے۔

اس پُر پیچ قضیہ میں جو کاروائیاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں اُن سے صحابہ نے حکمت و حلم، صبر، ضبط نفس، صحیح سیاست، دُور اندیشی، وفائے عہد، شرافت، دانائی، چوکسی، رواداری، شورٰی اور احترامِ معارضہ کے ساتھ بے قابو نہ ہونے کے بہت سے سبق سیکھے۔ قسم بخدا یہ وہ سبق ہیں جو تدبر و حفظ کے لائق ہیں اور مسلمان قائدین کو ان کی روشنی میں مشکلات کو حل کرنا اور بحرانوں کا سامنا کرنا چاہیے۔

۱۔ شرافت اور چوکسی

اس قضیہ میں سب سے پہلا سبق جو صحابہ نے حاصل کیا شاید وہ شرافت اور چوکسی کا تھا، باوجودیکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے نکلے تھے اور آپ جنگ کے خواہاں بھی نہ تھے اور باوجود اس کے کہ آپؐ نے عمرہ کا اعلان بھی کر دیا تھا تاکہ قریش کو یہ خیال نہ ہو کہ آپ ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور باوجود اس امر کے کہ آپؐ اور عام صحابہ بے سلے لباس کے نکلے تھے اور عمرہ کا احرام پہنے ہوئے تھے، پھر بھی آپؐ نے ہنگامی حالات سے نپٹنے کے لیے سواروں کا ایک دستہ عباد بن بشر کی قیادت میں اپنے آگے بھجوا دیا اور انٹیلی جنس کی کاروائیاں

بھی کیں اور اپنے صحابہ کو ضروری اسلحہ بھی دیا، نیز آپ نے انٹیلی جنس کا ایک جوان مکہ کی طرف بطور جاسوس بھی بھیجا تاکہ وہ آپ کو راستے میں مل کر بتلائے کہ آپ کے خروج کا اثر قریش پر کس حد تک پڑا ہے تاکہ آپ ہر امر کے لیے تیاری کر لیں اور ہر منصوبے کا نقشہ تیار کر لیں اور عملاً آپ ابھی اپنے اصحاب کے ساتھ عسفان کے علاقہ اشطاط میں جو مکہ کے قریب ہے، نہیں پہنچے تھے کہ آپ کو انٹیلی جنس کے ذریعہ اہل مکہ کے متعلق ہر وہ ضروری بات معلوم ہو گئی جو آپ سے معرکہ بدر سے جنگ کی حالت میں تھے۔ آپ نے انٹیلی جنس کے جوان سے جو معلومات حاصل کیں ان سے آپ نے خوب استفادہ کیا اور خالد بن ولید کی قیادت میں قریش کے جو سوار دستے کراع الغمیم میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے ان کے ساتھ مسلح تصادم سے بچنے کے لیے آپ نے اپنا راستہ دائیں طرف بدل لیا اس طرح آپ نے جنگ کی آگ بھڑکانے سے بچاؤ اختیار کر لیا، جس کے بھڑکانے میں آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔

۲۔ اضطراب کے وقت ضبط نفس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یاد کرنے کے لیے جو عملی درس دیا اسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے جو ذمہ داری اور قیادت کے مقام پر ہو اور وہ ضبط نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا تعلق ہے اور جہلاء کی تحدی اور بے وقوفوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل کا اختیار کرنا ہے، اس خلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آراستہ تھے اور آپ نے تنگی کی سخت ترین گھڑیوں اور مسلمانوں پر ظلم کے وقت بھی اس کا التزام کیا، حالانکہ آپ اس وقت مضطرب کرنے والے تہور پسندوں کو دگنی سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے لیکن آپ نے یہ کام اس لیے نہ کیا کہ ایسا کرنا ضروری نہ تھا، مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج کا پہلا اور آخری مقصد بیت اللہ کی زیارت تھا اور یہ مقصد محض صلح پسندانہ تھا جسے قریش بھی جانتے تھے اور آپ نے رواجی طور پر مسلمانوں

کے لیے آئے ہیں، لیکن قریش کی بُت پرستانہ عقل کا احمقانہ فیصلہ یہی تھا کہ وہ آپ کے اصحاب کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں گے، محض اس خبر سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ سے خروج کیا ہے شیطان نے ان کے مشرک لیڈروں کے نتھنوں میں پھونک ماردی اور انہوں نے عام تیاری کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنی تمام عسکری طاقتوں کو جمع کر لیا اور پھر مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں بنوک شمشیر بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کے لیے لے کر حدود مکہ سے باہر آگئے باوجودیکہ ان کی انٹیلی جنس نے انہیں خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ان کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں اور وہ جامہ ہائے احرام بھی پہنے ہوئے ہیں ——— لیکن اندھی جاہلیت نے مشرکوں کو جادۂ صواب سے منحرف کر دیا، قریش کا اپنی فوجوں کے ساتھ نکلنا اور خالد بن ولید کا اپنے سواروں کے ساتھ کراع الغمیم میں پڑاؤ کرنا ایک جوش دلانے والی تحدی اور زبردست اضطراب پیدا کرنے والی بات تھی جو نہایت آسانی کے ساتھ حدود حرم کے اندر یا باہر مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان خطرناک جنگ کے بھڑکانے کا باعث بن سکتی تھی، جس میں بہت خونریزی ہوتی جن کے بہانے میں آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس میں بہت سی جانیں ضائع ہو جاتیں، جن میں سے آپ کسی بھی جان کے ضیاع کے خواہش مند نہ تھے، قریش کی سرکشی اور تحدی اور اضطراب کو جواز بنا کر ان سے مسلح تصادم شروع کر دیتے اور وہاں سے گزرتے جہاں پر خالد بن ولید پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور بنوک شمشیر حدود حرم میں داخل ہو جاتے، خصوصاً اس لیے بھی کہ قریش پہلے سے جانتے تھے کہ جب بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف اپنا راستہ بنانے کے لیے ان پر حملہ کیا ہے ان کی فوجوں کو ہی نقصان ہوا ہے، کیونکہ آپ کے پیچھے وہ چودہ سو . . . . . . منچلے جوان تھے جنہیں مشرکین کرنے جنگ کے

میدانوں میں اچھی طرح دیکھا بھالا تھا جن میں سے تین سو تیرہ نے بدر کے معرکہ میں قریش کے زبردست لشکر کو جو ایک ہزار جنگجو سواروں اور صنادید پر مشتمل تھا تباہ و برباد کر دیا تھا اور ان میں سے سات سو نے اُحد کے روز تین ہزار جانبازوں کو رسوا کن شکست دی جنہیں قریش نے اسلام کے وجود کو مٹانے کے لیے تیار کیا تھا، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود پوری طاقت رکھنے کے قریش کے اضطراب وتحدی کا مقابلہ بڑے حلم وصبر سے کیا اور ان کی حماقت اور زیادتی کا جواب بڑی دانش مندی اور عقل مندی سے دیا یہاں تک کہ جب آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ وہ آپ سے جنگ کے لیے تلے ہوئے ہیں تو آپ نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ تاریخی کلمہ فرمایا "قریش کا بُرا ہو انہیں جنگ نے تباہ کر دیا ہے، اگر وہ میرے اور دوسرے عربوں کے درمیان راستہ کھول دیں تو انہیں کیا ہے اگر وہ مجھے تکلیف دیتے تو بھی ان کا منشا پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ دیتا تو وہ بہت بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر ان کے ساتھ مل کر لڑتے تو انہیں قوت حاصل ہوتی، پھر آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ اس راستے پر چلیں جو کراع الغمیم میں پڑاؤ کیے ہوئے دستوں کے پاس سے نہ گزرتا ہو۔ آپ نے یہ اقدام بزدلی اور جنگ کے خوف سے نہ کیا تھا بلکہ ان خونوں کو بچانے کے لیے کیا جو بغیر کسی ضرورت کے بہائے جانے تھے اور عملاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ تصرف سے کتنی ہی جانیں بچ گئیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی وجہ سے عدم تصادم کی کاروائی نہ کرتے تو ممکن تھا کہ کئی سو جانیں ضائع ہو جاتیں ——— اور ان وجودوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین کی فوج کے سردار تھے پھر بعد میں وہ اسلامی افواج کے سالار بنے جنھوں نے قیصر و کسریٰ کے تختوں کو اُلٹ دیا۔ جیسے خالد بن ولید، عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن اُمیہ، عمرو بن العاص اور سہیل بن عمرو، اور ان جیسے دوسرے صنادید قریش ——— اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے اصحاب کے ساتھ راستہ بدل کر حدیبیہ میں پڑاؤ نہ کرتے تو یہ لوگ اس معرکہ میں پچھڑ کر گر پڑتے، اسی طرح ہر ذمہ دار لیڈر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان جیسے مواقف میں ضبط نفس اور دھیما پن اختیار کرنے کے سبق اخذ کرے اور امور کا جائزہ لینے میں اُمت اور دین کی مصلحت کو مدِ نظر رکھے نہ کہ جذبات، اکھڑ پن، خواہشات اور خالی خولی بہادرانہ باتوں کو مدنظر رکھے۔

۳۔ عمدہ معارضہ کا احترام

قضیہ حدیبیہ سے تیسرا سبق یہ مستنبط ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ معارضہ کے اصول وضع کیے ہیں اور معارضہ کرنے والا خواہ کسی بھی مقام کا ہو اس کو ایذا دینے سے تعرض نہیں کیا —— اس شرط پر کہ اس معارض کی نیت بخیر ہو اور اس کے معارضہ کا باعث اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو اور جب معارضہ کا باعث خواہشات یا شخصی مصلحت ہو یا ایسے اصولوں کو راسخ کرنا ہو جو اسلام اور اُمت کی مصلحت کے مخالف ہوں تو یہ ایسا معارضہ ہے جس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اور وہ کسی احترام کے لائق نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صریح اور قوی معارضہ ہیں، جو آپ نے صلح کی بعض ان شرائط پر کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مشرکین کے درمیان پختہ ہو چکی تھیں، سے بڑا سبق ملتا ہے، حضرت عمر بن الخطاب معاہدہ صلح کے وقت سے ہی دلی یقین کے ساتھ سمجھتے تھے — کہ قریشی نمائندے سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں جو بعض شروط لگائی ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول کر لیا ہے وہ اُمت اسلامیہ کی ہتک عزت کا باعث ہیں اور ان سے ہماری ذلت ہوتی ہے — یہ آپ کا ایک عام انسان کی طرح فہم و احساس اور شعور تھا —— لیکن وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت —— اصابت رائے، دُور اندیشی اور امور کی گہرائیوں کا احاطہ کرنے کے لحاظ سے قطعًا اس مقام پر نہ تھے، جس پر

آپ قائم تھے ـــــ دوسرے یہ کہ انہیں آسمان سے وحی آتی تھی اور ان سے کسی کام کا صدور امر الٰہی ہی سے ہوتا تھا ، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن خطاب معاہدہ کی ان شرائط سے بالکل آگاہ نہیں ہو سکتے تھے جن پر آپ نے اتفاق کیا اور ان پر دستخط کرنے اور گواہی دینے کے سوا کوئی کام باقی نہ رہ گیا تھا ـــــ یہاں تک کہ آپ شدید معارضہ کا اظہار کرتے ہوئے اُٹھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے اور نہایت صراحت کے ساتھ سید الحکماء اور امام العلماء کے سامنے معاہدہ کی بعض شرائط کے متعلق اس معارضہ کا اظہار کیا ، خصوصاً قریش کی اس شرط کے متعلق جس میں یہ ذکر تھا کہ مسلمان اس سال مناسک عمرہ کی ادائیگی کے بغیر مکہ سے واپس چلے جائیں ـــــ اور یہ کہ قریش میں سے جو شخص مسلمانوں کے پاس آئے اور خواہ وہ مسلمان ہی ہو ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے واپس کریں اور اس کے بالمقابل جو شخص مسلمانوں سے مرتد ہو کر اور ان کی جماعت کو چھوڑ کر قریش کے پاس آئے گا وہ اُسے واپس نہیں کریں گے ، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب ان شروط کے متعلق اعلانیہ معارضہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے ، کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہیں ؟ آپؐ نے فرمایا میں خدا کا سچا رسول ہوں تو حضرت ابن خطاب نے کہا ، کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ؟ آپؐ نے جواب دیا بالکل ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں قبول کریں ؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطاب کے صریح اور قوی معارضہ پر بُرا نہیں منایا اور نہ آپ کو ڈانٹ پلائی بلکہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو صحیح طریق سے ان شرائط پر رضا مند کرنے کی کوشش کی جو انہیں مسلمانوں کے لیے تباہ کن نظر آرہی تھی آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ وہی کام کرتے ہیں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو ، دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام ادائی کرتے ہیں آپؐ نے حضرت

فاروق کے معارضہ کے جواب میں فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں اور وہ میرا مددگار ہے۔"

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے شدید اور سخت معارضہ کا فی البدیہہ جواب دینے کے بعد بھی ابن خطاب کے مسلسل معارضہ و مناقشہ کرنے پر سید البشر کا دل تنگ نہیں ہوا، یہاں تک کہ مناقشہ اس حد تک پہنچ گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ کہا یا رسول اللہ کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے پرسکون انداز میں فرمایا ہاں، کیا میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم اس سال بیت اللہ جائیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو اس کے پاس آنے والا ہے اور اس کا طواف کرنے والا بھی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رابطہ کر کے انہیں بتایا کہ میں نے ان شرائط کے متعلق معارضہ کیا ہے اور میں ان کا کوئی جواز نہیں سمجھتا۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ کیا یہ اللہ کے سچے رسول نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم حق پہ اور ہمارے دشمن باطل پہ نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں قبول کریں؟ اس موقع پہ حضرت صدیق نے حضرت فاروق سے کہا اے جوان وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ ان کا مددگار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے فرمانبردار رہو، خدا کی قسم وہ حق پہ ہیں۔

حضرت فاروقؓ کا معارضہ پر شرمندہ ہونا

حضرت عمرؓ نے اس معارضہ پر اپنی ندامت کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ معارضہ کے کفارہ میں روزے رکھتے رہے، صدقہ وخیرات کرتے رہے اور غلام آزاد کرتے رہے۔

۴۔ اشکال کے اہم نقطہ کی وضاحت

جس شرط میں یہ ذکر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی طرف سے آنے والے شخص کو خواہ وہ مسلمان ہی ہو، واپس کریں گے اور اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی آدمی قریش کی طرف آئے گا تو وہ اُسے واپس نہیں کریں گے۔ یہ شرط خاص طور پر مسلمانوں کی پریشانی کا باعث تھی اس لیے وہ اسے ایک لقمہ تر کی طرح نہ ہضم کر سکے اور نہ نگل سکے، حتیٰ کہ جب لوگوں نے سُنا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط سے موافقت کر لی ہے تو ایک آدمی نے کہا سبحان اللہ! وہ اس آدمی کو جو مسلمان ہو کر آئے گا مشرکین کی طرف کیسے واپس کریں گے، مسلمانوں کو اس شرط سے بڑا غم ہوا، مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ اسلوب اور راست گفتاری سے غم کے تمام بادلوں کو بکھیر دیا جو مسلمانوں کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے آپؐ نے اس شرط کے ضمن میں جسے آپ کے قبول کرنے پر وہ بُرا مناتے تھے۔ فرمایا:۔

"ان میں سے جو آدمی ہمارے ساتھ ملنا چاہے گا (یعنی وہ مسلمان جسے ہم اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اور ہمارے لیے کوئی سبیل پیدا کر دے گا —— اور جو ہم میں سے ان کے پاس جائے گا اللہ تعالیٰ اُسے تباہ کر دے گا

اور وہ کفر کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔"

یہ تفسیر نبوی ایک معقول اور واقعاتی تفسیر تھی جس نے مضطرب دلوں کو سکون بخشا —— حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جو اس شرط کے قبول کرنے کے متعلق سب صحابہ سے زیادہ سخت معارضہ کرنے والے تھے — نے بھی اس قول نبوی کو قبول کر لیا اور سمجھ لیا کہ یہ فعل رسول ہی درست ہے، یہ ایک بڑا اہم سبق تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب کو دیا، جس کی روشنی میں یہ بات واجب ہوتی ہے کہ انسان جذبات کے جوش اور انفعال کے دوران امور کی تفسیر اور استخراج نتائج میں جلد بازی سے کام نہ لے، اس طرح وہ غلطی میں پڑ جائیں گے جیسا کہ بعض صحابہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شرط کے قبول کرنے پر جلد بازی کی اور وہ غلطی میں پڑ گئے کہ یہ شرط مسلمانوں اور ان کے دین کی ہتک کا موجب ہے —— جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جذبات سے الگ ہو کر عقل کی زبان سے بات سمجھائی تو ان پہ اپنی غلطی واضح ہو گئی کہ اس شرط کے قبول کرنے میں ان کی کوئی ذلت نہیں جس کے متعلق یہ سن کر کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر لیا ہے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے۔

وفائے عہد

شاید صلح حدیبیہ کے اسباق میں سے سب سے زیادہ بلیغ سبق وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حیثیت قائد اور حاکم، وفائے عہد کے متعلق دیا اور یہ کہ ایک شریف اور ذمہ دار آدمی جب قول دے دے تو خواہ اسے کس قدر نقصان اور تکالیف پہنچیں وہ اپنے عہد کو پورا کرے، یہ شاندار سبق ہم ابوجندل کے اثر انگیز واقعہ سے حاصل کرتے ہیں، حدیبیہ کے مذاکرات میں سربراہ وفد سہیل بن عمرو کا ایک نوجوان بیٹا تھا، جسے اللہ تعالیٰ

نے مکہ میں اسلام کی طرف ہدایت دی تو اس کے باپ نے اُسے قید کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور اُسے بُت پرستی کی طرف واپس آنے کے لیے مجبور کرنے لگا اور اس کی تعذیب کے لیے تیار ہو گیا، لیکن اس نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اپنے دین صحیح پر مسلمان کے طور پر قائم رہا ابوجندل کو اپنے باپ کے قید خانے سے بھاگنے کا موقع مل گیا اور وہ پا بجولاں مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچ گیا اور اس نے اپنے دین کو لے کر بھاگتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمانوں کے آگے ڈال دیا اور ان سے حمایت کا طالب ہوا کیونکہ وہ مسلمان ہو کر ان میں سے ہو گیا تھا اور ان کی طرف ہی آیا تھا، پس مسلمانوں نے اُسے خوش آمدید کہا اور مبارک باد دی، جونہی اس کے باپ سہیل بن عمرو نے اُسے مسلمانوں کے درمیان دیکھا تو اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے لگا پھر اس کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور دھکے دینے لگا تاکہ اُسے شرک کے پڑاؤ میں واپس لے جائے، ابو جندل نے مسلمانوں سے مدد طلب کرتے ہوئے پکار کر کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالیں، کیا تم اس سلوک کو نہیں دیکھتے جس سے میں دوچار ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ابوجندل کی حمایت میں جلد مداخلت کرتے ہوئے اُسے اس کے مشرک باپ کے ہاتھ سے چھین لیا تاکہ وہ ان کے ساتھ رہے اور یہی اس کی خواہش تھی کیونکہ وہ ان کی سوسائٹی کا ایک فرد بن گیا تھا، سہیل بن عمرو نے اپنے بیٹے کو گرفتار کرنے کے لیے طاقت کا سہارا نہیں لیا بلکہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس احتجاج کیا اور آپؐ سے مطالبہ کیا کہ معاہدہ صلح کی آٹھویں شرط کے مطابق آپؐ میرے بیٹے کو میرے سپرد کر دیں، کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے جو قریش کی جانب سے اپنے اہل کی اجازت کے بغیر آئے گا، سہیل بن عمرو نے اپنے اس احتجاج میں کہا، یہ پہلی بات ہے جس پر میں نے آپ کو قاضی بنایا ہے، ابوجندل کے آنے سے پیشتر میرے اور آپؐ کے درمیان قضیہ طے ہو چکا ہے آپ

نے ـــ جو سب سے بڑھ کر وفائے عہد کرنے والے تھے ـــ معاہدہ کی نصًا اور روحًا پابندی کرتے ہوئے سہیل بن عمرو سے کہا آپ درست کہتے ہیں اور آپؐ نے سہیل بن عمرو مشرک کو اپنے مسلمان بیٹے کو گرفتار کرنے اور مکہ واپس لے جانے کی اجازت دے دی، باوجودیکہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ اس کارروائی سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید اذیت پہنچے گی، ہاں آپؐ نے سہیل بن عمرو سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دے آپؐ نے فرمایا اسے میری پناہ اور امان میں رہنے دو، یہ عربوں کی ایک قدیم عادت ہے، سہیل نے جواب دیا، میں اسے آپؐ کی پناہ میں دینے والا نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مطالبہ کو دوہرایا اور فرمایا ایسا کر دیجیے، سہیل نے دوبارہ انکار کرتے ہوئے کہا، میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں، اس موقع پر قریشی وفد کے دو ممبروں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن عمرو نے مداخلت کرتے ہوئے ابوجندل کو پناہ دے دی اور عہد کیا کہ مکہ میں اس کو تکلیف نہیں ہوگی ان دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپؐ کی خاطر اسے پناہ دی ہے، ہم اُسے عذاب نہیں دیں گے سہیل بن عمرو نے اپنے نوجوان مسلمان بیٹے کو لیا تاکہ وہ اسے دیگر قریشی مسلمان نوجوانوں کے ساتھ قید میں ڈال دے انہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے ساتھ ملنے سے ان کے اہل کی سرکشی نے روکا ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجندل سے معذرت کرنا

جب ابوجندل کو اس کا باپ گھسیٹ رہا تھا تو اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈالیں؟ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ابوجندل سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرسکتا جس کے باعث میں تجھے تیرے مشرک باپ کی قید سے چھڑالوں، کیونکہ یہ اس عہد کا توڑنا ہے، جسے آپ نے تھوڑا عرصہ قبل، قریش کو دیا تھا آپ نے ابوجندل سے فرمایا ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدہ صلح ہوا ہے اور ہم نے انہیں اور انہوں نے ہمیں عہد دیا ہے اور ہم ان سے خیانت کریں گے، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس المیہ کے بالمقابل جس کی شرائط آپ کے اور ابوجندل کی رہائی کے درمیان حائل ہوگئی تھیں، ابوجندل کو تسلی دی اور خوشخبری بھی دی کہ اس کی اور اس کے مسلم نوجوان ساتھیوں کی جو مکہ کے قید خانوں میں تنگی سے وقت گزار رہے ہیں رہائی کا وقت قریب آچکا ہے، آپ نے ابوجندل کے ساتھ اس کی غم خواری کرتے ہوئے فرمایا اے ابوجندل صبر کر، اور رُک جا، اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے کمزور ساتھیوں کے لیے رہائی کی سبیل بنانے والا ہے، ابوجندل نے بیان نبوی کو قبول کیا اور حضور علیہ السلام کی خوشخبری سے مطمئن ہوگیا، پس وہ اپنے مشرک باپ کی بات مان گیا اور وہ اسے مکہ واپس لے آیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سال سے بھی کم عرصہ میں بشارتِ رسول کے مطابق اس کے لیے رہائی کی صورت پیدا کر دی، عنقریب اس کی تفصیل بیان ہوگی انشاءاللہ۔

شاندار سبق اور سخت آزمائش

حق بات یہ ہے کہ ایک شدید اور سخت آزمائش کی وجہ سے ——— ایک مسلم نوجوان اپنے دین کے ساتھ مسلمانوں کی طرف بھاگا پھر اُسے دوبارہ شرک کے جہنم میں پھینکنے کے لیے چھین لیا گیا حالانکہ اس نے اس جہنم سے نکل کر حدیبیہ میں اسلامی سوسائٹی میں پناہ لی تھی، مسلمانوں کو اس منظر سے شدید رنج والم پیدا ہوا حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے آدمی اس بہترین نوجوان پر رحم کھاتے ہوئے رو پڑے اور وہ اس کے مشرک باپ کو بُت پرستانہ سخت گیری کے

ساتھ اُسے گھسیٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے، ان کے دلوں میں یہ پُرزور خواہش تھی۔ بلکہ ان کے بس میں نہ تھا کہ وہ اس صادق الایمان نوجوان کو اس کے باپ کی بت پرستانہ سخت گیری سے نجات دلائیں —— اور وہ دیکھ رہے تھے کہ سہیل بن عمرو اپنے مسلمان بیٹے کو ان کے سامنے بُت پرستانہ سخت گیری سے گھسیٹ رہا ہے اور بیڑیوں کے سخت دباؤ کی وجہ سے اس کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے حق بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر دل آنکھوں سے پہلے رو پڑتے ہیں —— لیکن مسلمان، اس مسلم نوجوان کو چھڑانے کے لیے کیا کرتے —— اور وہ کیا کر سکتے تھے؟

وہ اس دلدوز منظر کے سامنے اپنے آپ کو یوں محسوس کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہیں —— اور یہ ہاتھ اس عہد کی پابندی نے باندھے تھے، جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دیا تھا اور اس بات کی عظمت کے لیے تھا جس کی تنفیذ اس معاہدہ صلح کی رُو سے لازم آتی تھی جس نے ان کی مشکیں باندھ دی تھیں اور وہ سہیل بن عمرو (سے متعرض ہونے کی جرأت نہ کر سکتے تھے جس نے اپنے نوجوان مسلمان بیٹے کی آزادی سلب کر لی اور اُسے بُت پرست معاشرہ میں واپس جانے پر مجبور کیا جس میں وہ زندگی گزارنا نہیں چاہتا تھا، اور ابن اسحٰق نے ابوجندل کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری اور ان کو بہت غم ہوا، قریب تھا کہ وہ غم سے ہلاک ہو جاتے اور بعض نے تو الم اور جلن کے باعث حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ آپ قریش کی طرف اس آدمی کو کیوں لوٹاتے ہیں جو مسلمان ہو کر آتا ہے اور قریش اس شخص کو واپس کیوں نہیں کرتے جو ان کی طرف مرتد ہو کر جاتا ہے، یہ بات وہ اس لیے پوچھتے تھے کہ جس بات کا احاطہ علم نبوی نے کیا ہوا تھا وہ اس کا احاطہ نہ کر سکتے تھے نیز ان کا ادراک ان مقاصد کے حصول سے قاصر تھا جن کا ادراک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اس استفسار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت حکیمانہ، منطقیانہ اور واقع کے مطابق جواب دیا جو مومن دلوں کے لیے مرہم کی طرح بن گیا اور انہیں اس غم سے نجات دی جس سے وہ خاص طور پر ابوجندل کے واقعہ کے بعد دوچار ہوئے تھے ——— حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ جو شخص مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر قریش کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ اُسے واپس نہ لائے ——— کیونکہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ——— اور مسلمان اس انسان سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو ان کے دین کو چھوڑ گیا ہے،

اب رہے وہ کمزور مسلمان جنہوں نے مسلمانوں سے حق پناہ طلب کیا اور حضور علیہ السلام نے انہیں کفارِ مکہ کی طرف لوٹا دیا، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے رہائی کی سبیل بنائے گا ——— اس میں کچھ شبہ نہیں ——— جب تک وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے، اگر مکہ کے قید خانوں میں وہ ایمان کا ٹیکس ادا کرتے تو انہیں کیا ہوتا؟ ان سے پہلے ان کے بھائیوں نے عقیدہ سے تمسک کی وجہ سے ان سے بھی زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض خوفناک اور وحشیانہ عذاب سے مر گئے اور ما لبقون الاولون کے درمیان چوٹی کے آدمی بن گئے جیسے عمار اور اُم عمار، بلال اور مصعب بن عمیر، مشرکین کے قید خانوں میں ان لوگوں نے خوف، بھوک اور وحشیانہ تعذیب کے جو مزے چکھے، انہوں نے ان کو خوب صورت بنا دیا ——— اگر یہ تعبیر صحیح ہے تو دنیا بھر میں ان کی باتوں کا چرچا ہو گیا اور عقیدہ کی راہ میں ان کی قربانی اور فداکاری سے تاریخ ہمیشہ ان کی معطر یاد سے مہکتی رہے گی، گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ حال سے ——— وفائے عہد کرتے ہوئے ابوجندل کو اس کے مشرک باپ کی طرف یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ ابوجندل اور اس کے بھائیوں کو عقیدہ کے تحفظ میں جو عذاب مکہ کے قید خانوں میں دیا جا رہا ہے اس پر وہ ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نجات دینے والا ہے

اوران کے لیے تکالیف سے نکلنے کی سبیل پیدا کرنے والا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے لیے نہیں فرمایا کہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب [1]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا کر دیا اور ابوجندل اور اس کے کمزور بھائیوں کے لیے مکہ کے قید خانوں سے نکلنے کی سبیل پیدا کر دی ابھی ایک سال سے بھی کم عرصہ نہیں گذرا تھا کہ وہ مکہ کے قید خانوں سے بھاگ گئے اور ایک ایسی طاقت بن گئے جس سے کفارِ مکہ خوف کھانے لگے کیونکہ انہوں نے ان راستوں پر قبضہ کر لیا تھا جن پر شام سے آنے والے مشرکین کے قافلے گذرتے تھے، اس کی تفصیل اگلی فصل میں بیان ہوگی۔

صلح کے عظیم فوائد

اگرچہ عامۃ المسلمین ان شرائط سے تنگ دل اور مغموم تھے جنہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا تھا، مگر اس صلح سے مسلمانوں کو عظیم فوائد پہنچے بلکہ جن لوگوں نے شرائط صلح سے تنگی محسوس کی ان کے بعد جو لوگ ہوئے انہیں دعوتِ اسلام کے لیے بڑی مدد ملی، اور بعض لوگوں نے حسنِ نیت سے آپ سے سوال کیا کہ وہ محسوس فوائد کہاں ہیں جنہیں صلح حدیبیہ نے مسلمانوں پر سخت شرائط عائد کر کے ثابت کیا ہے حالانکہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حرم سے روک دینے کا اعتراف کیا ہے پس انہوں نے حرم سے باہر ہی اپنے احرام کھول دیئے اور طواف بیت اللہ کے بغیر ہی مدینہ لوٹ گئے حالانکہ ان کا بڑا مقصد یہی تھا اور وہ مدینہ سے تکلیف برداشت کر کے اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے آئے تھے، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سورہ طلاق آیت ۲-۳

نے سہیل بن عمرو کے ساتھ اس صلح میں یہ اقرار و اتفاق نہیں کیا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طواف کرنے اور حرم میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا آپؐ نے صرف اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ عمرہ کے ساتھ مسلمانوں کا حرم میں داخلہ اس سال نہیں بلکہ اگلے سال ہوگا اور اس بات کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ بھی کیا ہے اور اپنے معارض صحابہ کو رضا مند کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

اگر اس کو ڈپلومیسی کہنا درست ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے نہایت عقل مندی کے ساتھ اعلیٰ ڈپلومیسی اور عسکری سیاست سے کام لیا ہے اور اس کے مطابق چلنے سے آپؐ نے بہت سی جانوں کو بچا لیا ہے جن کے خون بہانے سے آپؐ کو کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ آپ حرم کے اندر خون بہانے کو نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے —— جن کا سہولت اور کثرت سے بہانا ممکن تھا جس طرح جابر لیڈر بنوکِ شمشیر اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنوکِ شمشیر مکہ میں داخل ہونے پر قادر تھے، لیکن آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا —— اس نے اس خونریز داخلہ کی بجائے آپ کو فقط ایک سال بعد زیارت بیت اللہ کے لیے پُر امن داخلے سے فضیلت بخشی —— اس لیے آپ نے اس شرط کو جسے قریشی نمائندے نے لکھوایا تھا قبول کر لیا، جس کا فیصلہ تھا کہ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں اور آئندہ سال انہیں مکہ میں داخل ہونے کا حق ہوگا، اس تاخیر کے ساتھ اتفاق کرنے میں مسلمانوں کی کونسی حق تلفی ہوئی ہے خصوصاً اگر ہم اس تاخیر پر نگاہ غائر ڈالیں تو یہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانوں کے بچانے کا بڑا سبب بنی ہے —— اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس تاخیر سے اتفاق نہ کرتے اور بزور قوت مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کرتے تو ممکن تھا کہ فریقین کی جانب

سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں پھر اس امر سے کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان جب تک اپنے حق کے حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اُسے آج لے لے، یا کل لے لے، معاہدہ صلح حدیبیہ اس بات پر مشتمل ہے کہ مسلمان اپنے حق کو وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ حق آئندہ سال بیت اللہ کا طواف کرنا ہے، اس امر میں اسلام اور مسلمانوں کی کونسی حکمت اور مصلحت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینکڑوں صحابہ کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیں جب کہ انہیں ان کی بے حد ضرورت ہے۔ خصوصًا اس نئی اسلامی حکومت کی تعمیر کے خوش قسمت مرحلہ میں جو اپنی دعوت کی حمایت میں آدمیوں کی بہت محتاج ہوتی ہے جس کی جڑیں، گہرائیوں میں راسخ ہونا شروع ہوتی ہیں، کیا یہ کوئی مصلحت اور حکمت کی بات ہے کہ آپ خطرہ میں پڑنے کا اقدام کرتے اور اپنے اصحاب کو جنگ میں موت کی بھینٹ چڑھا دیتے جو بلاشبہ تباہ کن ہوتی، آپ جلد بازی کی نسبت اپنے اصحاب کا ایک قطرہ خون بہائے بغیر ایک سال بعد اپنے مقصد کو پورا کرنے پر قادر تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور آپؐ ایک رسولؐ کی طرح محبت اور رواداری کے شعار کے علمبردار تھے اور ایک راہنما اور مصلح کی طرح تھے جو جانوں کی حفاظت وصیانت کے لیے آتا ہے نہ کہ خونریزی کرنے اور جانوں کے ضیاع کے لیے آتا ہے، وہ تو غیر مسلموں کے خون کبھی نہیں بہاتا ——— پھر آپ ایک لیڈر کی طرح اپنے صحابہ کی جانوں کی حفاظت کے ذمہ دار تھے ——— آپؐ اس خطرہ میں پڑنے کا اقدام کر ہی نہ سکتے تھے جس سے ایک بے ضرورت تباہ کن جنگ میں آپ کو حصہ لینا پڑتا، ہاں یہ بات تب ہوتی جب آپ اپنے ان صحابہ کے پُرجوش جذبات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے جن کے حواس اس بات کے سمجھنے سے قاصر تھے جسے تجربہ کار اور ذمہ دار لیڈر نے سمجھا تھا، پھر رسول کے پاس اللہ تعالیٰ کے ہاں سے وحی آتی ہے اور وہ امرِ الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔

پہلی شرط

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اس شرط کو قبول کر لیا ، جس کے بموجب اس سال مکہ میں آپ کا داخلہ ممنوع ہو گیا ہاں اگلے سال آپ اور آپ کے اصحاب مکہ میں داخل ہو سکتے تھے ، قریش نے اس شرط کے لکھوانے سے یہ مظاہر کیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی ہے ـــــ جب کہ یہ شرط حقیقت میں ایک باریک اور شفاف پردہ سے زیادہ حیثیت تھی جسے ان کی بت پرستانہ لاف و گزاف اور جاہلی تکبر نے ہوا دی تھی ـــــ یہ شکست انہیں اس صورت میں ہوئی کہ انہوں نے اس آندھی کے سامنے جھک کر یہ بات قبول کر لی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے اور وہ ان کے طواف بیت اللہ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں جس کے تسلیم کرنے سے وہ انکار کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے نمائندہ نے معاہدہ صلح پر دستخط کر دیے جس میں مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے ، اس شرط سے قریش نے جو کچھ حاصل کیا ـــــ وہ یہ تھا کہ آپ کے موافق اصحاب نے بھی اس کو بڑی بات خیال کیا ـــــ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے مکہ میں داخلہ کو ایک سال پیچھے کر دیا ہے ، قریش کے لیڈروں نے سب سے نمایاں بات اسے ہی خیال کیا یا مشرکین عرب کے سطحی لوگوں کو اس وہم میں ڈال دیا کہ اس بات میں قریش کو مسلمانوں پر بڑی فتح حاصل ہوئی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ جس بات پر اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے حق کو ایک سال کی تاخیر سے حاصل کریں گے ـــــ اور قریش تو اس صلح کی پختگی سے قبل مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کرتے تھے ۔

قریش نے اس صلح کو پختہ کر کے مسلمانوں کے حق کو تسلیم کرنے پر مہر لگا دی ہے جس کے تسلیم کرنے سے وہ انکار کرتے تھے اور سخت قسمیں کھاتے تھے

کہ وہ مسلمانوں کو کبھی یہ حق نہیں لینے دیں گے اسی لیے وہ مکہ سے نکل کر تمام قوت کے ساتھ حدیبیہ میں آ گئے تاکہ وہ اس گنہگارانہ قسم کو پورا کریں اور کسی شرط اور قید کو قبول کیے بغیر اور بغیر کسی قسم کی گفتگو کے مسلمانوں کو واپس مدینہ جانے پر مجبور کر دیں، مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان حدیبیہ میں ٹھہرنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہیں اور اس کی وجہ سے ایسا مسلح تصادم بھی ہو سکتا ہے جس میں ہمیشہ کے لیے ان کی ہستی ختم ہو سکتی ہے خصوصًا درخت تلے بیعت کرنے کے بعد یہی مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان عام لام بندی کر رہے ہیں اور مجبوری کی صورت میں جنگ میں حصہ لینے کے لیے بھی تیار ہیں —— قریش نے بھی سمجھ لیا کہ جب مسلمان حملہ کے لیے مجبور ہو گئے تو وہ ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکیں گے اس لیے وہ اس آندھی کے سامنے جھک گئے اور اپنی قسم سے رجوع کر لیا اور آئندہ سال عمرہ کے لیے مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے پر متفق ہو گئے، لیکن ان کا یہ رجوع بھی عین شکست ہی تھا پس یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ اس اہم اور پیچ دار قضیہ میں زبردست فتح حاصل کرنے والے مسلمان تھے نہ کہ مشرکین، گذشتہ اور معاصر عسکری اور سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کے ساتھ اس معاہدہ میں کامیاب ہو کر اس صورت میں واپس آنا، اس قدر پختہ اور مضبوط اقدام ہے کہ جس کا قوم کا کوئی ذمہ دار لیڈر ہی اقدام کر سکتا ہے اور عملی اقدام سے قبل ہی نتائج کا اندازہ کر لیتا ہے، تاریخ کے سکالروں اور فلسفیوں نے صلح حدیبیہ کو بڑی فتح خیال کیا ہے، جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے حاصل کیا تھا، قضیہ حدیبیہ اور تاریخی صلح کو جس پر سارا چکر ختم ہوا، گہری نظر سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ اس قضیہ سے عقائدی سیاسی، ادبی اور اطلاعاتی فوائد حاصل ہوئے، جن کا اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا —— ہم اس جگہ بعض فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ قریش کا مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کرنا

مکہ میں دعوتِ اسلام کے آغاز سے نیز پندرہ سال سے بلکہ صلح حدیبیہ تک قریش حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایک چھوٹی سی جماعت خیال کرتے تھے جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو ـــــــ وہ ان کی طرف اس طرح دیکھتے، جیسے ان فقیروں کو، جو رہزن اور قانون کے باغی ہوں، جن کو وہ اپنی حکومت کے آگے جھکانا ضروری سمجھتے تھے اور انہیں اپنی بُت پرستانہ کہانت کی اطاعت کے دائرہ میں واپس لانا چاہتے تھے یا اُن سے کسی ذریعہ سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے ـــــــ قریش نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کسی دن وہ ان کے ساتھ مدِ مقابل لوگوں کی طرح ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر گفتگو کریں گے اور وہ ایک تحریری معاہدہ میں انہیں ایک قوم کے طور پر تسلیم کریں گے جس کا اپنا ایک وجود ہوتا ہے بلکہ ایک حکومت کی طرح تسلیم کریں گے جس کا اپنا رعب و داب اور اثر و رسوخ ہوتا ہے، قریش نے حکومتی طور پر مسلمانوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا مگر حدیبیہ کے روز انھوں نے ان کے وجود کو پوری طرح تسلیم کر لیا اور ان کے نمائندے سے نے بین الاقوامی تاریخی دستاویز پر دستخط کر دیے جو اس اعتراف کو متضمن ہے یہ صلح حدیبیہ کا سب سے پہلا سیاسی فائدہ ہے ـــــــ بلکہ سب سے اہم فائدہ ہے ـــــــ جس میں قریش نے حکومتی طور پر اعتراف کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک ایسی قوم بن گئے ہیں جس کا اپنا وجود ہے بلکہ ایک حکومت بن گئی ہے جس کی اپنی ایک اہمیت ہے، یہ اعتراف اس معاہدہ صلح کی دستاویز میں کیا گیا ہے جو بارہ شرائط پر مشتمل ہے، ان میں ایک یہ شرط بھی ہے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال تک صلح رہے گی اور صلح انہی دو فریقوں میں ہوتی ہے جو کم از کم عسکری اور سیاسی لحاظ سے ہم پلہ ہوں، مسلمانوں کی عسکری اور حکومتی ہمسری کا انکار، قریش

پندرہ سال تک کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے معاہدہ حدیبیہ میں حکومتی سطح پر دستخط کرکے مسلمانوں کی ہمسری کا اعتراف کرلیا، گویا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ اس تاریخی صلح کے معاہدہ میں کامیابی حاصل کرکے ان سے یہ اعتراف کروالیا، حالانکہ قریش کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضیہ حدیبیہ میں باوجود طاقت رکھنے کے قریش کے بالمقابل صبر وضبط سے کام نہ لیتے اور نرمی کی سیاست کو اختیار نہ کرتے تو اس کے حدوث کی توقع ہی نہ کرسکتے تھے —— جب کہ سادات قریش نے اس قضیہ میں مسلمانوں کے بالمقابل عناد، بڑائی، سختی اور تہدید ووعید کی سیاست کو اختیار کیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ حدیبیہ میں مسلمانوں سے مکمل جنگ کریں گے یا وہ بغیر کسی قید اور شرط کے واپس چلے جائیں اور یہ کہ قریش کسی وقت اور کسی بھی حالت میں انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے —— پھر انہوں نے اس موقف سے رجوع کرکے بلکہ اسے ترک کرکے اپنا وفد حدیبیہ کی طرف بھیجا، تاکہ وہ اس صلح کی دستاویز پر دستخط کرے جس کے متعلق قریش کا خیال یہ تھا کہ وہ ان کی فتح ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ قریش کو اس میں بڑی سیاسی شکست ہوئی کیونکہ انہوں نے ذلیل ہوکر یہ اصول تسلیم کرلیا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کا حق حاصل ہے، حالانکہ قریش نے قسم اٹھائی تھی کہ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں وہ انہیں عمرہ ادا نہیں کرنے دیں گے۔

۲۔ مشرکین کا حقیقت اسلام کو سمجھنا

صلح حدیبیہ کے مذاکرات کے دوران دعوت اسلامیہ نے جو فوائد حاصل کیے ان میں مسلمانوں اور خصوصاً ان کے نبی کا حدیبیہ میں قیام کے دوران وہ تصرف ہے جس کی وجہ سے آپ کو ان تمام لیڈروں اور سادات میں ایک قابل احترام مقام حاصل ہوگیا، جنہیں قریش نے ثالث کے طور پر اس مشکل کو حل کرنے کے لیے

بھیجا تھا جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان قائم تھی۔

قریش کے اطلاعاتی وسائل نے عربوں کو مسلمانوں کے متعلق یہ تصور دیا کہ وہ جنگ کے داعی اور خون چوسنے والے ہیں نیز وہ اس دفعہ بڑی تعداد کے ساتھ زیادتی کرنے اور حرمت والے شہر میں حرمت والے خون کو بہانے کے لیے آئے ہیں مگر جلد ہی قریش کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا اور قریش اس جھوٹے پروپیگنڈے کے پردے میں جو نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے، اس کے الٹ نتائج ظاہر ہوئے، قریش کے دوستوں اور حلیفوں میں سے جو شخص بھی ثالث بن کر حدیبیہ میں آیا اس کے ذہن میں مسلمانوں کی وہی بگڑی ہوئی تصویر موجود تھی جسے قریش کے جھوٹے اور خود غرضانہ پروپیگنڈے نے بنایا تھا، لیکن اسے جلد ہی صرف مسلمانوں سے رابطہ کرتے ہی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی اور وہ قریش کی طرف واپس چلا جاتا اور اس کے ذہن سے اس بگڑی ہوئی تصویر کا نقشہ غائب ہو چکا ہوتا اور اس کی جگہ مسلمانوں کی ایک روشن تصویر جلوہ گر ہو جاتی اور اس پر واضح ہو جاتا کہ مسلمان قریش کے تصور کے مطابق جنگ کے خواہاں نہیں بلکہ وہ خیر کے داعی ہیں اور ان کے آنے کا باعث صرف حرمات الٰہیہ کی تعظیم اور بیت الحرام کی زیارت کرنے کے سوا کچھ نہیں، یہ ثالث واپس جا کر قریش کو ملامت کرتے اور موقف کے الجھاؤ کی ذمہ داری صرف انہی پر ڈالتے جس سے خونریز تصادم ہو سکتا تھا، ان ثالثوں نے مسلمانوں کے مقصد کی بلندی، حسنِ نیت کو از خود محسوس کر لیا جیسے کہ دوسرے اور تیسرے ثالث عروہ بن مسعود اور حلیس بن زبان نے بیان کیا ہے۔ یہ سب ادبی اور سیاسی فوائد ہیں، جنہیں مسلمانوں نے قریش کی اضطراب انگیزی اور جاہلی تحدیات کے بالمقابل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ تصرفات کے نتیجہ میں حاصل کیا ـــــ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیچ دار قضیہ میں حلم و ضبط کی سیاست کو اختیار نہ کرتے تو مسلمان ان

عظیم فوائد کو حاصل نہ کر سکتے۔

۳۔ شرک کے پڑاؤ میں پھوٹ

صلح حدیبیہ کے فوائد میں سے ایک یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ شرک کے پڑاؤ میں قریش اور ان کے حلیفوں کے درمیان بڑی پھوٹ پیدا ہو گئی اور ان کے ثالثوں نے انہیں ان کے عناد و مکابرت پر ملامت کی اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے حق طواف بیت اللہ کے حصول میں حائل نہ ہوں اور انہوں نے ان کے لیڈروں کو یہ بات بھی گوش گزار کی، کہ دوسروں کی طرح مسلمان بھی مناسک عمرہ کی ادائیگی کی خاطر مکہ میں داخل ہونے کے لیے اصرار کرنے میں خطا کار نہیں، ہم گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح قریش کو حلیس بن زبان پر غصہ آیا، حالانکہ وہ ان کا سب سے طاقت ور حلیف تھا، اس نے حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسلمانوں کو طواف بیت اللہ سے روک کر تجاوز کی کارروائی کر رہے ہیں، یہ وہ بات ہے —— جیسا کہ حلیس نے اشارہ کیا ہے کہ کسی عربی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کو برداشت کرے یا اس پر قائم رہے کیونکہ یہ بغاوت اور ظلم ہے، از منے گزر گئے جن لوگوں کو ارض حرم کی سیادت نصیب ہوئی ہے ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کا اقدام نہیں کیا، جب حلیس نے مسلمانوں کے مقصد کی پاکیزگی اور موقف کی سلامتی کو از خود محسوس کر لیا تو اس نے مسلمانوں کے بارے میں قریش کو سچی بات سنا دی، مگر قریش نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کی رائے کو کمزور قرار دیا —— اس نے قریش کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی سچی آواز پر کان نہ دھرا تو وہ باہمی معاہدے کو باطل قرار دے دے گا اور اپنے جوانوں کو ان کے اکٹھ سے نکال کر لے جائے گا۔ اس پر انہوں نے مسلمانوں کا راستہ کھول دیا کہ وہ بیت اللہ کا

طواف کر لیں، جس بات نے قریش کو بے قرار کر دیا اور وہ اپنے طاقتور حلیف کا تقرب حاصل کرنے لگے وہ یہ تھی کہ جب تک قریش اپنے بھنور سے نکلنے کا راستہ نہ پالیں اس وقت تک وہ اپنی دھمکی پر عمل نہ کرے۔ اس کے بعد انہوں نے حلیس سے وعدہ کیا کہ وہ اس بھنور سے نکلنے کا راستہ بنانے کی سعی کریں گے جس میں اس کی رضامندی بھی شامل ہو گی اور ان کی کچھ آبرو بھی باقی رہ جائے گی اور اس میں مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کی اجازت بھی شامل ہو گی جس سے قریش نے مسلمانوں کو روکا ہوا تھا اور وہی حلیس کی اُلجھن کی اساس اور ناراضگی کا منبع تھی۔

حلیس بن زبان کی تہدید دوسری بڑی پھوٹ تھی جس کا سامنا، حرم میں بُت پرستوں کے اکٹھ کو کرنا پڑا، اس بات نے قریش کو اس بات کے سوچنے پر آمادہ کیا کہ وہ اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور حماقت اور اکھڑپن کی سیاست کو خیرباد کہہ دیں ——— اور یہ وہ بات ہے جو قریش کو با دل نخواستہ تاریخی صلح کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی طرف لائی۔

ثقیف کے سردار کا پیچھے ہٹنا

ہم گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح ثقیف کا سردار اور قریش کا حلیف اور داماد عروہ بن مسعود بُت پرستوں کے اکٹھ سے الگ ہوا، اس نے بے اقدام قریش کی ان کاروائیوں پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا جو مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ سے مانع تھیں، جب وہ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو اس نے بیان کیا کہ آپ کی کاروائیاں رشد و اعتدال پر قائم ہیں حالانکہ قریش نے اُسے آپ سے مذاکرات کرنے اور مدینہ کی طرف واپس جانے پر رضامند کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ایک اچھی سکیم پیش کی ہے

اس پیش کش کو قبول کر لو، میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر اس نے انہیں وضاحت سے کہا کہ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑو گے تو شکست تمہارے نصیب میں ہو گی، اس نے کہا "مجھے خدشہ ہے کہ تم اس پہ غالب نہیں آ سکو گے۔" مگر جب قریش نے اپنے دوسرے طاقتور حلیف کے مشورے کو قبول نہ کیا تو اس نے غضب ناک ہو کر اور اس عناد کی ذمہ داری ان پہ ڈالتے ہوئے کہا "اے گروہ قریش! میرے نزدیک عنقریب تمہیں مصیبت پہنچے گی" یعنی مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ سے روکنے کی وجہ سے —— پھر وہ بت پرستوں کے اکٹھ کو چھوڑ کر اپنی قوم کے ساتھ طائف چلا گیا، اس امر میں کچھ نزاع نہیں کہ شرک کے پڑاؤ میں جو بڑی پھوٹ پڑی، یہ ان فوائد میں سے ایک ہے جسے مسلمانوں نے اس صلح میں حاصل کیا —— یہ پھوٹ جہاں قریش کے ضعف کا سبب بنی وہاں مسلمانوں کے مرکز کی مضبوطی کا سبب بھی بنی —— یہ وہ بات ہے جو قریش کو اس حق کے اعتراف کی طرف لے گئی —— بلکہ اس نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے طواف بیت اللہ کے حق کو تسلیم کریں —— بلکہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی دستاویز میں حق کے تسلیم کرنے پہ دستخط کیے، جس کو بعد کے واقعات نے شرک اور مشرکین پہ اسلام کی سب سے بڑی فتح ثابت کر دیا۔

۴ مسلمانوں کے حالات کے متعلق مشرکین کا تاثر

شاید صلح حدیبیہ سے اسلام اور مسلمانوں نے جو سب سے بڑا فائدہ حاصل کیا وہ یہ تھا کہ اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو مادی طور پہ ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع دیا، اس میل جول کے نتیجے میں لوگ ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے —— نیز صلح کے نتیجے میں مشرکوں نے مسلمانوں اور اسلام کی صحیح حقیقت کو سمجھ لیا —— نہ اس تصور کی طرح جو بت پرستوں کے لیگوں

نے انہیں مکہ میں دیا تھا، مشرکین کے دانشوروں نے قریب سے مسلمانوں کے حالات کو دیکھ کر بہت اچھا اثر لیا حتیٰ کہ صلح حدیبیہ پر ابھی دس سے کچھ زیادہ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ بت پرستوں میں سے اور خصوصاً قریش میں سے اسلام میں اس سے بھی زیادہ آدمی داخل ہو گئے، جتنے پندرہ سال میں داخل ہوئے تھے، اس رائے پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ جس روز صلح حدیبیہ ہوئی، مسلمانوں کی تعداد، بڑے سے بڑے اندازے کے مطابق دو ہزار سے زیادہ نہ تھی ——— جب کہ آٹھویں سال میں ——— اور فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تک پہنچ گئی۔

صلح حدیبیہ ——— فتح عظیم

اللہ تعالیٰ کے فضل، پھر صلح حدیبیہ کی برکت سے دو سال کے میل جول، تعارف اور فریقین کے درمیان آزادانہ مناقشات و مذاکرات سے ان لوگوں کی اکثریت اسلام میں داخل ہو گئی ——— اس لیے بعد میں اس صلح کو فتح عظیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ابن اسحٰق زہری سے بیان کرتا ہے کہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام میں اس سے بڑی فتح نہیں ہوئی ——— بلکہ جہاں لوگ ملتے، جنگ کرتے، جب صلح حدیبیہ ہوئی اور جنگ ختم ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے تو انہوں نے آپس میں بحث و مباحثہ کیا، پس جو شخص کچھ بھی سمجھتا تھا وہ اسلام کے متعلق گفتگو کر کے اس میں داخل ہو گیا ——— اور ان دو سالوں میں پہلے سے بھی زیادہ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، اس میل جول اور تعارف نے مشرکوں کو یہ موقع دیا کہ وہ مسلمانوں کی حقیقی صورت کو دیکھیں، مشرک، مسلمانوں میں اس عجیب انقلاب کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ایام جاہلیت میں وہ جن باتوں پر قائم تھے اب ان کے اُلٹ، ان میں تبدیلی آچکی تھی۔ وہ تھوڑا عرصہ قبل انہی مشرکوں جیسے تھے، انا رکی، ان پر حکمران تھی، جسمانی خواہشات ان کو قابو کیے ہوئے

تھیں اور وہ بتوں کے پرستار تھے ۔ حرمات کی بے حرمتی کرنے والے اور جرائم کے مرتکب تھے ، ان کے درمیان اور چرنے والے حیوان کے درمیان کوئی فرق نہ تھا لیکن آج وہ ان پر ہر بات میں فوقیت رکھتے تھے صدق وصفا ، اطاعت اور نظام کی پابندی کے لحاظ سے ان پر فائق تھے ، فی الجملہ وہ ایک نئی مخلوق بن گئے تھے اور ایسے فضائل و محاسن سے آراستہ تھے ، جسے کسی قریشی نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا ، قریشی مشرک حیران ہو کر پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز ہے جس سے یہ لوگ انسانیت کے بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں اور جس نے انہیں احترام و بزرگی کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو مکہ سے ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں بنوکِ شمشیر مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کو نکلے تھے وہ بھی اس بلند مقام تک پہنچ گئے ہیں ۔ یہ سوال بڑے اصرار سے اس روز سے قریش کے دانشوروں کے ذہن میں گردش کر رہا تھا جب سے صلح حدیبیہ ہو کر ان کا مسلمانوں سے میل جول ہوا تھا اور انہوں نے ان میں وہ حیران کن تبدیلی محسوس کی کہ وہ بھلائی کے راستے کے سوا ، اور کسی طرف چلنا جانتے ہی نہیں ، قریش اپنے سرداروں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اس نقصان رساں حیوان کی طرح دیکھتے تھے جو زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا ، مسلمانوں کی یہ بگڑی ہوئی تصویر قریش کے اذہان میں سادات مکہ کے پروپیگنڈہ نے بنائی تھی ، لیکن حقیقت نے اس بگڑی ہوئی تصویر کو مٹا کر اس کی جگہ ان مسلمانوں کی حقیقی اور روشن تصویر بنا دی ، جن میں سے کوئی آدمی بھی بت پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ وہ اخلاق ، عادات اور نفسیاتی لحاظ سے پوری طرح بدل گیا —— عام مشرکین کے نزدیک جنہیں صلح حدیبیہ نے مسلمانوں سے میل جول اور ان کی حقیقت کی معرفت کا موقع دیا ، یہ بات حیرت اور سوال کا موجب تھی ۔

مسلمانوں کے متعلق ثقیف کے سردار کی رائے

جن بہت سے لوگوں کو، صلح حدیبیہ کے مذاکرات کے دوران اور صلح کے ایام میں مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا، اُنہوں نے اس فوری اور حیران کن انقلاب پر حیرت کا اظہار کیا جسے اسلام نے اپنے حلقہ بگوش ہونے والے افراد میں پیدا کیا اور وہ اس نمایاں اور روشن صورت میں پیدا ہوا کہ کل کے خونریز اور رہزن ـــــ اسلامی ہدایت سے مس ہوتے ہی انسانیت اور اخلاقیات کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوگئے، مثلاً مغیرہ بن شعبہ جو ایک غریب اوچھا اور دلیر رہزن نوجوان تھا، جو قبولِ اسلام سے قبل قتل اور لوٹ مار کی پرواہ نہیں کرتا تھا، اور زمانہ بت پرستی میں اس کی اس خصلت کو تمام قبائل ثقیف جانتے تھے، اس نے زمانہ جاہلیت میں قبولِ اسلام سے چند روز قبل جو آخری بھیانک جرم کیا وہ یہ تھا کہ اس نے خیانت سے بنو مالک کے بارہ آدمیوں کو قتل کر دیا جو مصر سے واپسی کے سفر میں اس کے رفیق تھے، یہ نوجوان جو شرک کے زمانے میں اوچھے پن تہور، وحشی پن اور رہزنی کی علامت تھا، اسے قریش نے قضیہ حدیبیہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپر کھڑے دیکھا جو آپ کی زندگی کا امین بلکہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار بن کر نگرانی کر رہا تھا جسے اسلام نے جھپٹا مارنے والے عقاب سے ایک مضبوط چال چلن کا انسان بنا دیا جو ذمہ داری کا شعور رکھتا تھا اور بہادری، شرافت اور اپنے قائد اعلیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی کرنے میں اعلیٰ مقام پر فائز تھا، دورِ جاہلیت میں جن باتوں کی وجہ سے وہ مشہور تھا، اسلام نے اس کی ہر چیز میں تبدیلی پیدا کر دی تھی، ثقیف کے سردار کو اس امر سے بہت حیرت ہوئی کہ اس کا بھانجا جو ماضی میں ایک دلیر رہزن تھا، اب مسلمانوں کے نبی کی زندگی کا امین ہے صرف اس کے بھلے

کی حالت کی تبدیلی ہی نے اس کے اندر حیرت اور سوال پیدا نہیں کیا بلکہ ثقیف کے سردار کو مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کا جو موقع ملا اس نے بھی اس کے اندر حیرت کے جذبات کو پیدا کیا کیونکہ اس نے حدیبیہ میں قریش کی جانب سے جو سفارت کے فرائض سر انجام دیے، اس کی وجہ سے اس نے مسلمانوں کے بہت سے احوال کو معلوم کیا۔ جو اس کے لیے بڑے حیرت انگیز تھے، جس کا اس کے دل پر گہرا اثر تھا، جس کی وجہ سے بالآخر وہ اسلام میں داخل ہوا اور شہید ہو کر مرا اور وہ طائف میں اپنی قوم ثقیف کو اسلام کی دعوت دیتا تھا۔

قریش کی صراحت

صلح حدیبیہ کے فوائد میں ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ عروہ بن مسعود، مسلمانوں کے حیرت انگیز حالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ جب وہ قریش کی طرف سے سفیر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا تو اس کا اثر اس پر چھایا ہوا تھا —— اور جب وہ حدیبیہ سے اپنے قریشی حلیفوں کی طرف واپس آیا تو وہ مسلمانوں کے متعلق صحیح تاثرات کا حامل تھا اور اس نے یہ حیرت انگیز تاثرات اپنے قریشی حلیفوں سے پوشیدہ نہیں رکھے بلکہ اس نے اسلام میں داخل ہونے والے ہر شخص کی زندگی میں جو عظیم انقلاب دیکھا، اُسے صراحت کے ساتھ ان کے سامنے بیان کیا اور قریش کو ان تبدیلیوں کی طرف بھی متوجہ کیا جو ان کے مفادات کے خلاف رُو نما ہو رہی تھیں اور اس کامل انقلاب کے نتائج کو سارا علاقہ دیکھ رہا تھا جو اسلام ہر اس انسان کے دل میں پیدا کر رہا تھا جو دین اسلام اور اس کے نبی کی اتباع کو اختیار کر لیتا تھا اس نے حدیبیہ سے واپس آکر ساداتِ مکہ سے کہا اے گروہِ قریش! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی حکومتوں کو دیکھ آیا ہوں، قسم بخدا، جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں ہے، میں نے کسی بادشاہ کو بھی اپنی قوم میں کبھی اس طرح کا

نہیں دیکھا، میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اُسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے! پس مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو، اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ عروہ بن مسعود نے پوری راستبازی اور امانت کے ساتھ —— سادات مکہ کو صحیح تاثرات پہنچا دیے جن کا بہت سے لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔

دلوں میں اسلام کا جاگزیں ہونا

مشرکین کے جن لیڈروں اور نمائندوں اور دیگر لوگوں نے قضیہ حدیبیہ —— اور اس کے بعد معاہدہ صلح میں مسلمانوں کے ساتھ میل جول کیا اور ان کی حقیقت سے واقفیت حاصل کی، وہ بھی عروہ بن مسعود سے کم متاثر نہ تھے ان کے اندر مسلمانوں کی حالت کے مشاہدہ سے ایک حیرت اور تعجب پیدا ہوا، عربوں کی فطرت میں خواہ وہ مشرک ہوں، جھوٹ سے نفرت کرنا اور صراحت سے بات بیان کرنا پایا جاتا ہے —— یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے حدیبیہ میں مسلمانوں سے ملاقات اور میل جول کیا اور معاہدہ صلح کے بعد اُن سے معاملات کیے انہوں نے مسلمانوں اور ان کی جدید سوسائٹی کے متعلق جمہور قریش کو اپنے کامل تاثرات سے آگاہ کیا اس سوسائٹی کی اساس توحید پر تھی اور اس میں انہوں نے بھلائی صاف دلی، محبت، رواداری اور اجتماعیت کے زندہ نمونے دیکھے اور اس نئے دین نے ان کے طرز زندگی کو درست کر دیا تھا، سب سے زیادہ حیرت انہیں مسلمانوں کے انتظامی کنٹرول پر ہوئی جس کی پابندی مسلمان دین جدید کی تعلیمات کے جزو اساسی کے طور پر کرتے تھے —— اس پابندی کے التزام نے ان کے دلوں سے جاہلیت کے قابل نفرت اکھڑپن اور تنگ نظر قبائلی عصبیت کو اکھاڑ پھینکا جو بسا اوقات جذباتی انگیخت کے باعث ظالمانہ جنگوں کے بھڑکانے کا سبب بن جاتی تھی اور ہر خشک و تر کو کھا جاتی تھی، اس جاہلی انارکی کی جگہ حیرت انگیز اور خوش منظر اسلامی انضباط نے

سے لی جس کی تنفیذ اور پابندی کے لیے محمد بن عبداللہ کا ایک پُرسکون کلمہ کافی تھا۔ جو مسلمانوں کے نبی تھے اور مسلمان ان کے مومن اور مصدق تھے اور بطیب خاطر ان کی اتباع کرنے والے تھے۔

انضباط اسلامی کا زندہ نمونہ

اور شاید انضباط اسلامی کی سب سے شاندار زندہ مثال جس نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر دیا، ابو جندل بن سہیل بن عمرو کا وہ واقعہ تھا جسے بعض سادات قریش نے حدیبیہ میں دیکھا اور اس سے متاثر ہوئے اور ششدر رہ گئے اس واقعہ سے سہیل بن عمرو بے حد متاثر ہوا، اس نے اور قریشی وفد کے دیگر ممبران نے مذاکرات کے دوران دیکھا کہ جب سہیل اپنے بیٹے کے گریبان کو پکڑے اس کے منہ پر تھپیڑ مار رہا تھا تاکہ اسے مشرک قریش کے پاس واپس لے جائے حالانکہ وہ مسلمان تھا اور پابجولاں ــ حدیبیہ میں مسلمانوں کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا اور وہ غصہ سے بھر گئے ـــــ سہیل بن عمرو اور دیگر ممبرانِ وفد اور تمام ان لوگوں نے جو مشرکین میں سے وہاں حاضر تھے انہوں نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ ایک پُرسکون کلمے نے ان کو غصہ پینے والے اور اپنے برانگیختہ جذبات کو لگام دینے والے بنا دیا ـــــ
ہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو ایک پُرسکون بات یہ فرمائی کہ

> "ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے اور ہم نے انہیں اور انہوں نے ہم کو ایک عہد دیا ہے اور ہم ان سے عہد شکنی نہیں کر سکتے۔"

یہ بات آپ نے ابو جندل سے اس وقت فرمائی جب اس نے آپ سے پناہ کا حق طلب کیا، سہیل اور بقیہ ممبرانِ وفد نے دیکھا کہ چودہ سو اصحاب

النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد کی وجہ سے جو ان کے نبی نے دستاویز صلح میں دیا ہے انہیں سہیل بن عمرو مشرک اور اس کے مسلمان بیٹے کے درمیان کسی کارروائی کو بروئے کار لانے سے کس طرح روکے ہوئے ہے، باوجودیکہ انہیں سہیل بن عمرو اور مشرکین کے خلاف بے حد غصہ آرہا تھا پھر بھی انہوں نے کسی ساکن چیز کو ابوجندل کی حمایت میں حرکت نہیں دی اور باوجود اس بات کے کہ انہیں ابوجندل کی حمایت پر پوری قدرت حاصل تھی، وہ اس کے لیے جب کہ وہ ان کے پڑاؤ کو چھوڑ رہا تھا اور اس کا باپ اس کے گریبان کو پکڑے ہوئے اس کے منہ پر مشرکانہ بداخلاقی کے ساتھ تھپیڑ مار رہا تھا، اس کے پیچھے سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہ کر سکے، اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پُر سکون کلمہ جو آپ نے ابوجندل سے فرمایا — اُسے صبر کی تلقین کر رہا تھا اس نے ان مسلمانوں کے لیے کچھ حدود مقرر کر دیں جن کے پاس وہ اپنے بھائی ابوجندل کے المیہ کے بالمقابل اپنی کارروائیوں کو روکے رہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پُر سکون کلمے کو اپنے لیے ایک حکم سمجھا کہ وہ اپنے بھائی ابوجندل کی مدد میں ہمدردی کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے اور اُسے صبر و ثبات کے اختیار کرنے کی ترغیب دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی بے چینی کو دُور کر دے اور اس کی رہائی کی کوئی سبیل پیدا کر دے اور عملاً وہ — اس حد پر اپنے قائد اور نبی کی خواہش کے مطابق کھڑے ہو گئے، جو اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ مسلمان اس معاہدہ کی نصاً اور روحاً پابندی کریں، مسلمانوں اور ان کے جدید معاشرہ کے متعلق یہ حیران کن اور روشن تاثرات ان تمام لوگوں نے بیان کیے ہیں جو صلح حدیبیہ میں موجود تھے یعنی قریشی وفد کے ممبروں نے یہ بات مکہ کے جمہور قریش کو پہنچائی اور مکہ کے پڑوسیوں، کنانہ اور خزاعہ تک بھی پہنچائی اور وہ اس سے بہت متاثر ہوئے۔

قریش اور حرم کے پڑوسیوں کے عقل مندوں کے دل میں یہ سوال اور بھی بڑے زور سے پیدا ہوا کہ اس بات کا راز کیا ہے ؟ اور اس معاشرہ کے اصحاب کے متحد و متفق ہونے کی حقیقی تفسیر کیا ہے ، قریش توان کی تحقیر و تنقیص کے لیے ان پر " صابی " کا نام اطلاق کرتے ہیں ——

یہ معاشرہ اس قسم کا ہے کہ ہر مذہب و عقیدہ کا آدمی اس کے ممبران کا اجلال و احترام کرتا ہے ، بلکہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اس معاشرہ کا ایک فرد ہو ، آزادانہ ریسرچ اور پاکیزہ موازنہ کی روشنی میں مشرکین مکہ اور دوسرے لوگوں کے دانشوروں نے اس عظیم سوال کا جواب معلوم کر لیا ہے اور وہ اس عظیم معاشرہ کے قیام کی صحیح تفسیر تک پہنچ گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی نے اس معاشرہ کو قائم کیا ہے اور اس کی تعلیمات کی پابندی اور اس کے فرائض کی ادائیگی ہی نے معاشرہ محمدی کے افراد کو فضائل استقامت پابندی طریق ، بلند اخلاق اور اتحاد سے آراستہ کیا ہے ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حدیبیہ سے مدینہ جانے والے راستہ پر ہی تھے کہ اس صحیح تفسیر کو سمجھ کر سادات مکہ کے بڑے بڑے عقلمندوں نے اسلامی معاشرہ کے متعلق اپنے صحیح تاثرات لوگوں تک پہنچائے —— اور ان عقلاء کے دلوں میں اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی معاشرہ میں شامل ہونے کا خیال سما گیا جس کے افراد کے فضائل و شمائل کی صلح حدیبیہ سے مکہ واپس آنے والوں نے گواہی دی ، یہ قریشی دانشور اپنے اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی معاشرہ میں جس کے افراد نے قریشی مشرکوں کے دلوں پر جادو کی طرح اثر کر رکھا تھا ، شامل ہوئے اور اس کے اعلان کے لیے کسی مناسب موقع کے منتظر رہے ، جو زعماء اور لیڈر حدیبیہ میں مسلمانوں کی روح پرور کیفیت سے متاثر ہوئے اور ان کے دلوں میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کا خیال سما گیا ۔ ان میں خالد بن ولید ، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ شامل تھے ابھی حدیبیہ

کے اثر انگیز واقعات پر ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ قریش کے شہسوار اور ان سوار دستوں کے سالار، خالد بن ولید نے —— جو حدیبیہ کے بحران میں مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے یا انہیں تباہ کرنے کے لیے سینکڑوں سواروں کے ساتھ نکلا تھا۔ صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو پتھر مارنے کی طرح صراحت کے ساتھ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت و دعوت حقہ کے حامل ہیں اور ہر عقل مند کو ان کی پیروی کرنی چاہیے، خالد نے بلند آواز سے کہا اے گروہِ قریش! ہر عقل مند پر یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ساحر ہیں نہ کذاب، اور ہر عقل مند کو ان کی پیروی کرنی چاہیے، پھر اس نے اپنے ہتھیار لیے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان اسلام کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑا، اس کے ساتھ اس کے دو دوست عثمان بن طلحہ العبدری اور عمرو بن العاص السہمی بھی رفیق سفر تھے اور وہ بھی خالد کی سی رائے رکھتے تھے، اس طرح صلح حدیبیہ اور اس کے واقعات اور اس پر مرتب ہونے والے امور نے، مشرک عقلاء کے دلوں میں گہرے جذبات و احساسات پیدا کیے اور یہی احساسات انہیں اسلام کی طرف لے آئے اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے —— اور یہ بات کوئی حقیقت سے دور نہیں بلکہ عین حقیقت ہے کہ صلح حدیبیہ سب سے بڑی فتح ہے اور دور رس اثرات کی حامل ہے اور اسلام کے ستونوں کو مضبوط کرنے اور اس کی حکومت کی بنیاد ڈالنے میں بڑی کارگر ہے۔"

خیبر کے یہود اور شمال کے لیے فراغت

اسی طرح صلح حدیبیہ کے فوائد میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود خیبر کے ساتھ عسکری لحاظ سے حساب چکانے کے لیے فارغ ہونا بھی ہے، یہ لوگ جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سب سے خطرناک دشمن خیال کیے جاتے تھے، صلح حدیبیہ سے قبل، خیبر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید کینہ رکھنے والے یہودی چھپے رہتے تھے، جن کی مدد دس ہزار یہودی جانباز

کرتے تھے، اور ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں، مسلمانوں کے لیے اس یہودی خطرہ کا دانائی کے ساتھ ازالہ کرنا ضروری تھا، جو ان کے وجود کو ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور وہ اس طرح ہو سکتا تھا کہ تمام جزیرہ میں یہودیوں کے وجود کا قلع قمع کرنے کے لیے جنگ ان کے صحن میں جا کر لڑی جائے اور عملاً یہ کام غزوہ خیبر میں ہوا جو ہماری چھٹی کتاب کا موضوع ہے (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) اور وہ ہماری اس پانچویں کتاب کے بعد کی کتاب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو جانبازوں کے ساتھ دھیرے دھیرے خیبر کی طرف بڑھے اور جنگ کو یہود کے صحن میں منتقل کر دیا جو تقریباً پانچ دن کے فاصلہ پر تھا اور اس جنگ میں اس دخیل یہودی عناصر کا خاتمہ کر دیا گیا جس کا دفاع جزیرہ عرب کی سب سے زبردست فوج کرتی تھی۔

عسکری علوم کے پیمانہ کے مطابق ——— رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ——— کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے کوئی جنگی فوج چھوڑے بغیر جنگ کو مدینہ سے پانچ روز کی مسافت پر یہود کے دس ہزار جانبازوں کے مقابلہ کے لیے لے جائیں، اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی اور آپ اپنے سب سے بڑے دشمن قریش سے مطمئن نہ ہوتے جو اسلامی وجود کو ختم کرنے کے لیے یہود سے کم رغبت نہ رکھتے تھے جن کی مدد آٹھ ہزار جانبازوں کی فوج کرتی تھی، باوجودیکہ قریش اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے یہود خیبر کے ہمنوا تھے اور مسلمانوں پر ان کی فتح کے خواہاں تھے ——— ——— مگر مسلمانوں کے ساتھ قریش نے جو صلح کی اس نے ان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ اس جنگ سے غیر جانب دار رہیں جو مسلمانوں اور یہود خیبر کے درمیان دو ماہ سے چل رہی تھی یہاں تک کہ وہ خیبر کے تمام یہودیوں وادی القریٰ، فدک، تیماء اور تمام شمالی علاقوں پر مسلمانوں کی فتح پر ختم ہوئی۔

اس موقع پر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی فوجوں کی کامل فراغت نے انہیں یہ طاقت بخشی کہ وہ اپنا پورا بوجھ خیبر اور شمال کے یہودیوں سے

جنگ کرنے اور ان پر غالب آنے کے لیے صرف کر دیں اور یہ وہ عظیم سیاسی فائدہ ہے جسے مسلمانوں نے مشرک قریشیوں اور ان کے حلیف کنانیوں سے حدیبیہ میں صلح کر کے حاصل کیا۔

شام کی طرف جنگ کا انتقال

اسی طرح صلح حدیبیہ کے ذریعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ موقع ملا کہ آپ بازنطینی حکومت کو مسلمانوں کی فوجی طاقت کے متعلق بتانے کے لیے جزیرہ عرب کی حدود سے باہر پہلا فوجی حملہ کریں جب تک مسلمانوں نے حدودِ شام کو پار کر کے رومی علاقے میں اسّی میل اندر داخل ہو کر جو اردن کے علاقہ میں ہے، اس حکومت کو یہ نہیں بتایا کہ مسلمان بھی کوئی طاقت ہیں اس سے قبل وہ مسلمانوں کو کسی حساب وکتاب میں شمار نہ کرتی تھی، قریش اور مسلمانوں کی صلح کے دوران رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار جانبازوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا اور یہ عہد نبوی کا سب سے بڑا دستہ تھا ـــــ آپ نے اس دستہ کو حکم دیا کہ وہ شام میں رومی علاقے کو روند ڈالے اور جس حد تک وہ اس کے اندر جا سکتا ہے چلا جائے، یہ دستہ موتہ بستی تک چلا گیا اور وہاں پر مسلمانوں اور رومی فوجوں کے درمیان پہلی سخت ترین جنگ ہوئی اور اس معرکہ کا نام جنگ موتہ رکھا گیا اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں نے فوجی لحاظ سے کامیابی حاصل نہ کی بلکہ انہوں نے سیاسی اور معنوی لحاظ سے عظیم فتوحات حاصل کیں، اور رومی فوجوں کے سالاروں کے اذہان میں مسلمان فوجی کی حقیقت کے متعلق جو تصورات تھے ان کی انہوں نے اصلاح کر دی نیز اس فوجی کی شجاعت و بسالت نے رومی لیڈروں کو حیرت میں ڈال دیا اور ان کے اذہان سے یہ بات ہمیشہ کے لیے نکال دی کہ مسلمان فوجی کمزور ہوتا ہے، اس معرکہ میں تین ہزار مسلمان سپاہی ایک لاکھ رومی فوج کے سامنے ڈٹے رہے اور بغیر کسی انار کی اور اضطراب کے

اپنے تین سالاروں کے کھونے اور رومی فوجوں کو خطرناک نقصان پہنچانے کے بعد واپس لوٹ آئے

اس بات نے رومیوں کو مرعوب کر دیا اور وہ جزیرہ عرب سے جنگ کرنے سے کترانے لگے، حالانکہ رومی قیادت اس جنگ کو دمشق میں لڑنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

شرقِ اوسط کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام

اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صلح کے زمانے میں شرقِ اوسط کے ——— امراء اور بادشاہوں سے رابطہ کر کے انہیں دعوتِ اسلام دی اور وہ اس طرح کہ آپ نے ہجرت کے ساتویں سال ہر بادشاہ اور امیر کی طرف اپنے صحابہ کے ذریعے خاص خطوط بھیجے، جن میں انہیں دعوتِ اسلام دی گئی ——— جن جن علاقوں کے امراء اور بادشاہوں کو یہ خطوط ملے ان پہ ان خطوط کے مختلف اثرات ہوئے، ان رسائل کی تاثیر کے اختلاف کے باوجود ان کا پہنچنا اور قبائل میں ان کی خبر کا پھیلنا بلاشبہ دعوت اسلامی کے مفاد میں ہوا۔

عیص کے انقلابی اور ساحل میں کمزوروں کی حکومت

قضیہ حدیبیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہم نے بتایا تھا کہ مکہ کے قیدخانوں میں بہت سے مسلم نوجوان انواع و اقسام کی اذیتیں، ذلتیں اور عذاب برداشت کر رہے تھے، ان میں ابو جندل بن سہیل بن عمرو بھی شامل تھا جو حدیبیہ کے مشہور واقعہ کا ہیرو ہے، ہم نے قضیہ حدیبیہ پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ میں قریش سے یہ عہد کیا تھا کہ آپ مکہ سے آنے والے کسی آدمی کو پناہ کا حق نہیں دیں گے اور اُسے واپس کر دیں گے اور خواہ وہ مسلمان ہی ہو اُسے مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس شرط کو سہیل بن عمرو

نے لکھایا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر لیا تھا اور مسلمان اس شرط کے قبول کرنے سے بہت تنگ ہوئے تھے، ابوجندل کا واقعہ اور حدیبیہ میں اس کا المیہ پہلا امتحان تھا جس سے گزر کر مسلمانوں نے عہد کو پورا کیا، اور مسلمان ابوجندل کو معاہدہ کی شرائط کو پورا کرتے ہوئے اس کے مشرک باپ کو واپس کر دیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

قریش کے خلاف کمزوروں کا انقلاب

صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا فائدہ اور قریش کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ قریش کے نمائندے نے معاہدہ صلح میں مذاکرات کے دوران ایک سخت شرط لکھوائی جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا جس کی وجہ سے حدیبیہ میں صحابہ کے درمیان شدید معارضہ پیدا ہوا۔ اور وہ شرط یہ تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عہد کریں کہ قریش کی طرف سے اگر کوئی آدمی اپنے اہل کی اجازت کے بغیر خواہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے، آپ اُسے قریش کی طرف واپس کریں گے، یہ شرط قریش کے لیے اس قدر مصیبت اور نقصان کا باعث بنی کہ قریش نے مجبور ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے التجا کی اور آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ معاہدہ کی شرائط میں سے آپ اس شرط کا ختم کرنا منظور فرمالیں اور قریش کی جانب سے جو آدمی آپ کے پاس آئے آپ اُسے قبول کرلیں اور واپس نہ کریں جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کی تنفیذ پر قائم ہو گئے تو قریش کے قیدخانوں سے بھاگنے والے اور ان سے تمرد اختیار کرنے والے مسلمان ساحلِ عیص میں پناہ لینے لگے، جہاں پر قریش اور دیگر قبائل کے تین سو جانباز اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے مشرکین مکہ کے خلاف انقلاب برپا کر دیا اور ابوبصیر کی قیادت میں قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرنے لگے، وہ قافلے ہمیشہ شام سے

سامان لے کر مکہ کی طرف آتے تھے نیز وہ قافلہ کے ساتھ چلنے والے قریشیوں کو قتل کرنے لگے، اس بات نے قریش کو زبردست مالی اور جانی نقصان پہنچایا — یہ مسلمان انقلابی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے دوستی رکھتے تھے جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معاہدہ کی شرط کے مطابق قریش نے لکھوایا تھا، انھیں مدینہ میں اقامت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے، قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے التجا کی اور آپؐ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے گذارش کی کہ آپؐ عیص کے مسلمان انقلابیوں سے کہیں کہ وہ قریش کے خلاف اپنی بغاوت کو ختم کر دیں اور قریش کا جو آدمی آپ کے پاس مدینہ میں رہنے کے لیے آئے آپ اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیں۔ تاکہ قریش کے تجارتی قافلے بچ جائیں، اور تجارت قریش کی ریڑھ کی ہڈی تھی، جو ان نوجوان انقلابیوں کے ہاتھوں ٹوٹ چکی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اپنی قوم کے مشرک ہونے کے، ان کی بات کو مان لیا اور انقلابیوں کے لیڈر ابو بصیر اور اس کے نائب ابو جندل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود اور ان کے انقلابی بھائی مدینہ آجائیں اور عیص میں اپنے مقامات کو چھوڑ دیں، انقلابیوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کو قبول کیا اور مدینہ کی طرف واپس آگئے — اس کی تفصیل ہمارے اس سلسلہ کی ساتویں کتاب میں عنقریب ہی بیان ہو گی انشاء اللہ۔

[redacted]

[redacted]

اِسلام کے فیصلہ کُن معرکے

فتح مکّہ

تالیف:
محمّد احمد باشمیل

ترجمہ:

نفیس اکیڈیمی
اسٹریچن روڈ - کراچی ۱

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمْ
اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ (الحديث)

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس نے ان کی پیروی کی وہ ہدایت یاب ہوا

عشرۂ مبشرہ

جس میں
ان دس خوش نصیب صحابۂ کبار کے مستند حالات درج ہیں
جن کو زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت
کی بشارت دے دی تھی

مولفہ
محمد جمیل احمد ایم اے

ناشر
نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ کراچی ۱

اسلام کے فیصلہ کن معرکے

فتح خیبر

[redacted]

تالیف:

محمد احمد باشمیل

ترجمہ:

اختر فتح پوری

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

[redacted]

[redacted]